دینِ الٰہی اور اُس کا پس منظر

مُحمّد اسلم

اُستاذ شعبہ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی

ندوۃ المصنّفین

سمن آباد ○ لاہور

حقوق طباعت بحق مصنف محفوظ

طبع اوّل ـــــ ندوۃ المصنفین دہلی۔ اگست ۱۹۶۹ء

طبع ثانی ـــــ ندوۃ المصنفین لاہور، جنوری ۱۹۷۰ء

ناشر ـــــ مینیجر ندوۃ المصنفین، لاہور

طابع ـــــ محمد طفیل مالک نقوش پریس اُردو بازار لاہور

قیمت ـــــ ساڑھے سات روپے

ملنے کا پتہ

۱۔ ندوۃ المصنفین، ۹۵۰، این سمن آباد، لاہور

۲۔ آئینۂ ادب، چوک مینار، انارکلی، لاہور

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
پیش لفظ	۹
کچھ اپنے مآخذ کے بارے میں	۱۲
آغاز سخن	۲۳
اکبر کی ابتدائی مذہبی زندگی	۳۰
علمائے سُوء	۴۷
صوفیائے خام	۶۶
شیخ مبارک کا منصوبہ	۸۵
اکبر اور ہندو	۱۱۶
بھگتی تحریک اور اکبر	۱۳۹
اکبر اور جینی	۱۵۲
پارسی اور اکبر	۱۵۷
اکبر اور عیسائی	۱۶۳

نقطوی تحریک اور اکبر	۱۷۳
کیا اکبر ایک نیا ظہور تھا	۱۸۹
اکبر نے کیا کھویا	۲۰۳
کیا پایا	۲۲۱
ردِّ عمل	۲۳۶
ضمیمہ	۲۴۳
فہرست اسنادِ محولہ	۲۵۰

انتساب

میں اپنی اس ادنیٰ کاوش کو اپنے مشفق بزرگ اور مُربی

پروفیسر علامہ علاؤالدین صدیقی

وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی

کے نام

محبت اور احترام کے جذبات کے ساتھ

معنون کرتا ہوں

دیباچہ طبعِ ثانی

گذشتہ سال راقم الحروف اور شیخ عبد السلام صاحب، مالک آئینۂ ادب لاہور نے "دین الٰہی اور اس کا پس منظر" شائع کرنے کا پروگرام بنایا اور اوائل جون میں کتابت کے لیے مسودہ کاتب کے حوالے کیا۔ جونہی کتابت مکمل ہوئی میں دہلی چلا گیا اور کتابت شدہ کاپیاں بھی اپنے ہمراہ لیتا گیا۔ دہلی میں جناب قبلہ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی مدظلہم نے اس کتاب میں بڑی دلچسپی کا اظہار فرمایا اور اسے ندوۃ المصنفین کی مطبوعات میں شامل کر لیا۔ میرے لئے یہ بات باعثِ فخر و انبساط ہے کہ میری اولین کاوش برصغیر پاک و ہند کے مشہور ترین علمی ادارے نے شائع کی۔

جیسا کہ قارئین کرام کو معلوم ہے آج کل پاکستان و بھارت کے درمیان کتابوں کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر ہے، اس لئے پاکستانی اہل علم کے لئے یہ کتاب نہ چھپنے کے برابر تھی۔ میں نے جناب شیخ عبد السلام صاحب کے اصرار پر اس کتاب کو لاہور سے شائع کرنے کا فیصلہ کر کے اس پر نظر ثانی شروع کر دی۔ موجودہ ایڈیشن میں تین ابواب کا اضافہ کرنے کے علاوہ میں نے متعدد ایسی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے جو پہلے ایڈیشن کی تیاری کے دوران دستیاب نہ ہو سکی تھیں۔ فارسی کا مشہور مقولہ ہے: نقاشِ نقشِ ثانی بہتر کشد زاوّل۔ مجھے امید ہے کہ قارئین کرام پہلے ایڈیشن کی نسبت دوسرے ایڈیشن کو بدرجہا بہتر پائیں گے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

تقریظ

از استاد العلماء مولانا سعید احمد اکبر آبادی
صدر شعبۂ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ،
و مدیر ماہنامہ "برہان" دہلی

اکبر کے دین الٰہی کے متعلق بہت لکھا جا چکا ہے لیکن یہ دین وجود میں کیونکر آیا؟ اس سلسلہ میں کم و بیش سب مؤرخین اور مصنفین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اکبر کو تحقیق مذاہب کا شوق تھا اور اس نے ایک مجلس قائم کی تھی جس میں مختلف مذاہب و ادیان کے علماء شریک ہو کر اپنے مذہب کی حقانیت و صداقت کے اثبات میں تقریریں کرتے تھے اور ان کی روش مناظرانہ و مجادلانہ ہوتی تھی۔ اکبر پر ان تقریروں کا اثر یہ ہوا کہ وہ اسلام سے بیزار ہو گیا اور اسے خود ایک نیا مذہب ایجاد کرنے کی سوجھی۔ بعض خوش فہم حضرات ایسے بھی ہیں جو دینِ الٰہی کو ہندوستان میں "متحدہ قومیت" پیدا کرنے کی ایک کوشش سمجھتے اور اس لئے اُسے اپنے خیال کے مطابق مستحسن قرار دیتے ہیں۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک ایک فرقہ پرورانہ جد و جہد قرار پاتی ہے۔ اس غلط اندیشی اور خام خیالی کا اصل سبب یہ ہے کہ دینِ الٰہی کی حقیقت اور اس کے پس منظر سے متعلق ہم کو اب تک جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ بڑی حد تک ناقص بھی ہے اور غیر مربوط بھی۔ اس بنا پر سخت ضرورت تھی کہ اکبر کے دینِ الٰہی کا مطالعہ مزید تحقیق و تدقیق اور وسعتِ نظر کے ساتھ کیا جائے تاکہ ہم اس کی روشنی میں ایک ناقابلِ انکار قطعیت

تک پہنچ سکیں۔

بڑی مسرت کا مقام ہے کہ عزیزِ گرامی قدر پروفیسر محمد اسلم کی یہ کتاب اس اہم ضرورت کی تکمیل بہمہ وجوہ کرتی ہے۔ یہ کتاب جس تحقیق و تدقیق اور ژرف نگاہی سے مرتب کی گئی ہے اس کا صحیح اندازہ تو کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی ہوگا۔ اس میں ایسے بہت سے مآخذ سے مدد لی گئی ہے جو اب تک اربابِ نظر سے پوشیدہ تھے اور جو کچھ لکھا ہے منطقی تسلسل اور ربط کے ساتھ لکھا ہے۔ عزیزِ موصوف کا نظریہ عہدِ زیرِ بحث کی تاریخ میں ایک بالکل نیا اور انقلاب آفرین نظریہ ہے اور اس کو ایسے قطعی دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ کسی کے لئے مجالِ انکار و تردید باقی نہیں رہتی۔ دینِ الٰہی کی اصل حقیقت اور اس کا پسِ منظر معلوم ہو جانے کے بعد حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک اور ان کے کام کی اہمیت اور عظمت بھی دوچند ہو جاتی ہے۔ اِس بنا پر کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک نہایت اہم اور حد درجہ وقیع تاریخی دستاویز ہے اور تاریخ کے اساتذہ اور طلبہ کے لئے تحقیق کا ایک معیار پیش کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نوجوان مصنف کو اس کا اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

۱۲ر جولائی ۱۹۶۹ء — سعید احمد اکبر آبادی

پیش لفظ

یہ گذشتہ جنوری کا ذکر ہے میرا ایک مضمون بعنوان "اکبر کا دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر" ماہنامہ المعارف لاہور میں شائع ہوا۔ میں نے المعارف کا وہ شمارہ جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری دامت برکاتہم کی خدمت میں نذر گزارا تھا۔ چند روز بعد جب میں موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اس مضمون کی بہت تعریف کی اور فرمایا کہ وہ اس مضمون کو کتابی شکل میں شائع کرنا چاہتے ہیں اور انہوں نے ایک ناشر سے اس سلسلے میں بات بھی طے کر لی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ مضمون بڑی عجلت میں جناب شاہد حسین رزاقی کے بار بار اصرار پر لکھا گیا تھا، اور چونکہ میں المعارف جیسے پرچے میں اپنا مافی الضمیر کھل کر بیان نہیں کر سکا، اب اگر آپ واقعی اسے کتابی شکل میں شائع کرنا چاہتے ہیں تو مجھے اس پر نظرِ ثانی کا موقع دیجئے۔ ان سے مہلت مانگ کر میں اس مضمون پر نظرِ ثانی کرنے بیٹھا تو دیکھتے ہی دیکھتے ایک دفتر تیار ہو گیا۔ اب اس دفتر پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے غالب کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

مجھ سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی
ایک بیداد گرِ رنج فزا اور سہی

میں نے گذشتہ چار سال اسی "بیدادِ گرِ رنج فزا" میں صرف کئے ہیں اور اب اپنی اس کاوش کو اربابِ علم کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

جہاں تک اکبر اور اس کے دینِ الٰہی کا تعلق ہے مجھے اس کی ذات یا اس کے خانہ ساز دین سے مطلق کوئی دلچسپی نہیں۔ میں نے اکبر اور دینِ الٰہی کا مطالعہ صرف حضرت مجددِ الف ثانیؒ کی تحریک کو سمجھنے کی خاطر کیا ہے۔ ان کی تحریک چونکہ اکبر کی مذہبی حکمتِ عملی کا ردِ عمل ہے، اس لئے ان کی تحریک کو کماحقہٗ سمجھنے کے لئے اکبر کے عمل کو سمجھنا بے حد ضروری ہے۔ جب تک اکبر کی زندگی کے مختلف گوشے ہماری نظروں کے سامنے نہ آئیں، اس وقت تک حضرت مجددِ الف ثانیؒ کے کام کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے حضرت کے کام کا صحیح اندازہ لگانے کی خاطر حالات کے رُخ سے پردہ اُٹھا دیا ہے اور اب اس بات کا فیصلہ اہلِ علم ہی کریں گے کہ میں اس نقاب کشائی میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔

جہاں تک شیخ مبارک کے سوانحِ حیات کا تعلق ہے مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ اس باب میں چند باتیں عام طرزِ نگارش سے ہٹ کر مناظرانہ صورت اختیار کر گئی ہیں۔ میں تاریخ کا طالبِ علم ہوں، مناظرہ میرا فن یا پیشہ نہیں۔ "دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر" محض علمی اور تحقیقی کتاب ہے۔ اس لئے میں نے بیجا مذہبی بحث سے احتراز کیا ہے۔ محضر نامہ کی وضاحت کے لئے چونکہ شیخ مبارک کے ذاتی عقائد کا ذکر اشد ضروری تھا۔ اس لئے :-

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

شیخ مبارک میری تحقیق کے مطابق شیعہ تھا، اس لئے مجھے اس کے مذہبی عقائد پر روشنی ڈالنا پڑی۔ لیکن میں نے اس کے عقائد کے بارے کسی بڑے

سے بڑے سُنّی عالم پر بھی اعتماد نہیں کیا اور شیعہ حضرات کے عقائد بھی صرف مشہور و مستند شیعی علماء کی تصانیف ہی سے لئے ہیں۔

اس کتاب کی تالیف کے دوران مجھے بعض ایسی کتابوں کی ضرورت پیش آئی جو کسی لائبریری میں موجود نہ تھیں۔ اتفاق سے مجھے وہ کتابیں مولانا محمد عمر اچھروی، حافظ عبد القادر روپڑی اور مولانا محمد دین تلمیذ الرشید شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں مل گئیں۔ میں ان بزرگوں کا احسان مند ہوں کہ ان کی عنایت سے مجھے بعض اہم کتابوں سے استفادہ کا موقعہ ملا۔

میں اپنے مشفق بزرگ اور مربی پروفیسر علامہ علاؤ الدین صدیقی، وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ وہ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کتاب کی تالیف کے دوران میری ہمت افزائی کرتے رہے۔ ان کا میرے کام میں دلچسپی لینا میرے لئے باعث صد افتخار و ہزار مسرت ہے۔

میں جناب محمد عبد اللہ قریشی، مدیر ادبی دنیا کا خاص طور پر سپاس گذار ہوں کہ اُنہوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے اس کتاب کا مسوّدہ پڑھا اور بہت سے مفید مشورے مجھے عطا فرمائے۔

شعبۂ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی
لاہور

ننگِ اسلاف
محمد اسلم

کچھ اپنے مآخذ کے بارے میں

اس کتاب کی تالیف کے دوران ہم نے ملّا عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ پر کامل اعتماد کیا ہے۔ بعض مؤرخوں نے بلاسوچے سمجھے بدایونی پر دروغ گوئی اور کذب بیانی کا الزام لگایا ہے، جو ہمارے خیال میں سراسر ناجائز ہے، خود بدایونی نے اپنی اس تالیف میں ایک موقعہ پہ لکھا ہے کہ "خدای عزوجل گواہ است وکفیٰ باللہ شہیدا کہ مقصود ازین نوشتن غیر از درد دین و دلسوزی بر ملّت مرحومہ اسلام کہ عنقاوار روی بقاف غربت کشیدہ و سایہ بال خود از خاک نشینان حضیض گیتی باز گرفتہ چیزی دیگر نبود و نیست، واز تعنت و حقد و حسد و تعصب بخدا پناہ میجویم"[1]۔ ہم بدایونی کی اس تحریر کو حلف نامہ کا درجہ دیتے ہیں —

بدایونی نے اکبر اور اس کے حواریوں کے متعلق جو کچھ بھی لکھا ہے اس میں، ایسی کوئی بات نہیں جو دوسرے مؤرخین نے نہیں لکھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد، حضرت عبدالحق محدث دہلوی کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے زیادہ بدایونی نے کونسی بات لکھی ہے؟ البتہ شاہ صاحب تہذیب نگارش و طریق احتیاط و عفو پہ نظر رکھ کر پردے پر دے ہیں

[1] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۶۴

لکھتے ہیں اور بدایونی اپنے جوشِ حق گوئی و اضطراب راست بیانی میں کسی بات کی پرواہ نہیں کرتے"[2] یہ عجیب بات ہے کہ جب بدایونی اور دہلوی دونوں ایک ہی بات کہتے ہیں تو پھر دہلوی کو اس کی حق گوئی پر تحسین پیش کرنے والے بدایونی کو دروغ گوئی کا الزام کیوں دیتے ہیں۔؟

بدایونی پر اس کے معترضین نے یہ الزام لگایا ہے کہ اس نے اکبر کے عہد میں اسلام کی غربت اور مسلمانوں کی زبوں حالی کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں بیجا مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے، حالانکہ اکبر کے ہم عصر ایرانی مؤرخ اُسے "جامع آثار الکفر والضلال"[3] کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ بدایونی کے ناقدین کا یہ خیال ہے کہ بدایونی، فیضی اور ابوالفضل تینوں ہم درس تھے۔ فیضی نے ملک الشعراء کا خطاب پایا اور ابوالفضل وزارت کے منصب جلیلہ پہ فائز ہوا۔ لیکن بدایونی بیچارہ مُلّا کا مُلّا ہی رہا۔ اس لئے اس نے اکبر، فیضی اور ابوالفضل پر خواہ مخواہ الزام تراش کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ ہم ان ناقدین سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اسلام کی غُربت اور مسلمانوں کی زبوں حالی کے متعلق جو کچھ بدایونی نے لکھا ہے اس میں بھلا کونسی ایسی بات ہے جس کی صدائے بازگشت حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریروں سے نہیں سنائی دیتی —،

اگر بدایونی یہ لکھتا ہے کہ "مساجد و صوامع فراش خانہ وچوکی خانہ ہندوان شد و بجائی جماعت جُماع و بجائی حَیّ علی الصلوٰۃ تَلّا لا بود و گورستان درونِ شہر بویرانی حکم فرمودند" تو حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی تو یہی فرماتے ہیں کہ "در تھانیسر درونِ حوض کرکھیت مسجدے بود و مقبرہ عزیزے، آن را ہدم کردہ بجائے آن دیرہ کلان ساختہ است و نیز کفارہ بہ ملا مراسیم کفر بجای می آرند و مسلمانان در اجراء

[2] تذکرہ، ص ۳۴۳ [3] تاریخی مقالات، ص ۱۲۶

اکثر احکام اسلام عاجز ند"۔ ایک دوسرے موقع پر آپ رقم طراز ہیں کہ "درلو احی نگرکوٹ بر مسلمانان در بلاد اسلام چہ ستمہا نمودند چہ آہا نہ تا رسانید ند"۔ اگر بدایونی پر بغض وحسد کا الزام لگایا جاتا ہے تو پھر حضرت مجدد الف ثانی رح کے متعلق کیا ارشاد ہے۔!

اگر بدایونی یہ لکھتا ہے کہ "ہیچکس یارای آن نداشت کہ علانیہ ادای صلوٰۃ کند" تو حضرت مجدد الف ثانی رح بھی تو یہی فرماتے ہیں کہ "مسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند و اگر میکردند بقتل میرسیدند"۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بدایونی نے رائی کا پہاڑ بنا کر پیش کیا ہے، وہ حضرت مجدد الف ثانی رح کی یہ عبارت پڑھ کر ان کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے "در قرن سابق کفار بر ملا بطریق استیلاء اجراء احکام در دار اسلام میکردند و مسلمانان از اظہار اسلام عاجز بودند و اگر میکردند بقتل رسیدند، وا ویلا، وا مصیبتا، وا حسرتا، وا حزنا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ محبوب رب العالمین است مصدقان او خوار و ذلیل بودند و منکران او بعزت و اعتبار، مسلمانان با دلہای ریش در تعزیت اسلام بودند و معاندان بسخریہ و استہزاء بر جراحتہائے ایشان نمک پاشیدند، آفتاب ہدایت در تتق ضلالت مستور شدہ بود و نور حق در حجب باطل منزوی و معزول"۔

بدایونی پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ وہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ بادشاہ نے دیوانِ خاص سے ملحقہ مسجد میں اذان اور نماز با جماعت کی ممانعت کر دی تھی اور دوسری جگہ وہ لکھتا ہے کہ شاہ فتح اللہ شیرازی دیوانِ عام میں بادشاہ کے سامنے بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ نماز پڑھا کرتا تھا۔ اس طرح بدایونی نے خود ہی اپنے پہلے بیان کی تردید کر دی ہے۔ ہمارے خیال میں ان دونوں بیانوں میں کوئی تضاد نہیں۔ بدایونی کے ناقدوں نے ان الفاظ پر غور نہیں کیا کہ شاہ فتح اللہ شیرازی "بفراغ بال و جمعیت خاطر بمذہب امامیہ" نماز ادا کیا کرتا تھا۔ بادشاہ

کو صدق صرف راسخ العقیدہ مسلمانوں کے ساتھ تھی ورنہ وہ ہر طرح کی غیر اعتقادی کو خندہ پیشانی سے قبول کرتا تھا۔

بدایونی نے اکبر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ روز و شب میں چار بار سورج کی پرستش کرتا تھا، اور شام کے وقت جب چراغ روشن کئے جاتے تو وہ ان کے احترام میں کھڑا ہو جاتا تھا۔ بدھ کے روز علی الصبح وہ گائے کے درشن باعث سعادت سمجھتا تھا۔ اس نے اپنی قلمرو میں ذبیحۂ بقر پر پابندی لگا دی تھی اور اتوار کے روز سورج دیوتا کے احترام میں ہر قسم کے ذبیحہ کی ممانعت کر دی تھی۔ اس نے اپنے چیلوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے جنم کے مہینے میں اور اس کے علاوہ ماہ ابان اور ماہ فروردین میں گوشت نہ کھایا کریں۔ اس نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ کوئی شخص جلاد، قصاب، ماہی گیر یا صیاد کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہ کھائے بصورت دیگر اس کی انگلیاں کاٹ دی جائیں گی۔ اس نے سولہ سال سے کم عمر کے لڑکوں اور چودہ سال سے کم عمر کی لڑکیوں کی شادی پر پابندی عائد کر دی تھی اور اسی طرح اس نے ایک بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کی ممانعت کر دی تھی۔ اکبر نے بارہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کے ختنہ پر پابندی لگا دی تھی اور بارہ سال کے بعد یہ معاملہ ان کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا۔ اسی طرح بادشاہ نے ہندوؤں کی بہت سی رسومات اور ان کے اکثر و بیشتر عقائد اپنا لئے تھے۔ وہ تناسخ کا بڑی سختی کے ساتھ قائل تھا۔ ہم بدایونی پر دروغ بیانی اور کذب نگاری کا الزام لگانے والوں سے یہ پوچھتے ہیں کہ ان میں سے ایسی کونسی بات بدایونی نے کہی ہے جس کی تصدیق ابو الفضل کی آئینِ اکبری سے نہیں ہوتی۔؟

بدایونی ایک جگہ لکھتا ہے کہ اکبر کا مرید بننے سے پہلے امیدوار کو اس مضمون کی ایک تحریر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا ہوتی تھی۔ منکہ فلاں بن فلاں

باشم بطوع و رغبت و شوقِ قلبی از دینِ اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بودم ابرا و تبرا نمودم و در دینِ الٰہی اکبر شاہی در آمدم و مراتب چہارگانہ اخلاص کہ ترکِ مال و جان و ناموس و دین باشد، قبول کردم" ابو الفضل نے آئینِ اکبری میں بار بار مراتب چہارگانہ کا ذکر کیا ہے، اس لئے یہ بدایونی کی خود ساختہ اصطلاح نہیں ہے۔ بدایونی پر یہ بھی الزام ہے کہ اس کے علاوہ کسی نے "دین الٰہی" کی اصطلاح استعمال نہیں کی۔ یہ بات کسی حد تک درست ہے لیکن اس جگہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اکبر کو لفظ "الٰہی" کے ساتھ ایک خاص مناسبت تھی اس کے عہد میں سن الٰہی۔ گز الٰہی، الٰہی نور اور الٰہی پرستش کا ذکر عام ملتا ہے اس لئے یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ اس کے جاری کردہ دین کو بھی۔ دین الٰہی۔ ہی کہتے ہوں گے۔ اگر اکبر کی عبادت کو ابو الفضل "الٰہی پرستش" قرار دیتا ہے تو پھر اس کا دین "دین الٰہی" ہی ہونا چاہیئے۔ جہاں تک "دینِ اسلام مجازی و تقلیدی" کا تعلق ہے ایسی اصطلاحات کی ابو الفضل کے ہاں کمی نہیں۔

بدایونی ابو الفضل کے متعلق لکھتا ہے کہ اس نے اپنے بعض رسائل میں شعائرِ اسلامی کا تمسخر اڑایا ہے۔ وہ رسائل تو زمانے کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہے لیکن اس کی جو تحریریں ہم تک پہنچی ہیں ان میں وہ مسلمانوں کو ہمیشہ منتسبان دین احمدی۔ کوتاہ بین تقلید پرست۔ پیروان کیش احمدی یسادہ لوحان تقلید پرست۔ اور گم گشتگان بیابان ضلالت کے القابات سے یاد کرتا ہے۔ ہمیں تو اِن اصطلاحات سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بوئے عناد آتی ہے۔

بدایونی لکھتا ہے کہ ایک بار ابو الفضل نے اس سے کہا تھا کہ "میخواہم کہ روزی چند در وادیٔ الحاد سیر بکنم"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت الحاد کی طرف مائل تھی۔ اس کی اپنی تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جن چیزوں

کو وہ حق پرستی سمجھتا تھا لوگ اُسے کفر و الحاد سے موسوم کرتے تھے۔ آئین اکبری کی ایک عبارت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابو الفضل کی زندگی میں ہی اس پر کفر و الحاد کے فتوے لگنے شروع ہو گئے تھے۔ اس لئے بدایونی نے ابو الفضل کے متعلق ایسی کوئی بات نہیں کہی جس کی تصدیق خود ابو الفضل کی تحریروں سے نہ ہوتی ہو۔

اسی طرح بدایونی نے فیضی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ بھی حقیقت سے بعید نہیں۔ مثلاً یہ کہ فیضی عین مستی اور جنابت کی حالت میں قرآن کی تفسیر لکھا کرتا تھا اور اس کے اوراق جا بجا بکھرے پڑے رہتے اور ان پہ پلّے لوٹتے تھے۔ جہاں تک کتے پالنے اور انہیں گود میں بٹھانے کا تعلق ہے، یہ بات فیضی اور عرفی کی نوک جھونک سے بھی ثابت ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وہ غسلِ جنابت کا قائل نہیں تھا، تو ہم بدایونی کے ناقدین سے یہ پوچھتے ہیں کہ دینِ الٰہی میں غسلِ جنابت فرض ہی کب تھا۔؟ فیضی کے متعلق نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں :۔

وکان فیضی علیٰ طریقۃ الحکماُ	فیضی حکماء کے مسلک پر گامزن تھا
وکذا اخوانہ ابو الفضل وغیرہٗ	اور اس کے بھائی ابو الفضل وغیرہ بھی ایسے ہی
وکانوا معروفین بانحلال العقائد	تھے۔ وہ سب غیر اعتقادی،
وسوٗ التدین والالحاد	بے دینی الحاد اور زندقہ کے لئے
والزندقہ۔	مشہور ہیں۔

نواب مرحوم و مغفور نے بدایونی کے دل کی بات کہی ہے۔ بدایونی کے ناقدین کا یہ خیال ہے کہ فیضی آخری عمر میں تائب ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود بدایونی نے اُسے نہیں بخشا۔ کیا مجدّد الف ثانیؒ اور شیخ عبد الحق محدّثؒ نے فیضی کو معاف کر دیا تھا۔؟ شیخ محدّث کی ناراضگی تو خود فیضی کے خطوط سے بھی ثابت ہے۔ بدایونی

کے معترضین یہ کہتے ہیں کہ فیضی نے تفسیر سواطع الالہام اور اپنی مثنوی نل ودمن
کے آغاز میں حضورِ پاک کی نعت لکھ کر اپنی اسلام دوستی کا ثبوت فراہم کیا ہے
ہم ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا ملحدوں نے قرآن پاک کی تفسیریں نہیں لکھیں؟ اگر
ہم ملاحدہ کی لکھی ہوئی تفسیروں کی فہرست تیار کرنے بیٹھیں تو ایک دفتر تیار
ہوجائے۔ جہاں تک فیضی کی نعت گوئی کا تعلق ہے، اس ضمن میں عرض ہے
کہ آج بھی بہت سے ہندو اور سکھ شاعر موجود ہیں جنہوں نے حضورِ سرورِ کائنات
کی شان میں معرکہ آرا نعتیں لکھی ہیں۔ کیا ان نعتوں کو ان کی اسلام دوستی پر محمول
کیا جائے گا؟ ہمارے خیال میں فیضی کی تفسیر نویسی اور نعت گوئی کو اس کے
ایمان کی دلیل بنا کر بدایونی کو دروغ گوئی اور کذب نگاری کا الزام نہیں
دیا جا سکتا۔

بدایونی نے یہ لکھا ہے کہ فیضی کے حلق سے نزع کے عالم میں کتے کی سی
آواز نکلی تھی۔ بدایونی کے مخالفین نے اسے بھی دروغ گوئی پر محمول کیا ہے
جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے یہ بات طبی نقطۂ نظر سے صحیح ثابت ہوسکتی
ہے۔ عام طور پر باؤلے کتے کے کاٹے ہوئے مریض کے گلے کی رگیں اینٹھ جاتی
ہیں اور بات کرتے وقت اس کے حلق سے کتے جیسی آواز نکلتی ہے۔ فیضی کو
چونکہ کتوں کے ساتھ بہت پیار تھا اس لئے یہ ممکن ہے کہ کبھی کسی کتے نے
اس کے جسم پر معمولی سی خراش لگادی ہو جس کی اس نے اس وقت بے شک
پروا نہ کی ہو مگر ممکن بعد میں یہی خراش ایک مرض بن کر غالب آگئی ہو۔ طبی نقطۂ
نظر سے ایسا ہونا عین ممکن ہے۔

بدایونی کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک موقع پر یہ لکھا ہے کہ
بادشاہ نے مسلمانوں کا حج پر جانا روک دیا تھا اور اس زمانے میں اس سے

فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے رخصت حاصل کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف
تھا۔ ایک دوسرے موقع پر بدایونی لکھتا ہے کہ گلبدن بیگم، سلیمہ سلطان اور دوسری بیگمات
حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئیں۔ ہمارے خیال میں بدایونی کے ان بیانات میں
کوئی تضاد نہیں۔ اکبر نے گو عام مسلمانوں کے حج پر جانے پر پابندی عائد کردی تھی
لیکن جب بیگمات نے حج پر جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو اکبر نے انہیں بخوشی اجازت
دے دی۔ اس کی کئی وجوہات تھیں اولاً یہ کہ اکبر یہ چاہتا تھا کہ جن بیگمات نے ابھی
تک اس کے مذہبی عقائد نہیں اپنائے وہ انہیں کچھ عرصہ کے لئے حرمِ شاہی سے
باہر بھیج کر اپنی ہندو رانیوں اور بہوؤں کو اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کا موقع دے کر
اپنے حرم کے اندر اسلامی اثرات کو ختم کردے۔ ثانیاً یہ کہ ہندوستان سے حجاج کے
مکہ معظمہ جانے پر پابندی لگ گئی تھی اس سے اہلِ حرم نے کوئی اچھا تاثر نہیں لیا
تھا۔ اکبر یہ چاہتا تھا کہ اپنے حرم کی بیگمات کو وہاں بھیج کر حرمین میں اپنے متعلق غلط
فہمیوں کا ازالہ کرکے ان کے ذریعے شریف مکہ اور اہلِ حرمین کو تحفے تحائف
بھیج کر ان کا منہ بند کردے۔ ہمارے خیال میں بیگمات کو حج پر بھیجنے سے اکبر حرمین میں
اپنا پروپیگنڈا کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ اپنے زمانۂ ارتداد میں اُسے حج سے کیا دلچسپی
ہوسکتی تھی؟ ان ایام میں تو بقول بدایونی وہ عباداتِ اسلامی کو غیر معقول کہا
کرتا تھا۔

ہمارے خیال میں حج پر پابندی کے باوجود اکبر نے بیگمات کو محض سیاسی
مصلحت کے تحت حج پر جانے کی اجازت دی تھی، ورنہ بدایونی اتنی کچی گولیاں
نہیں کھیلا ہوا تھا کہ وہ اپنے بیانات کی خود ہی تردید کرتا۔

منتخب التواریخ کے بعد ہم نے خواجہ عبید اللہؒ بن خواجہ باقی باللہ دہلویؒ کی
مبلغ الرجال پر اعتماد کیا ہے۔ اس کتاب کے اب تک صرف دو ہی مخطوطے دریافت

ہوئے ہیں، ان میں سے ایک انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہے* اور دوسرا مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں۔ ہم نے اس کتاب کی تالیف کے دوران موخرالذکر مخطوطہ سے استفادہ کیا ہے۔ خواجہ عبیداللہ ابھی عالمِ شیرخوارگی ہی میں تھے کہ خواجہ باقی باللہؒ کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد خواجہ عبیداللہؒ کی تعلیم و تربیت کا بار خواجہ باقی باللہؒ کے خلیفۂ اوّل خواجہ حسام الدینؒ کے کندھوں پر آپڑا۔ خواجہ حسام الدینؒ کی اہلیہ شیخ مبارک کی بیٹی اور ابوالفضل کی بہن تھی۔ خواجہ عبیداللہؒ نے اس نیک بخت سے شیخ مبارک اور ابوالفضل کے متعلق کافی کچھ سنا ہوگا۔ اسی لئے ہم خواجہ عبیداللہؒ کو اس گھر کا بھیدی سمجھتے ہیں۔ خواجہ عبیداللہؒ نے مبلغ الرجال کے ایک باب میں دنیا بھر کے زندیقوں اور ملحدوں کے حالات لکھے ہیں۔ اسی گروہ میں ابوالفضل کا نام سرِفہرست نظر آتا ہے۔ خواجہ عبیداللہؒ لکھتے ہیں کہ بہت کم لوگوں کو ابوالفضل کے زندقہ اور الحاد کا علم ہے۔ اس کے متعلق میری معلومات عام لوگوں کی نسبت کہیں زیادہ ہیں، اس لئے میں بتاتا ہوں کہ وہ کیوں کر ملحد ہوا۔

خواجہ عبیداللہؒ اور بدایونی، دونوں کا یہ خیال ہے کہ ابوالفضل کو گمراہ کرنے میں شریف آملی کا بڑا ہاتھ تھا۔ شریف آملی کے متعلق یہ دونوں بزرگ ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ نقطوی فرقہ کا داعی تھا اور ہندوستان کے طول و عرض میں محمود پسیخوانی کی تعلیمات کا پرچار کرتا پھرتا تھا۔ خواجہ عبیداللہؒ نے مبلغ الرجال میں نقطویوں کے عقائد پر دل کھول کر بحث کی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ابوالفضل کے بھی وہی عقائد تھے جو نقطویوں کے ضمن میں خواجہ صاحب نے بیان کئے ہیں۔

---

* مائیکروفیلم عندی

بدایونی کی تحریروں سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابوالفضل کے نقطویوں کے ساتھ بڑے گہرے مراسم تھے اور دربارِ اکبری کے دو نامور نقطوی شاعروں، وقوعی نیشاپوری اور تشبیہی کاشی کی ابوالفضل کے گھر میں آزادانہ آمد و رفت تھی۔ بدایونی نے پہلی بار محمود پسیخوانی کی ایک تحریر تشبیہی کاشی کے ہاتھ میں ابوالفضل ہی کے ہاں دیکھی تھی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ ابوالفضل محمود پسیخوانی کی تحریروں سے آشنا تھا اور اُسے نقطویوں کے ذریعے ان کے مذہب کے متعلق معلومات ملتی رہتی تھیں۔ بدایونی کی اس بات کی تائید مبلغ الرجال سے بھی ہوتی ہے۔

تاریخ عالم آرائے عباسی کا مصنف اسکندر منشی سنہ ۱۰۰۲ہجری کے واقعات کے تحت لکھتا ہے کہ جب شاہ عباس نے کاشان میں نقطویوں کا قتلِ عام کروایا اور ان کے گھربار لٹوائے تو اس فرقہ کے داعی میر احمد کاشی کے گھر سے ابوالفضل کے نوشتہ مکاتیب نکلے جن میں میر احمد کاشی کے ساتھ عقیدت اور نقطوی فرقہ میں دلچسپی کا اظہار کیا گیا تھا۔ اگر بدایونی نے ابوالفضل پر "بہ بنائے بغض و حسد" الزام لگائے تھے، اور خواجہ عبیداللہؒ نے محض سنی سنائی بات لکھ دی تھی، تو ہمسایہ ملک کے مؤرخ اسکندر منشی کو ابوالفضل سے کون سا عناد تھا جو وہ الزام تراشی پر اُتر آیا۔

ہم نے اس مضمون کے شروع میں جو بات لکھی تھی اُسے دوبارہ یہاں دہراتے ہیں کہ بدایونی نے دروغ گوئی یا کذب بیانی سے کام نہیں لیا اور اس نے اکبر اور اس کے حواریوں کے متعلق جو کچھ بھی لکھا ہے اس کی تصدیق دوسرے ذرائع سے بھی ہو جاتی ہے۔ بدایونی کو سمجھنے کے لئے منتخب التواریخ کے ایک ایک لفظ پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ان کے علاوہ ہم نے اس کتاب کی تالیف میں جن مآخذ سے استفادہ کیا ہے وہ قریب قریب سبھی جانے پہچانے ہیں۔ ہم نے ایک اہتمام یہ کیا ہے کہ ہندو اور انگریز مؤرخوں نے جو کتابیں زمانۂ حال میں اس موضوع پر لکھی ہیں ان پر تکیہ کرنے کی بجائے قریب العہد فارسی مخطوطات و مطبوعات پر اعتماد کیا ہے۔

آغازِ سُخن

شمس سراج عفیف کی روایت ہے کہ ایک روز سلطان فیروز تغلق کے محل کے قریب ایک مجذوب الحال درویش جمنا کے کنارے وضو کر رہا تھا۔ جب وہ وضو سے فارغ ہوا تو اس نے شاہی محل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "تو جانتا ہے کہ اس محل کے اندر کون ہے؟" پھر اس نے خود ہی کہا کہ "اس محل میں جو شخص مقیم ہے اس نے دُنیا بھر کے فتنے اپنے پاؤں تلے دبا رکھے ہیں۔ جس دن وہ اس جہان سے اُٹھ جائے گا اس دن دُنیا والوں کو اس کی قدر معلوم ہوگی"۔[1] اُس درویش کا اندازہ بالکل صحیح نکلا اور سلطان فیروز تغلق کے انتقال کے بعد مرکزی حکومت کو کبھی استحکام نصیب نہ ہوا۔ دس سال کے عرصہ میں سات بادشاہ یکے بعد دیگرے تختِ نشین ہوئے۔ ۱۳۹۸ء میں تیمور کے حملہ سے جہاں خاندانِ تغلق کا خاتمہ ہوا، وہیں سلطانِ دہلی کا وقار بھی خاک میں مل گیا۔ "خداوندِ عالم" کی حکومت دہلی کی فصیل کے اندر محدود ہو کر رہ گئی۔ فیروز شاہ کے ایک جانشین محمود کے متعلق یہ شعر آج تک مشہور چلا آ رہا ہے۔

حکمِ خداوندِ عالم
از دہلی تا پالم

۱؎ تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۸۲ - ۳۸۳

تیمور ہندوستان سے واپسی پر یہاں کی حکومت خضر خان کے حوالے کر گیا خضر خان اور اس کے جانشین انتیس برس تک ہندوستان پر برائے نام حکومت کرتے رہے۔

سیدوں کے دورِ حکومت میں مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صوبائی حکومتیں بہت طاقتور ہو گئیں اور ہندوؤں کو بھی سر اٹھانے کا موقع مل گیا۔ پنجاب میں کھوکھروں نے تباہی مچائی اور راجستھان اور بیجانگر میں ہندو گمنامی کے لحاف سے سر نکالنے لگے۔ سیدوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بہلول لودھی دہلی کے تخت پر قابض ہو گیا اور اس کی کوششوں سے سلطنت دہلی کی سرحد پالم کی بجائے جونپور تک جا پہنچی۔ بہلول کے انتقال کے بعد سلطان سکندر لودھی تخت نشین ہوا۔ اور اس کے اٹھائیس سالہ دورِ حکومت میں مرکزی حکومت کو قدرے استحکام نصیب ہوا۔ در اصل اس کا عہدِ حکومت مسلمانوں کے لئے ایک سنبھالے کا وقت تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی تمام فتنوں نے دوبارہ سر اٹھا لیا۔ اس کے جانشین ابراہیم کا نو سالہ دورِ حکومت پٹھانوں کی باہمی نزاع اور درباری سازشوں کی نذر ہوا اور وہ اپنی عاقبت نااندیشی کے سبب بابر کے مقابلہ میں حکومت کی بازی ہار گیا۔

بابر کو صرف چار سال ہندوستان پر حکومت کرنے کا موقع ملا اور اس دوران بھی وہ لڑائیوں بھڑائیوں میں مصروف رہا اور انتظامی امور کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ ہمایوں فطرتاً آرام طلب تھا، اس لئے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پٹھان ہندوستان پر دوبارہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے شیر شاہ کو بھی بقول اس کے شام کے وقت حکومت ملی تھی۔ اس کے جانشینوں کے زمانے میں سوریوں کا دربار سازشوں کا مرکز بنا رہا۔ ہمایوں

اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان پر دوبارہ قابض ہو گیا۔ لیکن موت نے اُسے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ انتظامی امور کی طرف توجہ دے سکتا۔ جب اکبر تخت نشین ہوا اُس وقت ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا جن میں سے اکثر و بیشتر آپس میں برسرِ پیکار تھیں۔

اس لمبی چوڑی تمہید سے ہمارا مقصد قارئین کرام کے یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ فیروز تغلق کی وفات سے لیکر اکبر کی تخت نشینی تک اندازاً ڈیڑھ سو سال کے عرصہ میں، سوائے سکندر لودھی کے اٹھائیس سالہ دورِ حکومت کے، ہندوستان میں کوئی مستحکم حکومت قائم نہ ہو سکی۔ ڈیڑھ سو سال کا یہ دور مسلمانوں کی اخلاقی پستی، روحانی تنزل، بے حسی، بے عملی زندگی اور بے راہ روی کا دور ثابت ہوا۔ اس عرصہ میں نہ تو خواجہ معین الدین اجمیریؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فریدالدین گنج شکرؒ، سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ، یا شیخ نصیرالدین چراغ دہلیؒ کے پایہ کا کوئی صوفی ہندوستان میں پیدا ہوا جو عوام کی صحیح رہنمائی کر سکتا اور نہ ہی مجدد الف ثانیؒ یا شاہ ولی اللہؒ جیسا کوئی عالم پیدا ہوا جو اپنی قوت تحریر سے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتا۔ جو چند ایک صوفی اس دور میں پیدا ہوئے وہ عوام میں زیادہ مقبول نہیں ہوئے اور جو عالم پیدا ہوئے وہ علومِ شریعت کی بجائے ہندوؤں کے علوم کی طرف زیادہ مائل رہے۔

اخلاقی انحطاط اور روحانی تنزل کے اس دور میں وحدت الوجود کا نظریہ خانقاہوں سے نکل کر کوچہ و بازار میں پھیل گیا اور یہی چیز بقول اقبال مسلمانوں کے کے لئے سمِ قاتل ثابت ہوئی۔ اس نظریہ کے عام ہوتے ہی مسلمانوں میں بے راہروی، بے عملی زندگی اور بے حسی کا آغاز ہوا اور یہی چیز انہیں قعرِ ذلت کی طرف لے گئی۔ وحدت الوجود کا نظریہ عام ہوتے ہی جہاں ملک کے کئی گوشوں سے

اناالحق کی صدائیں سنائی دینے لگیں وہیں بعض صوفیوں کو ہر حجر و شجر میں ذاتِ حق کا جلوہ نظر آنے لگا۔ اس دور میں صحو و تمکین کی جگہ سکر و مستی نے لے لی۔ ہر چھوٹے بڑے شہر اور قصبہ میں ننگ دھڑنگ مجذوب نظر آنے لگے۔ ماہرینِ عمرانیات کا خیال ہے کہ کسی معاشرہ میں مجاذیب کی بھرمار اس کے غیر صحت مند ہونے کی نشاندہی کرتی ہے۔ اُس دور میں ان مجذوبوں نے ہندوستان کے معاشرہ میں بہت بڑا منفی کردار ادا کیا ہے۔ تاریخ شاہی، مخزنِ افغانی اور اخبار الاخیار کے اوراق اس پر گواہ ہیں کہ ان مجاذیب کی اکثریت عشقِ مجازی میں گرفتار تھی اور اُنہوں نے اس ملک میں تصوّف کی فضا کو مکدّر کر کے مسلمانوں کو بے راہروی پر لگا دیا۔

اس دور میں کوئی نامور عالم بھی پیدا نہیں ہوا، جو اس معاشرہ کی اصلاح کی طرف توجہ دیتا۔ جن چند علمائے کے نام ملتے ہیں ان میں سے ملک محمد جائسی، رزق اللہ مشتاقی، میاں طٰہٰ اور محمد غوث گوالیاری علوم اسلامیہ کی بجائے ہندوؤں کے علوم کے زیادہ ماہر تسلیم کئے جاتے تھے۔ اس دور میں جو کتابیں تصنیف ہوئیں ان میں سے واقعاتِ مشتاقی، افسانہ شاہاں اور تاریخ داؤدی قابلِ ذکر ہیں۔ ان کتابوں کے اوراق ایک بگڑے ہوئے معاشرہ کے آئینہ دار ہیں اور انہیں دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس مادہ پرستی اور قنوطیت کے دور میں مسلمان توہم پرست ہو گئے تھے اور ان کا تکیہ عمل کی بجائے تعویذ گنڈوں پر تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس دور میں تعویذ گنڈوں کے موضوع پر متعدد کتابیں معرض تحریر میں آئیں۔

اس دور کی مادہ پرستی اور قنوطیت نے مہدوی اور بھگتی تحریکوں کو جنم دیا جنہوں نے پورے ملک کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ اگر ان تحریکوں کا بغور مطالعہ کیا جائے

تو یہ بات بڑی آسانی سے ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ یہ تحریکیں عوام کی مذہب سے دوری، عملی زندگی سے لاپروائی اور مادہ پرستی کا ردِ عمل تھیں۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی اختلاط سے ایک نئے معاشرہ نے جنم لیا، جس میں برہمن قرآنِ حکیم اور اسرارِ توحید کا درس دینے لگے اور مسلمان ہندوؤں کے علوم کی تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ہندو مسلم بھائی بھائی کے نظریہ کو بھی اسی دور میں فروغ ہوا۔ اس نظریہ کے حامیوں نے اس بات کا بڑی شدومد کے ساتھ پرچار کیا کہ کفر و اسلام ایک ہی دریا کے دو دھارے ہیں، جو آگے جا کر ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ نواُبوں کی صدا اور لودھن کا نعرہ اسی نظریہ کی ترجمانی کرتے ہیں۔

اباحتی فرقہ کو بھی اسی دور میں عروج ہوا۔ اباحتی ملک کے طول و عرض میں اپنے نظریات کا پرچار کرتے پھرتے تھے۔ گو سلطان فیروز تغلق نے اباحتی فرقہ کے متعدّد افراد کو مروا ڈالا تھا۔ اس کے باوجود اس فرقہ کے بقیۃ السیف پیرو اپنے نظریات کی ترویج و اشاعت میں مصروف تھے۔

مسلمانوں کی کمزوری، بے حسی، اخلاقی پستی اور مذہب سے دُوری نے ہندوؤں کو بھی پر پُرزے نکالنے کا موقع مہیا کیا۔ اُنہوں نے جہاں ایک طرف ہندو دھرم کے احیاء پر زور دیا وہاں دوسری طرف شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں بھی چلائیں اور مسلمانوں کو باقاعدہ مرتد کرنا شروع کیا۔ اس عہد کی تاریخوں میں باقاعدہ ایسے واقعات کا ذکر آیا ہے۔ جن سے مسلمانوں کے ارتداد کی خبر ملتی ہے۔ طبقاتِ اکبری کے ایک اندراج سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کالپی میں نصیر خاں نامی ایک عہدہ دار نے زندقہ و الحاد کی راہ اختیار کر لی تھی۔ اسی طرح نظام الدین احمد کی ایک تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لکھنوتی کا حاکم احمد خان کفار کی صحبت میں رہنے

ہوئے مرتد ہو گیا تھا۔ افسانۂ شاہاں کی روائت کے مطابق بہار کے ایک ہندو راجہ نے اپنے زیرِ اثر علاقہ میں عثمانی النسل مسلمانوں کو شدھ کر لیا تھا اور ان میں سے جنہوں نے اسلام ترک کرنے سے انکار کیا اُنہیں قتل کروا دیا۔ چیتنیہ چرت امرتا کی روایت ہے کہ چیتنیہ نے بندرابن میں ایک پیر کو شدھ کر کے اس کا نام رامداس رکھا اسی طرح اس کی کوشش سے بجلی خان نامی ایک پٹھان اپنے ساتھیوں سمیت شدھ ہُوا۔ لطائف قدوسی کی ایک روایت سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اودھ کے مشہور قصبہ ردولی میں کفّار کا عمل دخل ہو گیا تھا اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی[رح] وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ رانا سانگا نے راجپوتھان میں مسلمانوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ اس نے سلطان دہلی کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ناگور اور اجمیر کی قدیم اسلامی بستیوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور وہاں کی مسلم آبادی نے بھاگ کر احمد آباد میں پناہ لی۔ بدایونی کی روائت ہے کہ ہمیوں بقال نے اپنے دورِ اقتدار میں بہت سے اسلامی شعائر مٹا دئے تھے۔ ایک اور روائت کے مطابق ہمیوں بقال کی جنم بھومی ریواڑی میں سیّدوں کا ایک خاندان آباد تھا۔ اُنہوں نے اپنے ایک بچّہ کی پیدائش پر عقیقہ کیا۔ شومئی قسمت سے کسی چیل یا کوّے نے ایک ہڈی اُٹھا کر ہمسایہ ہندو کے گھر میں پھینک دی۔ اتنی سی بات سے مشتعل ہو کر ہمیوں بقال نے سیّدوں کے پورے خاندان کو ذبح کروا ڈالا۔ ان امثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکثر مقامات پر احیائے ہندو دھرم اور شدھی کی تحریکیں جارحیّت اختیار کر گئی تھیں اور مسلمان دارالاسلام میں رہتے ہوئے بھی ہندوؤں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہ تھے۔

اکبر کے تخت نشین ہوتے ہی ملک کو سیاسی استحکام نصیب ہوا لیکن مسلمان جہل کے تحت اخلاقی پستی اور روحانی تنزل کے گرداب میں پھنسے رہے۔ اکبر نے

"آئینِ رہنمونی" کا سہارا لیکر عوام کی پیشوائی کا دعویٰ کیا لیکن وہ روحانی پڑشک[۵۲] بن کر بھی ان کو روحانی سکون نہ دے سکا۔ عوام کو اخلاقی پستی اور روحانی تنزل کے گرداب سے نجات دلانا اکبر کے بس کا روگ نہ تھا، اس کام کے لئے حضرت امام ربّانی مجدّدِ الف ثانی[رح] جیسے کسی "مردِ خود آگاہ" کی ضرورت تھی۔ اکبر نے مذہبی رہنما بننے کے لئے جو سوانگ بھرے تھے ان کی ایک جھلک آپ کو آئندہ صفحات میں نظر آئے گی۔

۵۲۔ یہ اصطلاح ابوالفضل کے ہاں عام ملتی ہے۔

اکبر کی ابتدائی مذہبی زندگی

اکبر علماء و مشائخ کی صحبت میں رہ کر اپنے ابتدائی دورِ حکومت میں ایک راسخ العقیدہ مسلمان بن گیا تھا، ان ایام میں مذہبی رواداری کا تو ذکر ہی کیا، اس کا مذہبی تعصّب اس انتہا کو پہنچ چکا تھا کہ جب ۹۷۰ھ ہجری میں مرزا مقیم اصفہانی حسین شاہ چک والیٔ کشمیر کے سفیر میر یعقوب بن بابا علی کو لیکر اس کے دربار میں حاضر ہوا تو اکبر نے علماء سے فتویٰ لیکر ان کو شیعہ ہونے کے جرم میں قتل کروا دیا[۵۰]۔ مشہور شیعی عالم میر مرتضیٰ شریفی شیرازی کا ۹۷۴ھ ہجری میں انتقال ہوا تو ان کے معتقدین نے انہیں امیر خسروؒ کے پہلو میں دفن کر دیا۔ سنیّوں کو اس بات کا بے حد رنج ہوا اور ان کی طرف سے "صدر و قاضی و شیخ الاسلام بعرض رسانیدند کہ میر خسرو ہندیست و سُنّی و میر مرتضیٰ عراقیست و رافضی در ین کہ میر خسرو از صحبتش متاذی خواہد بود، ہیچ شکے نیست۔ ع

روح را صحبت ناجنس عذابیست الیم

۵۰؎ تاریخ محمدی، ورق ۳ب "بسبب رفض بفرمان اکبر بادشاہ کشتہ شد" ۵۱؎ منتخب التواریخ، جلد ۲ ص ۱۲۴ "این ہر دو شخص را بفتوی شیخ عبدالنبی و دیگر علماء کہ عیال او بودند در میان فتح پور بجزای اعمال شوم رسانیدند"

اکبر نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے حکم دیا کہ میر مرتضیٰ کے جسد کو وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ دفن کیا جائے[۵۲]۔

اکبر کے مصاحب علماء بھی اُسی کی طرح متعصب سُنّی واقع ہوئے تھے، مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری مہدویوں کو دُرّے لگوا کر مروا دیا کرتے تھے، اکبر کے صدر الصدور شیخ عبدالنبی بھی شیعوں کے معاملے میں بڑے متعصب واقع ہوئے تھے، اُنہوں نے میر حبش کو "رفض" اور خضر خان سروانی کو سبِ نبی کے جرم میں مروا ڈالا تھا[۵۳]۔

اکبر کو اولیائے کرام کے ساتھ جو عقیدت تھی وہ اُسے اپنی والدہ کی جانب سے ورثے میں ملی تھی۔ اس کی والدہ حمیدہ بانو بیگم مشہور صوفی اور شاعر شیخ احمد جامؒ ژندہ پیل کی اولاد سے تھی۔ یہ شیخ احمد جامؒ وہی بزرگ ہیں جن کا یہ شعر:۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را، ہر زمان از غیب جانے دیگر است

محفل سماع میں سُن کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اکبر کی سرشت میں بزرگوں کے لئے عقیدت کے جذبات موجود تھے۔ کئی بار وہ پاک پٹن میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے مزار پُر انوار پر خراجِ عقیدت پیش کرنے کی غرض سے حاضر ہوا[۵۴]۔ دہلی میں سلطان المشائخؒ کے مزار پر بھی وہ اکثر فاتحہ خوانی کے لئے جایا کرتا تھا[۵۵]۔ اجمیر میں خواجہ معین الدین حسن سجزیؒ کے روضۂ مطہرہ پر سالانہ حاضری تو اس کا معمول بن چکی تھی۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ وہ خواجہ بزرگ سے اظہارِ عقیدت کی

۵۲؎ ایضاً، ص ۹۹ ۵۳؎ ایضاً، ص ۲۵۵
۵۴؎ روضۃ الطاہرین، ورق ۵۴۱ب ۵۵؎ اکبر دی گریٹ مغل، ص ۴۷

خاطر اجمیر تک پاپیادہ گیا[۵۶]۔ جب ۹۸۲ سنہ ہجری میں بنگال کے حاکم داؤد کو شکست ہوئی تو اکبر نے مالِ غنیمت میں سے اس کے نقارے خواجہ صاحب کے روضہ پر نذر گذرانے[۵۷]۔ اس کے قیام اجمیر کے دوران خانقاہ معینیہ میں بلاناغہ محفل سماع منعقد ہوتی جس میں بادشاہ علماء و مشائخ کی معیت میں شرکت کرتا[۵۸]۔ جب خان زمان نے ۱۵۶۵ سنہ میں اس کے خلاف بغاوت کی تو اس کے مقابلہ پر نکلنے سے پہلے اکبر دہلی کے تمام اولیائے اللہ کے مزارات پر بغرض دعا حاضر ہوا[۵۹]۔ بدایونی رقمطراز ہے کہ سلیم کی ولادت کے بعد اکبر بزرگان دہلی کے مزارات پہ فاتحہ خوانی کے لئے گیا تھا[۶۰]۔

شرف الدین حسین کی بغاوت کے دوران ایک روز اکبر سیر کرتے ہوئے ماہم آنگہ کے تعمیر کردہ مدرسہ خیر المنازل کے پاس سے گذرا تو شرف الدین حسین کے ایک ایجنٹ فولاد نامی نے مدرسہ کی چھت سے اکبر پہ ایک تیر چلایا۔ اکبر کو معمولی سا زخم آیا جو چند روز کی مرہم پٹی سے درست ہو گیا۔ اس اچانک حملہ سے بچ نکلنے کو اکبر کرامات پیران حضرتِ دہلی سے تعبیر کیا کرتا تھا[۶۱]۔

اکبر جب کبھی بزرگانِ دہلی کے مزارات کی زیارت کے لئے جاتا تو وہ اپنے

---

۵۶ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۱۲۴ "از آگرہ پیادہ بجانب اجمیر روان شدند" ۵۷ الیضاً، ص ۱۸۵

۵۸ الیضاً "ہر روز بدستور معہود دران روضہ مقدسہ شبہا صحبت با اہل اللہ و علماء و صلحاء داشتہ مجلس سماع و صفا منعقد می شود" ۵۹ منتخب التواریخ، جلد ۲، ۲۵۲۔

۶۰ الیضاً، ص ۱۲۴

۶۱ الیضاً، ص ۶۲ "این معنی را از تنبیہات غیبی و کرامات پیران حضرتِ دہلی دانستہ"

والد کے مقبرہ پہ بھی فاتحہ خوانی کے لئے ضرور جاتا۔ اس مقبرہ میں سینکڑوں کی تعداد میں درویش اور حفاظ مقیم تھے جن کے خورد و نوش کا انتظام سرکار کی طرف سے ہوتا تھا۔ ایک بار اکبر دہلی میں مقیم تھا کہ حسین خان اس سے معافی طلب کرنے آیا۔ اکبر نے اس کی درخواست کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور شہباز خان کو حکم دیا کہ حسین خان کے تمام مال و متاع پہ قبضہ کر کے اسے مقبرہ ہمایوں میں مقیم فقراء اور مستحقین میں تقسیم کر دو[۶۲]۔

اس کے عہد میں شیخ نظام نارنولیؒ ابھی حیات تھے اور ان کے زہد و اتقا کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ایک بار اکبر بھی اجمیر جاتے ہوئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا[۶۳]۔ ۹۸۰ سنہ ہجری میں اکبر اجمیر میں سید حسین خنگ سوار کے مزار پر فاتحہ خوانی کرتا ہوا نظر آتا ہے[۶۴]۔ اس واقعہ کے چند سال بعد ہم اسے ہانسی میں حضرت قطب جمالؒ کے مزار پہ جبینِ نیاز جھکائے ہوئے دیکھتے ہیں[۶۵]۔ یہ صوفیائے کرام کے ساتھ عقیدت کا ہی نتیجہ تھا کہ اس نے فتح پور سیکری میں حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے قرب میں نیا دار الحکومت تعمیر کیا۔

شیخ سلیم چشتیؒ کے ساتھ اکبر کو جو عقیدت تھی وہ محتاجِ بیان نہیں۔ شیخ موصوف کا روضہ جو اکبر نے تعمیر کروایا ہے وہ فنِ تعمیر کا شاہکار ہونے کے علاوہ شیخ موصوف سے اس کی عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ شیخ ہی کی دعا سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے فرزند عطا فرمایا تھا جس کا نام شیخ کے نام کی مناسبت سے سلیم رکھا گیا۔

---

۶۲ :- الیضاً، ص ۱۸۴ "ہر چہ از فیل و شتر و اسپ و سایر اسباب سپاہ گری داشت ہمہ بطالبان و مستحقان و معتکفان روضۂ پادشاہ غفران پناہ و اہلِ مدارس و خوانق بخشید"

۶۳ ا۔ الیضاً، ص ۱۵۲۔ ا۱۔ اکبر نامہ، جلد ۳، ص ۲۲۷

۶۴ الیضاً، ص ۲۷۱ ۶۵ الیضاً، ص ۲۳۲

بدایونی رقمطراز ہے کہ اکبر نے سلیم کی ولادت سے قبل رانی جودھا بائی کو شیخ کے گھر بھیج دیا تھا تاکہ ان کی توجہ اور دُعا رانی کے شاملِ حال رہے[16]۔ اسی طرح شہزادہ مُراد کی ولادت بھی شیخ ہی کے گھر میں ہوئی تھی[17]۔ شہزادہ دانیال کی ولادت سے قبل اکبر نے اس کی والدہ کو اجمیر میں خواجہ اجمیریؒ کے روضۂ مطہرہ کے سجادہ نشین شیخ دانیال کے گھر بھیج دیا تھا۔ اکبر نے نومولود فرزند کا نام شیخ دانیال کے نام کی مناسبت سے دانیال رکھا[18]۔

جب شہزادہ سلیم نے ذرا ہوش سنبھالا تو اکبر نے اس عہد کے مشہور محدّث مولانا میر کلاں ہروی سے درخواست کی کہ وہ شہزادہ کی رسمِ بسم اللہ ادا کریں۔ انھوں نے شہزادہ کو بادشاہ اور عمائدینِ سلطنت کی موجودگی میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الرحمٰن علم القرآن، پڑھایا[19]۔ اس رسم کی ادائیگی کے بعد شہزادہ کی تعلیم و تربیت قدوۃ المحدثین میرک شاہ بن میر جمال الدین محدث کے سُپرد کی گئی[20]۔ جب شہزادہ اچھی طرح لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گیا تو اکبر نے اُسے حکم دیا کہ وہ شیخ عبد النبی کے گھر جا کر ان سے حدیث کی تعلیم حاصل کرے[21]۔ بادشاہ کو شیخ عبد النبی کے ساتھ جو عقیدت تھی وہ محتاجِ بیان نہیں، وہ اکثر ان کے گھر جا کر درسِ حدیث میں شرکت کیا کرتا تھا[22]۔

---

[16] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۱۰۸ [17] ایضاً، ص ۱۲۳ "طلوعِ کوکبِ سعادت و اقبال شاہزادہ مراد در منزل شیخ سلیم دست داد" [18] اکبر نامہ، جلد ۲، ص ۳، ۳ [19] منتخب التواریخ جلد ۲، ص

[20] ایضاً [21] ایضاً۔ ص ۲۰۴ "شہزادہ بزرگ را در حجرۂ تعلیم او نہادند تا سبق چہل حدیث مولوی مخدومی مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرہ العزیز میگفت۔

[22] ایضاً۔ "بادشاہ از تعظیم و احترام گاہ گاہی بجہت استماع علم حدیث بخانہ شیخ میر فتند و یک دو مرتبہ کفش پیش پائی او ھم ماندند۔

ان امثال سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہلِ علم کے گھر جا کر ان کی جوتیاں سیدھی کرنے کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتا تھا۔

بدایونی کا بیان ہے کہ ایک بار میں سفر سے واپسی پر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے اثنائے گفتگو مجھ سے پوچھا کہ شیخ عبد النبی سے بھی ملے ہو یا نہیں۔ میں نے کہا سیدھا آپ ہی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ یہ سن کر بادشاہ نے کہا جاؤ ان سے بھی مل لو اور ہاں یہ دوشالہ میری طرف سے ان کی خدمت میں پیش کر کے کہنا کہ یہ آپ ہی کے لئے شاہی کارخانہ میں بنوایا ہے[23]۔

ایک بار امراء، علماء و مشائخ اکبر کو اس کی سالگرہ پر مبارکباد دینے آئے۔ وہ اس وقت زعفرانی رنگ کا لباس زیبِ تن کئے ہوئے تھا۔ شیخ عبد النبی نے اس لباس پر اعتراض کیا اور اُسے دوسرا لباس پہننے کی تاکید کی۔ شیخ نے شدتِ تاکید کو اس جوش سے ظاہر کیا کہ ان کے عصا کا سرا بادشاہ کے جامہ کو جا لگا۔ بادشاہ اس وقت تو خاموش رہا لیکن واپسی پر حرم میں اپنی والدہ سے شیخ کی شکایت کی۔ اسکی والدہ نے کہا کہ بیٹا تم اس بات پر ناراض نہ ہونا کیونکہ یہ بات کتابوں میں لکھی جائے گی کہ ایک پیرِ مفلوک نے ایسے بادشاہ عالی جاہ کو عصا مارا اور وہ محض شرع کے ادب سے خاموش رہا[24]۔

حضرت محمد غوث گوالیاریؒ کا شمار ہندوستان کے گنے چنے اولیائے اللہ میں ہوتا ہے۔ بابر نے بھی اپنی تزک میں ان کا ذکرِ خیر کیا ہے[25]۔ ہمایوں کو ان سے

---

[23] ایضاً، ص ۲۳۷۔ "دوشالہ نخودی اعلیٰ داد کہ اینہا را بہ شیخ رسانیدہ بگو کہ از کارخانہ خاصہ ماست کہ بہ نیت شما فرمائش کردہ بودیم۔

[24] مآثر الامراء، جلد ۲، ص ۵۶۱ [25] تزک بابری، ص ۲۰۲

اوران کے بھائی شیخ بہلول سے بڑی عقیدت تھی۔[26] شیر شاہ سوری اپنے عہدِ حکومت میں اسی بنا پر ان کے درپئے آزار ہوا تو آپ گوالیار سے ترکِ سکونت کر کے گجرات تشریف لے گئے جہاں خواص و عوام نے آپ کی تکریم کی اور ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جب پندرہ سال کی جلاوطنی کے بعد ہمایوں دوبارہ ہندوستان آیا تو آپ بھی اپنے خلفا اور مریدین کے ساتھ گوالیار تشریف لے آئے۔ ہمایوں چونکہ آپ کا دل و جان سے معتقد تھا اس لئے اکبر کو بھی ان سے عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔[27] اکبر نے ان کے گذارہ کے لئے ایک کروڑ (دام) سالانہ آمدنی کی جاگیر مخصوص کر دی تھی۔[28] ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شیخ ضیاء اللہ کے ساتھ بھی اکبر کے تعلقات قائم رہے۔ جب وہ فتح پور سیکری تشریف لائے تو اکبر نے عبادت خانہ میں ان کے بیٹھنے کے لئے ایک نشست مخصوص کر دی۔[29]

اکبر کے آباؤ اجداد کو نقشبندیہ سلسلہ کے گل سرسبد خواجہ ناصر الدین عبید احرارؒ کے ساتھ ایک گونا عقیدت تھی۔ امین احمد رازی لکھتا ہے کہ ترکستان، فرغانہ ماوراء النہر اور خراسان کے باشندے ان کے دل و جان کے ساتھ معتقد تھے اور "سلاطین زمان و خواقین نافذ الفرمان" ان سے نسبتِ ارادت رکھتے تھے۔[30] میرزا حیدر دوغلات کا بیان ہے کہ بادشاہ اور خواقین ان کے سامنے نوکروں کی طرح

[26] منتخب التواریخ، جلد ۳، ص ۴۔ جلد اول، ص ۳۵۰ "بادشاہ نسبت باؤ اعتقاد واخلاص داشتند" مخزنِ افغانی، ورق ۱۱۳ ب "عقیدۂ ہمایوں بادشاہ بشیخ بہلول بے حد بود"

[27] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۴ "شاہنشاہی باعتقاد درست اورا دیدند"

[28] ایضاً، ص ۲۵

[29] ایضاً، ص ۲۰۲

[30] ہفت اقلیم، ورق ۵۳۱ ب

کام کرتے تھے۔ ایک بار ان کی محفل میں سلطان محمود خان بیٹھا ہوا تھا کہ آتشدان سے کچھ چنگاریاں اُڑ کر چٹائی پر پڑیں اور چٹائی نے آگ پکڑ لی۔ محمود خان فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر سے اپنے دامن میں مٹی ڈال کر لایا اور اپنے ہاتھوں سے آگ بجھائی۔[31]

بابر کا نانا یونس خان آخری عمر میں تائب ہو کر ان کا مرید ہو گیا تھا۔[33] امین احمد رازی کا بیان ہے کہ بابر کا دادا سلطان ابو سعید پا پیادہ ان کی خدمت میں جایا کرتا تھا اور ان کے مشورے کے بغیر وہ کوئی کام نہ کرتا تھا۔[34] خواجہ صاحب کا جاہ و جلال بادشاہوں سے بڑھا ہوا تھا اور ماوراء النہر کے سلاطین کو ان کے حضور میں دم مارنے کی جرأت نہیں تھی، بابر اپنے تایا سلطان احمد میرزا کے بارے میں لکھتا ہے:[35]

بحضرت خواجہ عبید اللہؒ ارادت تمام داشت۔ حضرت خواجہ مقوی و مربی او بود۔ علی الخصوص در صحبت خواجہ چنانچہ میگویند کہ در مجلسِ خواجہ تا آن زمانے کہ می نشستہ ازین زانو بزانو دیگر نمی گشت۔ یک مرتبہ خلافِ عادت در صحبتِ خواجہ ازین زانو بزانوی دیگر تکیہ کردہ بود بعد از برخاستنِ میرزا خواجہ

وہ حضرت خواجہ عبید اللہ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا اور حضرت خواجہ بھی اس کے مددگار اور سرپرست تھے۔ میرزا ان کا بڑا ادب کیا کرتا تھا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ خصوصاً جب وہ خواجہ صاحب کے حضور میں بیٹھتا تو اپنا زانو بھی نہ بدلتا تھا۔ ایک بار اس نے خلاف عادت خواجہ صاحب کے حضور

[31] تاریخ رشیدی، ورق ۱۰۱ ب

[33] ایضاً۔ ورق ۱۳۳ ب "رابطۂ ارادت خود را در سلک خدام آستانہ ملائک آشیان آنحضرت منسلک گردانیدہ بود"

[34] ہفت اقلیم، ورق ۱۳۱ ب
[35] تزک بابری۔ ص ۱۳

فرمودند کہ در جائے کہ میرزا نشستہ بودند ملاحظہ نمایند ظاہر استخوانی آنجا بود۔	میں اپنا زانو بدلا، تو جب وہ اُٹھ کر گیا تو خواجہ صاحب نے حکم دیا کہ جہاں میرزا بیٹھا تھا اس جگہ کا معائنہ کیا جائے۔ دیکھا تو وہاں ایک ہڈی پڑی تھی۔

بابر کے والد عمر شیخ میرزا کو بھی خواجہ صاحب کے ساتھ بیحد عقیدت تھی۔ بابر اپنی تزک میں میرزا کے متعلق کہتا ہے۔[۳۶]

بحضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ ارادت داشت و بصحبت ایشاں بسیار مشرف شدہ بود و حضرت خواجہ ہم فرزند گفتہ بودند۔	وہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ سے عقیدت رکھتا تھا اور ان کی صحبت سے بھی کافی مشرف ہوا تھا۔ حضرت خواجہ بھی اُسے بیٹا کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے

جب بابر کے پیدا ہونے کی خوشخبری عمر شیخ میرزا کو سنائی گئی تو اتفاق سے وہ اس وقت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس نے فی الفور آپ سے درخواست کی کہ نومولود کے لئے کوئی نام تجویز فرمائیں۔ میرزا کی درخواست پر آپ نے نومولود کا نام ظہیر الدین محمد تجویز کیا۔[۳۷] بابر کے عقیقہ کی تقریب میں خواجہ صاحب نے میرزا کی دعوت پر شرکت فرمائی۔[۳۸]

---

[۳۶] ایضاً، ص ۶۔

[۳۷] i۔ اکبر نامہ، جلد اول، ص ۸۰ " قدوۃ اولیای کبار ناصر الدین خواجہ احرار بزبان فیض آثار خود اسم گرامی این مسعود طالع بظہیر الدین محمد تسمیہ نمودند۔" ii۔ مراۃ واردات ورق ۲۸ الف۔ iii مراۃ جہاں نما۔ ورق ۱۰۶ ب۔ iv۔ مرأت العالم ورق ۲۹۸ الف " قدوی اولیای کبار ناصر الدین خواجہ احرار آن نور حدیقہ سلطنت را بظہیر الدین محمد مسمی ساخت "

[۳۸] اے ہسٹری آف پرشین لینگوایج اینڈ لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ، جلد اوّل، ص ۷

بابر کی تزک اس بات کی شاہد ہے کہ بابر کو بھی خواجہ صاحب سے ایک گوناں عقیدت تھی۔ جہاں کہیں تزک میں ان کا ذکر آیا ہے بابر کا قلم عقیدت کے پھول نچھاور کرتا ہے۔ خواجہ صاحب سے تعلقِ خاطر کی بنا پر بابر کو سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کے ساتھ غیر معمولی عقیدت پیدا ہوگئی تھی۔ اسی جذبہ عقیدت کے تحت بابر نے اپنی بیٹی گلرخ بیگم کی شادی خواجہ زادہ نورالدین محمد سے کر دی تھی[۳۹] یہ بزرگ سالارِ قافلۂ نقشبنداں، خواجہ بہاالدینؒ نقشبند کے اخلاف میں سے تھے۔

اس قرانِ السعدین کے نتیجہ میں سلیمہ سلطان پیدا ہوئی جس کا نکاح بیرم خان سے ہوا تھا۔ بیرم خان کے انتقال کے بعد، خواجگانِ نقشبندیہ سے نسبت پیدا کرنے کی نیت سے، اکبر نے سلیمہ سلطان سے عقد کر لیا۔

اکبر کی ایک بہن سکینہ بانو بیگم[۴۰] کی شادی بھی نقشبندیہ خاندان کے ایک بزرگ خواجہ حسن نقشبندی سے ہوئی تھی۔ اکبر کی ایک دوسری بہن بخشی بیگم کا عقد نکاح خواجہ شرف الدین حسین کے ساتھ ہوا تھا، یہ بزرگ خواجہ ناصر الدین عبید احراریؒ کے فرزند خواجہ یحییٰ کے پڑپوتے تھے۔[۴۱] ایک بار خواجہ شرف الدین حسین کے والد خواجہ معین الدین ہندوستان تشریف لائے تو اکبر نے بڑے احترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔

---

[۳۹] i۔ تزک جہانگیری، ص ۱۱۳ ii۔ ماٰثرِ جہانگیری، ورق ۷۲ الف iii۔ مرأت العالم، ورق ۳۲۸ ب iv۔ تاریخ محمدی، ورق ۱۴۰ ب

[۴۰] i۔ تاریخ محمدی، ورق ۱۳۴ ب۔ ii۔ دربار اکبری، ص ۷۸۶۔ iii۔ تزک جہانگیری۔ ص ۶ جہانگیر نے اس کا نام سکینہ بانو کی بجائے نجیب النسا بیگم تحریر کیا ہے۔ محمد بن رستم نے تاریخ محمدی میں ایک اور موقع پر اس کا نام بخت النسا بیگم لکھا ہے جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ (ورق ۱۳۰ ب) ان بیانات کو مدِ نظر رکھ کر اس نتیجہ پر پہنچنا مشکل نہیں کہ اس کا نام سکینہ بانو بیگم اور لقب نجیب النسا بیگم ہوگا۔

[۴۱] دربار اکبری، ص ۷۸۷۔

اور ان کی عزت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی[۱۴۲]۔ اسی طرح ایک بار خواجہ ناصرالدین عبید احرار‌ؒ کے اخلاف میں سے خواجہ یحییٰ ہندوستان تشریف لائے تو اکبر نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کے اخراجات کے لئے ایک جاگیر پیش کی۔ کچھ عرصہ بعد اکبر نے انہیں میر حاج بنا کر مکہ مکرمہ روانہ کیا اور سفرِ حج سے واپسی پر انہیں مستقل طور پر آگرہ میں ہی ٹھہرا لیا[۱۴۳]۔ اسی طرح جب خواجہ بزرگ کے اخلاف میں سے خواجہ عبدالشہید ہندوستان تشریف لائے تو اکبر نے ان کا احترام بھی دل و جان سے کیا[۱۴۴]۔

ان امثال سے یہ نتیجہ اخذ کرنا چنداں دشوار نہیں کہ اکبر کے آباء و اجداد اور خود اکبر کی سرشت میں بزرگوں کے لئے عقیدت کے جذبات بدرجہ اتم موجود تھے[۱۴۵]۔

مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطانپوری اس عہد کے ایک جیّد عالم تھے اور شیر شاہ سوری نے اپنے عہدِ حکومت میں ان کی علمیّت سے متاثر ہو کر انہیں صدر اسلام کا خطاب دیا تھا[۱۴۶]۔ شیر شاہ کا بیٹا سلیم شاہ ان کا دل و جان سے احترام کرتا اور انہیں اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا کرتا تھا[۱۴۷]۔ ہمایوں نے جب دوبارہ دہلی پر قبضہ کیا تو انہیں شیخ الاسلام کا خطاب مرحمت کیا۔ بیرم خان نے اکبر کے ابتدائی دورِ حکومت میں ان کا ایک لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا[۱۴۸]۔ بیرم خان کی معزولی کے بعد بھی اکبر نے انہیں ان کے منصب پر برقرار رکھا۔

مخدوم الملک بڑے راسخ العقیدہ بزرگ تھے اور شیخ الاسلام کی حیثیت سے

---

[۱۴۲] تاریخ الفی، ورق ۴۶۲ الف [۱۴۳] منتخب التواریخ، جلد ۳، ص ۱۰۰

[۱۴۴] ایضاً، جلد ۲، ص ۱۷۱ "در مراسم تعظیم و تکریم و لوازم اکرام و احترام فروگذاشتی واقع نشد"

[۱۴۵] تذکرۃ الامراء، ورق ۱۱۲ الف [۱۴۶] مآثر الامراء، جلد ۳، ص ۲۵۲

[۱۴۷] شعر العجم، جلد ۳، ص ۴۰ ۔ [۱۴۸] ایضاً۔

وہ ہمیشہ رفع بدعت اور ترویج شریعت کے لئے کوشاں رہتے تھے[۱۴۹]۔ جس کسی کے متعلق یہ سنتے کہ وہ شریعت کا احترام نہیں کرتا یا وہ کسی دوسرے فرقے سے تعلق رکھتا ہے تو اُسے فوراً جواب طلبی کے لئے دارالحکومت بلا لیتے۔ بڑے بڑے ذی شان مشائخ بھی ان کے احتساب سے نہ بچ سکتے تھے ایک بار انہیں یہ خبر ملی کہ شیخ داؤد کرمانی شیر گڑھی‌ؒ کی خانقاہ میں ان کے مرید "یا داؤد، یا داؤد" کا ورد کرتے ہیں تو انھوں نے شیخ موصوف کو جواب طلبی کے لئے دارالحکومت طلب کر لیا۔ عند الملاقات مخدوم الملک نے ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے تمہارے مرید ذکر کرتے وقت یا داؤد یا داؤد کہتے ہیں۔ شیخ نے جواب دیا کہ مخبر کو سننے میں شبہ ہوا ہوگا وہ یا ودود کہتے ہوں گے[۱۵۰]۔

شیخ طاہر بوہرہ پٹنی‌ؒ اس عہد کے بڑے نامور محدّث تھے اور مخدوم الملک کی طرح وہ بھی رفع بدعت اور ترویج شریعت کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ جب ان کی قوم نے مہدوی فرقہ کے عقائد اپنا لئے تو شیخ طاہر نے اپنے سر سے دستار اُتار لی اور یہ عہد کیا کہ جب تک وہ ان کو راہِ راست پہ نہیں لے آتے اس وقت تک وہ اپنے سر پہ دستار نہیں باندھیں گے۔ جب ۹۸۰ھ ہجری میں اکبر نے گجرات فتح کیا تو ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ اس موقع پہ اکبر نے "نصرت دین متین بر وفق ارادہ شما بر ذمہ معدلت من لازم است" کہتے ہوئے ان کے سر پہ اپنے ہاتھوں سے دستار باندھی[۱۵۱]۔ اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اکبر

---

[۱۴۹] منتخب التواریخ، جلد ۳، ص ۷۰ ۔ ۷۱ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۰۲ [۱۵۰] دربار اکبری، ص ۳۸۶

[۱۵۱] مآثر الکرام، جلد ۲، ص ۱۹۵ ۔ ۱۹۶ ابجد العلوم، ص ۸۹۶ ۔ نواب صدیق حسن خان‌ؒ کے الفاظ یہ ہیں: "وعزم علی کسر البواہیر المہدویۃ الذین کانوا قومہ وعہد ان لا یربط العمامۃ علی راسہ حتی یزیل تلک البدعۃ فلما استولی السلطان اکبر والی دہلی فی سنۃ ۹۸۰ علی گجرات واجتمع بالشیخ ربط العمامۃ بیدہ علی راس الشیخ وقال علی ذمتی نصرۃ الدین وکسر الفرقۃ المبتدعین"

نصرت دینِ متین اور رفع بدعت کو حاکمِ وقت کا فریضہ سمجھتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے شیخ سے یہ کہدیا تھا کہ آپ بلا وجہ غمگین نہ ہوں، دین کا غم کھانے کے لئے میں جو موجود ہوں۔

اکبر کے عہد میں گجرات (پنجاب) میں ایک بڑے اونچے پایہ کے صوفی مقیم تھے جن کا نامِ نامی شیخ سری تھا۔ جب اکبر نے کشمیر پر لشکر کشی کی تو ان کی خدمت میں بغرض دعا حاضر ہوا۔ فتح کشمیر کے بعد اکبر نے انہیں پندرہ سو بیگہ زمین بطور نذرانہ پیش کی۔ اکبر کا جاری کردہ فرمان آج بھی گجرات میں محفوظ ہے اور اس کا عکس میرے فاضل دوست پروفیسر احمد حسین احمد صاحب کے پاس موجود ہے۔

سید محمد میر عدل کا بھی اکبر پر کافی اثر تھا۔ عبدالقادر بدایونی رقمطراز ہے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں بادشاہ کی بھی پروانہ کرتا تھا۔ اس کے احتساب سے عوام تو عوام خود اکبر بھی ہراساں رہتا تھا۔[۵۲] ایک بار اس کی موجودگی میں جب حاجی ابراہیم سرہندی نے یہ فتویٰ دیا کہ مردوں کو سرخ رنگ کا لباس پہننا جائز ہے تو میر عدل نے بادشاہ کے حضور میں حاجی کو برا بھلا کہا اور عصا لیکر اسے مارنے پر آمادہ ہو گیا۔[۵۳] جب اکبر راہ راست سے بھٹکا اور اس نے علماء کو حکم دیا کہ وہ جواز متعہ پر مزید تحقیق کریں تو اس نے میر عدل کو مصلحتاً آگرہ سے بھکر تبدیل کر دیا۔[۵۴]

اکبر علماء و مشائخ کا اس حد تک قدر دان تھا کہ ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا ہے کہ علمائے نے کسی کی سفارش کی اور وہ اس نے رد کر دی ہو۔[۵۵] وہ ان کی سفارش کو

[۵۲] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۱۰ [۵۳] ایضاً ص ۲۱۰-۲۱۱ "میر عدل در مجلس پادشاہی اورا بدبخت الملعون گفتہ و دشنامہا دادہ عصا برای زدن بر داشت تا بحیلہ خلاص یافت"۔ [۵۴] ایضاً ص ۲۱۰
[۵۵] عبدالشہید نے شرف الدین حسین کی رہائی کی دو بار سفارش فرمائی، لیکن شرف الدین حسین کا جرم اتنا سنگین تھا کہ اکبر نے ان کی سفارش کو شرف قبولیت نہ بخشا، ویسے خواجہ موصوف کے احترام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۱۷۱، ۱۸۴

ہمیشہ شرف قبولیت بخشتا تھا۔ گذشتہ صفحات میں ہم خان زمان کی بغاوت کے متعلق پڑھ چکے ہیں۔ اس کی طاقت اور حالات کی نزاکت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اکبر اس کے مقابلہ پر نکلنے سے پہلے بزرگانِ دہلی کے مزارات پر اپنی کامیابی کے لئے دعائیں مانگتا پھرتا تھا۔[۵۶] جب اس نے خانِ زمان پر قابو پالیا تو اپنے استاد میر عبداللطیف قزوینی، مخدوم الملک عبداللہ سلطانپوری شیخ عبدالنبی صدر الصدور اور میر مرتضیٰ شریفی شیرازی کی سفارش قبول کرتے ہوئے اس کی خطاؤں سے درگزر کیا۔[۵۷] اس واقعہ سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ علما اس کے مزاج میں کافی حد تک دخیل تھے اور وہ ان کا کہنا مانتا تھا۔

ان علماء و مشائخ کی صحبت میں رہتے ہوئے اکبر صوم و صلوٰۃ کا پابند ہو گیا تھا۔ شیخ عبدالنبی کی ترغیب و صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ شاہنواز خان رقمطراز ہے۔[۵۸]

اکبر پادشاہ بترغیب اجرائے احکام شرعی و امر معروف و نہی منکر فراوانِ جہد میفرمود و خود اذان میگفت و امامت میکرد حتیٰ لقصد ثواب بمسجد جاروب میزد۔	(علماء کی) ترغیب سے اکبر بادشاہ احکام شریعت کی ترویج، امر معروف اور نہی منکر کے لئے بڑی کوشش کرتا تھا۔ وہ خود اذان دیتا اور امامت کرتا تھا۔ ثواب کی نیت سے وہ مسجد میں جھاڑو بھی دیا کرتا تھا۔

نماز باجماعت کا وہ اتنا اہتمام کرتا تھا کہ اس نے ہفتے کے سات دنوں کے لیے سات امام مقرر کئے ہوئے تھے جو باری باری اسے مقررہ دن نماز

[۵۶] ایضاً، ص ۲۵۲ [۵۷] ایضاً، ص ۸۴
[۵۸] مآثر الامراء، جلد ۲، ص ۵۶۱

پڑھاتے تھے ۔ عبدالقادر بدایونی لکھتا ہے کہ بدھ کے روز امامت کے فرائض اس سے متعلق تھے۔[۵۹]

بادشاہ ہر سال ایک امیر حاج مقرر کر کے یہ اعلان کرتا کہ جو شخص اس کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہے اس کے اخراجات سرکار کی طرف سے ادا کئے جائیں گے ۔ اس کے علاوہ ہر سال وہ امیر حاج کے ہاتھ شریف مکہ کے لئے گراں قدر تحائف اور اہلِ حرم کے لئے نقد و جنس روانہ کیا کرتا تھا۔[۶۰] قافلہ حجاج کی روانگی کا منظر قابلِ دید ہوتا تھا ۔ بدایونی رقمطراز ہے کہ اس دن بادشاہ حاجیوں کی طرح احرام باندھ کر سر کے بال قصر کرواتا اور تکبیر کہتا ہوا سر و پا برہنہ انہیں رخصت کرنے دُور تک ان کے ہمراہ جایا کرتا تھا۔[۶۱]

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ اکبر کی محبت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جس سال شاہ ابوتراب حج سے فارغ ہو کر ہندوستان واپس آیا تو وہ اپنے ساتھ ایک ایسا پتھر لیتا آیا جس پر حضورؐ کے "پائے مبارک" کا نشان تھا ۔ جب وہ آگرہ کے قریب پہنچا تو اکبر اپنے امراء و علما سمیت اس کے استقبال کے لئے چار کوس تک گیا۔[۶۲] حضورؐ کے اہلِ بیت کے ساتھ بھی اس کو بیحد عقیدت تھی ۔ یہ اسی عقیدت کا نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے توام بیٹوں کے نام حضرات حسنین رضؓ کے نام پر حسن اور حسین رکھے۔[۶۳]

---

[۵۹] منتخب التواریخ جلد ۲، ص ۲۲۷ [۶۰] ایضاً، ص ۲۳۹، ۲۵۱

[۶۱] ایضاً، ص ۲۳۹ "بطریق محرمان سر و پا برہنہ احرام بستہ و بہ تشبہ حاج ہمچنان لباس پوشیدہ داندک قصری کردہ قدمی چند بمشایعت رفتند و دران حالت غریو از مردم برخاستہ رقتها کردند" [۶۲] ایضاً، ص ۳۱۰ ۔ [۶۳] ایضاً، ص ۶۹ ۔

بانی اسلام اور بزرگانِ دین کے ساتھ وہ علوم اسلامیہ کا بھی بڑا قدردان تھا اور ہمیشہ مصنفوں کی حوصلہ افزائی کرتا رہتا تھا ۔ جب ملّا عصام ابراہیم اسفرائنی کے شاگرد رشید حافظ تاشکندی نے سورہ محمدؐ کی تفسیر لکھی تو خواجہ امینا کی سفارش پر اکبر نے اسے گرانقدر انعام عطا کیا۔[۶۴] وہ رات کو سونے سے قبل نقیب خان سے کوئی نہ کوئی کتاب ضرور سنتا تھا۔[۶۵] اُسے جہاں سے بھی کوئی عمدہ کتاب ملتی تو وہ اُسے فوراً اپنے کتب خانہ میں داخل کر لیتا ۔ فتح گجرات کے بعد جب اعتماد خان کا نفیس کُتب خانہ اس کے ہاتھ آیا تو اس نے ان کتابوں کی ایک بڑی تعداد اپنے کُتب خانہ میں داخل کی اور بقیہ کتب علماء و مشائخ میں تقسیم کر دیں ۔ اس تقسیم میں انوار المشکوٰۃ بدایونی کے حصہ میں آئی۔[۶۶] ابوالفضل نے آغازِ ملازمت پر آیۃ الکرسی کی تفسیر لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں نذر گذرانی تو اس نے اس تصنیف پر اُسے تحسین پیش کی۔[۶۷] یہ کتاب بھی حسب معمول شاہی کُتب خانہ کی زینت بنی ۔ اسی طرح ایک تقریب پر ملّا عبدالقادر بدایونی نے "چہل حدیث" بادشاہ کی خدمت میں پیش کی ۔ اس مجموعہ حدیث میں صرف ان احادیث کو جمع کیا گیا تھا جن میں غزا اور تیراندازی کی فضیلت آئی ہے ۔ بادشاہ نے اسے بھی اپنے کُتب خانہ میں داخل کر لیا۔[۶۸] ان کتابوں کے نام پڑھ کر اتنا اندازہ تو ہو جاتا ہے کہ ان ایام میں کس طرح کی کتابیں اکبر کے مطالعہ میں رہتی تھیں ۔

---

[۶۴] ایضاً، ص ۱۸۷ [۶۵] ایضاً، ص ۱۳۱ "در ملازمت شاہنشاہی بخواندن علم تاریخ و سائر کتب نظم و نثر روزانہ و شبانہ اشتغال دارد" [۶۶] ایضاً، ص ۲۰۲

[۶۷] ایضاً، ص ۱۹۸ [۶۸] ایضاً، ص ۲۵۵

یہ تھے اُس اکبر کے ابتدائی مذہبی خیالات جو آگے چل کر اکفر[۶۹] کے نام سے مشہور ہوا اور جس نے ہندوستان میں مسلمانوں کے مفاد اور اسلام کو اس قدر نقصان پہنچایا کہ آج صدیاں گذر جانے کے بعد بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکی۔

۶۹؎ ایضاً۔ ص ۳۳۹ "خود ہم در آفاق لضلال دین اکفر مشہور شدند و مجتہد مرشد بہ ابوجہل شہرت یافت۔

علمائے سُوٗ

علماء و مشائخ کی صحبت میں رہتے ہوئے اکبر کو مذہب کے ساتھ وابستگی اور علوم اسلامیہ کے ساتھ ایک لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی مجلس میں ہمیشہ اہلِ اللہ کا ذکر رہتا تھا ایک روز باتوں باتوں میں اکبر کے مصاحبوں نے اُسے بتایا کہ بنگال کے ولی صفت حاکم سلیمان کرانی کا یہ معمول تھا کہ وہ رات کے پچھلے پہر ڈیڑھ صد علماء و مشائخ کی معیّت میں نماز تہجد ادا کرتا اور اس کے بعد نمازِ فجر تک قرآن کا درس سنتا۔ نمازِ فجر کے بعد وہ کاروبار حکومت میں مشغول ہو جاتا اور اپنی رعایا کی نگہداشت میں کوشاں رہتا[۱]۔ اسی طرح اکبر کو یہ بتایا گیا کہ بدخشاں کا حاکم میرزا سلیمان صوفی مشرب اور صاحب نسبت درویش تھا اور وہ لوگوں کو مرید بھی کیا کرتا تھا[۲]۔ ایسی باتیں سن کر اکبر کے دل میں فطری طور پر یہ تحریک پیدا ہوئی کہ وہ اُن جیسا بن کر دکھائے، چنانچہ اس نے ۹۸۲ھ ہجری میں فتح پور سیکری میں شیخ عبداللہ نیازی کے حجرۂ عبادت کی جگہ عبادت خانہ کی بنا ڈالی۔

۱؎ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۰۰ ۲؎ ایضاً، ص ۲۰۱

جب یہ عمارت بن کر تیار ہوئی تو اکبر نے علماؤ مشائخ کو وہاں تشریف لا کر اپنے مواعظ حسنہ سے مستفیض کرنے کی درخواست کی۔ وہ ہر ہفتے نمازِ جمعہ کے بعد عبادت خانہ میں جا بیٹھتا اور علماؤ مشائخ سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتا[۵۳]۔ بدایونی رقمطراز ہے کہ اکثر ایسا ہوتا کہ بادشاہ رات کے وقت وہاں جا بیٹھتا اور یا ہو اور یا ھادی کا ورد شروع کر دیتا۔ صبح سویرے وہ عبادت خانہ سے باہر آ کر ایک پتھر کی سل پر بیٹھ کر مراقبہ کیا کرتا تھا[۵۴]۔ بدایونی کی تحریر سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ عبادت خانہ کی تعمیر سے اکبر کا مقصد قال اللہ و قال الرسول کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اسی جذبہ کے تحت اس نے علماؤ مشائخ کو وہاں آنے کی دعوت دی اور شیخ محمد غوث گوالیاری رحؒ کے فرزند شیخ ضیاء اللہ کو خصوصی دعوت پر وہاں بلایا گیا[۵۵]۔

بد قسمتی سے بعض جاہ پسند علماء مخصوص نشستوں کے لئے جھگڑنے لگے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ اسے بادشاہ کے قریب جگہ ملے۔ بادشاہ نے ان کے جھگڑے ختم کرنے کی غرض سے یہ حکم دیا کہ امراء مشرق کی جانب بچھی ہوئی مسندوں پر بیٹھا کریں اور سادات عظام مغرب کی جانب اسی طرح علمائے کرام جنوب کی جانب بچھی ہوئی مسندوں پر بیٹھیں اور مشائخ کرام شمال کی جانب[۵۶]۔

جب مذہبی مباحثے شروع ہوئے تو علماء اپنی قابلیت جتانے کے لئے مختلف مسائل میں ایک دوسرے سے الجھنے لگے اور بات بڑھتے بڑھتے تلخ کلامی تک جا پہنچی[۵۷]۔ بدایونی نے ایک مباحثہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے[۵۸]۔

---

۵۳ ایضاً۔
۵۴ ایضاً، ص ۲۰۰
۵۵ ایضاً، ص ۲۰۲
۵۶ ایضاً
۵۷ منتخب التواریخ۔ جلد ۲، ص ۲۰۲
۵۸ ایضاً۔

رگ گردن علمای زمان بر آمده آواز های بلند و دمدمہ بسیار ظاہر شد۔ این معنی بر خاطر اشرف گران آمده۔

بڑے بڑے علماء کی گردنوں کی رگیں پھولنے لگیں۔ شور و غل کے علاوہ سخت ہڑ بڑ مچ گیا۔ بادشاہ کی طبع نازک کو یہ بات ناگوار گذری۔

اکبر نے ان کی حرکات پر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے بدایونی سے کہا کہ جو عالم اس مجلس میں بیہودہ پن کا مظاہرہ کرے اسے وہاں سے اٹھا دے[۵۹]۔ بدایونی رقمطراز ہے کہ آصف خان میرے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا میں نے چپکے سے اس کے کان میں کہا کہ اگر بادشاہ کا یہی حکم ہے پھر تو بہت سے علماء کو باہر نکالنا پڑے گا[۶۰]۔

منتخب التواریخ کے مطالعہ سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ شروع شروع میں مخدوم الملک مولانا عبد اللہ سلطانپوری عبادت خانہ کے مباحثوں میں حصہ لینے سے گریز کرتے تھے۔ جب اکبر نے علماء کو دست و گریبان ہوتے دیکھا تو مخدوم الملک کو محض تنگ کرنے کی غرض سے عبادت خانہ میں مدعو کیا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ علماء بھی ان سے بات بات پر الجھنے پر ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ ابو الفضل جیسا کل کا لونڈا، جو مخدوم الملک کے سامنے طفلِ مکتب معلوم ہوتا تھا اور جس کے منہ سے ہنوز بوئے شیر آتی تھی، ان کے منہ آنے لگا۔ اکبر نے ابو الفضل کی تیزی و طراری ملاحظہ کرتے ہوئے اس کا حوصلہ بڑھایا[۶۱]۔ سرہند کے ایک فاضل حاجی ابراہیم بہت ہی منہ زور مناظر واقع ہوئے تھے، وہ بھی بات بات پر مخدوم الملک سے الجھنے

---

۵۹ ایضاً۔ ۶۰ ایضاً "آہستہ بآصف خان گفتم کہ بدین تقدیر اکثر را باید برخیزاند"
۶۱ ایضاً۔ ص ۲۰۳ "ابو الفضل کہ نو آمدہ بود و حالا مجتہد دین و مذہب نو است بلکہ مرشد بحق و داعی دو دیگر احداث را بمباحثہ او سر میدادند و تخلیط در ہر سخن او میکردند"

لگے۔ جب حاجی ابراہیم زیادہ ہی منہ زور ہو گئے تو اکبر نے بدایونی کو آگے بڑھایا اور اس نے حاجی کے منہ میں لگام دی۔ بدایونی رقمطراز ہے کہ اکبر عبادت خانہ کے مناظروں میں میرے پیشتر سے دیکھ کر یہ کہا کرتا تھا کہ یہ نوجوان حاجی ابراہیم سرہندی کا سر پھوڑے گا۔[۱۱۲] ہم یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ اگر اکبر ابوالفضل، حاجی ابراہیم سرہندی اور عبدالقادر بدایونی جیسے منہ زور مناظروں کی بیٹھ نہ ٹھونکتا تو عبادت خانہ کے مباحثوں میں اتنی ناخوشگواری پیدا نہ ہوتی۔ اس لئے عبادت خانہ میں پیدا ہونے والی تمام بدمزگی کی ذمہ داری براہِ راست اکبر پر عائد ہوتی ہے۔

ان ہی مباحثوں میں ایک روز خان جہان نے مولانا عبداللہ سلطانپوری سے پوچھا کہ کیا ان پر ابھی حج فرض ہوا ہے یا نہیں؟ مولانا نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس زمانے میں دو وجوہ کی بنا پر فریضۂ حج ساقط ہو چکا ہے۔

اولاً یہ جو شخص سمندر کے راستے حجاز جانا چاہتا ہو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ پرتگیزوں سے پاسپورٹ حاصل کرے اس پاسپورٹ پر چونکہ صلیب کا نشان اور حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی تصاویر ہوتی ہیں اس لئے کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس طرح کی دستاویز اپنے پاس رکھے۔

ثانیاً یہ کہ اگر کوئی شخص خشکی کے راستے حجاز جانا چاہے تو اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ ایران کے راستے سفر کرے۔ ایران پر چونکہ شیعوں کا قبضہ ہے اس لئے کسی سُنّی کے لئے

---

[۱۱۲] ایضاً، ص ۱۷۳ "در وقت ملازمت تعریف کردہ بود کہ این فاضل بداونی سرکوب حاجی ابراہیم سرہندی است"۔

یہ جائز نہیں کہ وہ ان کے ملک میں سفر کرے اور ان سے دلآزار باتیں سنے۔

ان دو صورتوں کے علاوہ اور کسی طریقے سے حجاز پہنچنا ممکن نہیں، اس لئے فریضۂ حج ساقط ہو چکا ہے۔[۱۱۳] بالوں باتوں میں یہ بھی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے بھی اُنہوں نے ایک حیلۂ بیہودہ تراش لیا تھا۔ وہ یہ کہ مخدوم الملک سال ختم ہونے سے قبل اپنی تمام جائیداد اپنی بیوی کے نام ہبہ کر دیا کرتے تھے اور اسی طرح وہ نیک بخت سال پورا ہونے سے قبل وہ جائیداد ان کے نام منتقل کر دیا کرتی تھی۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے چونکہ "حول کامل" شرط ہے اور اس طرح کے ہیر پھیر میں یہ شرط چونکہ پوری نہ ہوتی تھی اس لئے ان پر زکوٰۃ فرض نہ ہوتی تھی۔[۱۱۴]

علماء کی نجی زندگی اور ان کے کرتوت دیکھ کر بادشاہ کا ان پر سے اعتماد اُٹھ گیا۔ مخدوم الملک سے گلو خلاصی کرانے کی غرض سے اُنہیں جبراً حج کے لئے بھیج دیا گیا۔[۱۱۵] کچھ عرصہ گذرنے پر وہ بلا اجازت ہندوستان چلے آئے لیکن دارالحکومت پہنچنے سے پیشتر ہی احمد آباد میں ان کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ نے جاسوسوں کی اطلاع پر ان کے "آبائی قبرستان" کو کھدوایا تو ان "قبروں" سے تین کروڑ روپے کی مالیت کی اینٹیں برآمد ہوئیں۔[۱۱۶] ان کا زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کا عذر اور حج پر نہ جانے کا بہانہ اور اسی طرح کے حیلہ ہائے بیہودہ پڑھ کر دورِ حاضر کے بعض مؤرخوں کو

---

[۱۱۳] ایضاً۔ ص ۲۰۳ — [۱۱۴] ایضاً

[۱۱۵] ایضاً، ص ۲۰۴ "وقرار چنان یافت کہ او را قہراً وجبراً بمکہ معظمہ باید فرستاد"

[۱۱۶] ایضاً، ص ۳۱۱۔

ان پر شائیلاک کا گمان گذرتا ہے[۱۶]۔

شیخ عبدالنبی جب کرسیٔ صدارت پر بیٹھے تو ان کے جاہ وجلال کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ خود ان کے گھر جا کر درسِ حدیث میں شریک ہوتا اور شیخ کی کفش برداری کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتا تھا۔ جب ہندوستان کا شہنشاہ ان کو اپنے ہاتھوں سے جوتے پہناتا ہو پھر بھلا وہ دوسروں کو کب خاطر میں لاتے ہوں گے۔ بقول بدایونی بڑے بڑے علماء شرفِ باریابی حاصل کرنے کے لئے گھنٹوں ان کے دروازے پر کھڑے رہتے تھے[۱۷]۔ عموماً ایسا بھی دیکھنے میں آتا کہ امراء اور علماء ان کے دیوان خانہ کے باہر منتظر کھڑے ہوتے اور وہ باہر نکل کر ایک چوکی پر بیٹھ جاتے۔ ان کا ایک خادم انہیں وضو کراتا اور مستعمل پانی کے چھینٹے اُڑ کر امراء اور علماء کی عباؤں پر پڑتے۔ شیخ ان سب سے بے نیاز ہو کر وضو کرتے اور ان سے ملے بغیر اپنے کمرہ میں تشریف لے جاتے[۱۹]۔ بدایونی نے اس منظر کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بے حد مغرور ہو چکے تھے۔ بدایونی نے ان کا شمار ان علماء میں کیا ہے جنہیں وہ "ملایان فرعون صفت" کے لقب سے یاد کرتا ہے۔

مخدوم الملک کی طرح انہوں نے بھی ادائیگی زکوٰۃ سے بچنے کے لئے "کتاب الحیل" میں سے کوئی حیلہ تلاش کر لیا تھا۔ بالآخر ان کا انجام بھی مخدوم الملک

---

[۱۶] ریلیجس پالیسی آف اکبر، ورق ۴۸ [۱۷] منتخب التواریخ جلد ۲، ص ۲۰۵۔

[۱۸] "سید عبداللہ صوفی وسایر وکلاء شیخ تا فراشان ودربانان وسائسان وحلال خوران نیز رشوتہا کلی داد ے۔"

[۱۹] ایضاً "بعد از نیم روز بر کرسی غرور نشستہ وضو می ساخت قطرات آب مستعمل او بسر وروی وجامہ امرای کبار ومقربان بلند مرتبہ می افتاد وہیچ تحاشی از ان نداشت۔"

جیسا ہی ہوا اور بادشاہ نے انہیں بھی ہندوستان سے جلاوطن کر کے مکہ مکرمہ روانہ کر دیا۔ جب مخدوم الملک واپس لوٹے تو یہ بھی ہندوستان چلے آئے۔ مخدوم الملک کو تو دار الحکومت پہنچنا نصیب ہی نہ ہوا، شیخ صاحب کو ان کی قضا دربار میں لے آئی۔ اکبر نے دورانِ گفتگو ان کے منہ پر گھونسہ رسید کیا اور ابو الفضل سے کہا کہ انہیں زندان میں ڈال کر ان سے ان ستر ہزار روپوں کا حساب لے جو انہیں حرمین شریفین میں تقسیم کرنے کے لئے دئے تھے[۲۰]۔ ان پر متھرا کے برہمن اور خضر خان سروانی کو سب نبی اور میر حبش کو "رفض" کے جرم میں مروانے کے الزامات بھی لگائے گئے۔ شیخ عبدالنبی نے قید خانہ میں ہی وفات پائی اور ان کی وفات پر تبصرہ کرتے ہوئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ابو الفضل نے اگلے پچھلے بدلے لینے کی خاطر انہیں طرح طرح کی اذیتیں دے کر مروا ڈالا۔

سلطان خواجہ، جسے اکبر نے میر حاج بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا تھا، اپنے آخری ایام زندگی میں بادشاہ کے زمرۂ مریدین میں داخل ہو گیا تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو اس کی تدفین "شریعتِ جدید" کے مطابق عمل میں آئی تھی۔ بدایونی کا بیان ہے[۲۱]۔

بعد از دفن در قبر او کہ باختراع خاص بود شبکہ مقابل نیر اعظم گذاشتند تا فروغ آن کہ پاک کنندہ گناہان است ہر صباح بر رویش افتد ومیگفتند کہ بر دہانش زبانہ آتش نیز رسانیدہ بودند۔

اس کی تدفین کے بعد بہ اختراع کی گئی کہ اس کی قبر میں سورج کے مقابل ایک روشندان بنایا گیا تاکہ سورج کی روشنی جو گناہوں سے پاک کرتی ہے، ہر صبح اس کے چہرہ پر پڑے۔ لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس کی زبان پر ایک انگارہ بھی رکھا گیا تھا۔

---

[۲۰] ایضاً۔ ص ۳۱۱ [۲۱] ایضاً، ص ۳۴۰، ۳۴۱

میراں صدرِ جہاں "مفتیٔ کُلِ ہندوستان" کے لقب سے ملقب تھے، جب اکبر کے دربار سے کفر و الحاد کا طوفان اُٹھا تھا تو ان کا ایمان بھی متزلزل ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور دوسروں کو دیکھا دیکھی وہ بھی اکبر کے مریدوں کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔[۲۲] دیکھنے والوں نے یہ دیکھا کہ جو بزرگ کل تک "مفتیٔ کل ہندوستان" بنے پھرتے تھے وہ اب وادیٔ الحاد میں دوسروں سے بھی دو قدم آگے ہیں۔

اکبر کے آخری دورِ حکومت میں جب بادِ فنا نے بیربر، حکیم ابو الفتح، شیخ مبارک، فیضی اور ابوالفضل جو دینِ الٰہی کے ستون سمجھے جاتے تھے، ایک ایک کر کے گرا دیئے اور دربار میں قلیچ خانؒ اور شیخ فرید بخاریؒ جیسے راسخ العقیدہ مسلمان اُمراء برسرِ اقتدار آئے تو میراں صدرِ جہاں کی بھی آنکھیں کھلیں اور وہ تائب ہو کر راہِ راست پر آ گئے۔ تاہم وہ اپنے دورِ الحاد میں اسلام کو نقصان پہنچانے میں کسی دوسرے عالمِ سُوء سے پیچھے نہیں رہے۔ شاید کسی نے ایسے ہی موقع کے لئے یہ شعر کہا ہے۔

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

ملا شیری لاہوری اکبر کے عہد کا ایک ممتاز عالم تھا اور وہ سنسکرت زبان کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرنے پر مامور تھا۔ جب اُسے معلوم کہ بادشاہ سورج کی طرف منہ کر کے سنسکرت زبان میں سورج کے ایک ہزار ایک نام جپتا ہے تو اس نے بادشاہ کی سہولت اور خوشنودی کی خاطر وہ نام منظوم کر کے اس کی خدمت میں پیش کئے۔[۲۳]

۲۲ھ ایضاً، ص ۴۰۴ ۲۳ھ ایضاً، ص ۳۳۶

حاجی ابراہیم سرہندی کے متعلق، جو عبادت خانہ کے مباحثوں میں اپنے حریفوں کی پگڑیاں اُچھالتا پھرتا تھا، بدایونی لکھتا ہے "رشوت بسیار گرفتہ و زنان بسیار نگاہ داشتہ۔"[۲۴]

قاضی صدر الدین سنبھلی کا بیٹا قاضی زادہ عبدالحیؒ بھی ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے مسائل دین کو بازیچۂ اطفال بنا لیا تھا۔ اس کے متعلق بدایونی رقمطراز ہے کہ "خبط سخنان در مذہب و ملت میگفت۔"[۲۵]

عہدِ اکبری میں "مجتہدانِ مذہبِ نو"[۲۶] نے اکبر کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ "شراب اگر بجہتہ رفاہیت بدنی بطریق اہلِ حکمت بخورند و فتنہ و فسادے ازاں نزاید مباح باشد"[۲۷] بالفاظ دیگر اگر کسی طبیب سے میڈیکل سرٹیفکیٹ لے کر شراب پی جائے تو اس کا استعمال صحت کے لئے فائدہ مند ہوگا۔ اکبر نے پینے والوں کی سہولت کے لئے دربار عام کے قریب ہی شراب کی ایک دکان کھلوا کر مختلف اقسام کی شراب کے نرخ مقرر کر دیئے تھے[۲۸]۔ یعنی اس سرکاری ڈپو سے ہر کس و ناکس کو کنٹرول ریٹ پر شراب مل سکتی تھی۔

اس دوکان کے کھلتے ہی علمائے سُوء کے بھی جوہر کھلے۔ بدایونی رقمطراز ہے کہ عہدِ اکبری میں مفتیوں اور قاضیوں کی یہ حالت تھی کہ "در مجالس نوروزے

۲۴ھ ایضاً، ص ۳۱۲ ۲۵ھ ایضاً، ص ۲۸۳

۲۶ھ بدایونی نے یہ اصطلاح ابوالفضل کے لئے استعمال کی ہے۔ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۰۳ ۲۷ھ ایضاً، ص ۳۰۱

۲۸ھ ایضاً۔ "از برائے رعایت عدالت دوکان شراب فروشی بر دربار باہتمام خاتون دربان کہ دراصل از نسل خمار است، برپا کردہ نرخے معین نہادند۔"

اکثرے از علماء وصلحا بلکہ قاضی و مفتی را نیز در وادی قدح نوشی آوردند[29]" بادشاہ ان کو شراب پیتے دیکھ کر بڑا محظوظ ہوتا اور ترنگ میں آ کر یہ شعر پڑھا کرتا تھا:۔

در عہد بادشاہ خطا بخش و جرم پوش
حافظ قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش

بدایونی لکھتا ہے کہ عہد اکبری کے ایک عالم، خواجہ اسمٰعیل نبیرۂ شیخ الاسلام کا انتقال کثرت شراب نوشی کے سبب ہوا تھا[30]۔ قاضی عبدالسمیع نام کے ایک بزرگ کو، جن کی ڈاڑھی بقول بدایونی گز بھر سے کسی طرح بھی کم نہ تھی، اکبر نے قاضی القضاۃ بنایا۔ یہ بزرگ شرط بد کر شطرنج کھیلنے کے علاوہ حافظ کا یہ شعر

سحر ز ہاتف غیبم رسید مژدہ گوش
کہ دورِ شاہ شجاع ست مے دلیر بنوش

پڑھتے ہوئے ساغر پہ ساغر لنڈھایا کرتے تھے۔ بدایونی کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ رشوت کو عین فرض سمجھتے تھے اور سود کے بغیر کسی کو قرض نہیں دیتے تھے[31]۔

بدایونی کے بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عبادت خانہ میں علماء دو گروہوں میں بٹ گئے تھے، ان میں سے ایک گروہ مخدوم الملک کا طرفدار تھا اور دوسرا شیخ عبدالنبی کا[32]۔ بحث کے دوران جب وہ جھگڑتے تو یوں معلوم ہوتا گویا سبطی

---

[29] ایضاً۔ ص ۳۰۹ [30] ایضاً، ص ۳۴۷

[31] ایضاً، ص ۳۱۴ "شطرنج بگرو می باخت و اکثرے میدہ و پیالہ کشی خود علانیہ آفریدۂ اوست و رشوت نظر بمذہب او فرض وقت است و سود را در قبالات قرض و سجلات بموجب حکم وضع منودہ می نویسید" [32] ایضاً، ص ۲۵۵ "ملایان دو جماعہ و دو رویہ پارہ بآن جانب و پارۂ باین جانب رفتہ سبطی و قبطی گشتند"

اور قبطی باہم دست و گریباں ہوئے ہیں ان کے جھگڑے زبانی کلامی مناظروں تک محدود نہیں رہے بلکہ دونوں گروہ تیغ بدست میدان تحریر میں کود پڑے۔ مخدوم الملک نے قلم اٹھانے میں پہل کی اور شیخ عبدالنبی کے خلاف ایک رسالہ لکھ ڈالا۔ اس میں علاوہ اور باتوں کے یہ بھی مرقوم تھا کہ شیخ عبدالنبی کو چونکہ بواسیر کی شکایت ہے اور ان کے والد نے انہیں جائیداد سے بھی عاق کیا ہوا ہے اس لئے ان کے پیچھے نماز جائز نہیں[33]۔ شیخ عبدالنبی بھلا کب پیچھے رہنے والے تھے اُنہوں نے مخدوم الملک کے خلاف قلم اُٹھایا اور انہیں جاہل مطلق ثابت کر دکھایا۔ اگر ان کے اختلافات یہیں تک محدود رہتے تو بھی "درجہ بدرجہ خیریت" رہتی مگر وہ ایک قدم آگے بڑھ کر ایک دوسرے کی تکفیر اور تضلیل میں مشغول ہو گئے اور دونوں طرف سے فتاوی کے کاغذی کارتوس چلنے لگے۔ بدایونی لکھتا ہے کہ انجام کار ان کے اختلافات اس انتہا کو پہنچ گئے کہ "کار بحث از سُنّی و شیعی و حنفی و شافعی و فقیہہ و حکیم گذشتہ و در اصل اصول خلل انداختند"[34]

جب مخدوم الملک اور صدر الصدور یوں لڑنے جھگڑنے لگے تو بعض کٹ کھنے بھی عبادت خانہ میں آ نکلے۔ تاج الدین نام کے ایک صاحب بھی، جو اپنے حواریوں میں تاج العارفین کے لقب سے مشہور تھے، عبادت خانہ میں آنے جانے لگے۔ ایک روز انہوں نے وحدت الوجود کے غلبہ کے تحت بادشاہ کو "عین واجب لا اقل عکس واجب" قرار دے کر اس کے لئے سجدۂ تعظیمی کا جواز نکال لیا[35]۔ حاجی ابراہیم سرہندی نے ڈاڑھی پر تحقیق شروع کی اور چند روز بعد ملا ابوسعید برادر زادہ شیخ امان پانی پتی کے کتب خانہ کی ایک

---

[33] ایضاً "و نماز گذاردن عقب او روا نیست چرا کہ پدرش عاق ساختہ و خود علت بواسیر خونی دارد" [34] ایضاً [35] ایضاً۔ ۲۵۹

کرم خوردہ کتاب میں سے ایک حدیث نکال لائے اور عبادت خانہ میں آکر یہ اعلان کیا کہ راوی لکھتا ہے: "پسرِ صحابی مترش در نظر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمد، فرمودند کہ اہلِ بہشت باین ہیات خواہند بود۔"[۳۶] اس سے بادشاہ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جب اہلِ بہشت کلین شیو ہوں گے تو پھر ہم کیوں نہ شیو بنوائیں۔

جب ایک فقیہ نے یہ دیکھا کہ حاجی ابراہیم کی تحقیق بادشاہ کے دل لگی ہے تو وہ بھی ایک کتاب اٹھا لائے جس میں یہ مرقوم تھا کہ اپنی ڈاڑھی اس طرح نہ رکھو۔ کما یفعلہ بعض القضاۃ العراق۔ اس کا ترجمہ اُنھوں نے یوں کیا کہ جس طرح عراق کے قاضی ڈاڑھیاں رکھتے ہیں تم ان کی طرح ڈاڑھیاں نہ رکھو، بالفاظِ دیگر تم ان کی ضد میں ڈاڑھیاں منڈواؤ۔ بدایونی رقمطراز ہے کہ اسے اس فقیہ کی چالاکی سمجھیے یا جہالت، جس نے عصاۃ کو قضاۃ بنا دیا تھا۔[۳۷]

جب ایک اور عالم نے جو محقق کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے تھے، یہ دیکھا کہ اس کے حریف ڈاڑھی پر ریسرچ کر کے اس پر بازی لے گئے ہیں، تو اس نے شیو بنانے کے حق میں یہ دلیل پیش کی کہ "ریش از خصیتین آب میخورد واہذا ہیچ خواجہ سرای را چون ریش نہ بیند، در نگاہداشتن آن چہ ثواب۔"[۳۸] اس محقق کی تحقیق بادشاہ کے کچھ اس طرح سے دل لگی کہ — "صحبت بار یش دار و امثال آن کمال احتراز داشتند۔"[۳۹]

---

[۳۶] ایضاً، ص ۲۷۸۔ [۳۷] ایضاً، ص ۳۰۴۔ عصاۃ کے معنی ہوتے ہیں اوباش، یعنی کہنے والے نے یہ کہا تھا کہ تم اپنی ڈاڑھیاں عراق کے اوباشوں کی طرح نہ رکھو۔ دربارِ اکبری کے فقیہ نے عصاۃ کو قضاۃ بنا دیا۔

[۳۸] ایضاً۔ ص ۳۰۳ [۳۹] ایضاً۔

اسی دوران میں بعض علماء نے بادشاہ کی توجہ تعددِ ازدواج کی طرف مبذول کرائی۔ مختلف مکاتبِ فکر کے علماء نے فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ کی تفسیر کرتے ہوئے اُسے بتایا کہ بعض فقہا تا ہژدہ زن ہم روا داشتہ اند۔[۴۰] مؤرخوں کا بیان ہے کہ جب سلطان محمود کسی سے خوش ہوتا تو اس کا منہ موتیوں سے بھروا تا تھا۔ ایک بار اس نے عنصری کا منہ تین بار موتیوں سے بھروایا تھا۔[۴۱] یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اکبر نے اس عالم کا مُنہ کتنی بار موتیوں سے بھروایا۔

ابھی تعددِ ازدواج کا معاملہ زیرِ غور ہی تھا کہ ایرانی و عراقی علما بھی "از امیر المومنین علی علیہ السلام منقول است" کہتے ہوئے عبادت خانہ میں داخل ہوئے انہوں نے یہ اعلان کیا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر عمر نے متعہ کو حرام نہ کیا ہوتا تو شقی کے سوا کوئی زنا نہ کرتا۔[۴۲] یہاں کس بات کی دیر تھی، بادشاہ نے علماء کا ایک کمیشن متعہ پر ریسرچ کرنے کے لئے مقرر کیا۔ اس کمیشن نے یہ رپورٹ حضور میں گذرانی کہ شیعوں کے علاوہ امام اہلِ سُنّت، مالک بن انسؒ نے بھی متعہ کو جائز قرار دیا ہے اور مالکی قاضی اس کے جواز کا فتویٰ دے کر اس پر عمل درآمد کرنے کا مجاز ہے۔ بادشاہ نے مسلمانوں کو زنا سے بچانے کی خاطر حنفی قاضی کو معزول کر کے اس کی جگہ مالکی قاضی حسین عرب کو دار الحکومت میں منصبِ قضا پر فائز کر دیا۔[۴۳]

---

[۴۰] ایضاً۔ ص ۲۰۸ [۴۱] چہار مقالہ، ص ۴۰ - ۴۱

[۴۲] یہ زبان سرکار قبلہ ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب مدظلہ کی ہے میں نے ان کی کتاب عقائد الشیعہ سے مستعار لی ہے۔ عقائد الشیعہ، ص ۸۹

[۴۳] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۰۹

بدایونی رقمطراز ہے کہ بحث و مناظرہ کے دوران اگر ایک عالم ایک فعل کو حرام بتاتا تو دوسرا فوراً اس کی حلّت کا جواز نکال لیتا تھا[۱۴۴]۔ حاجی ابراہیم سرہندی نے مردوں کے لئے سرخ رنگ کا لباس پہننے کا جواز تلاش کیا تو سید محمد میر عدل نے بادشاہ کی موجودگی میں اسے برا بھلا کہا اور اُسے گالیاں دیتے ہوئے عصا مارنے پر آمادہ ہو گئے[۱۴۵]۔ بادشاہ نے سید محمد میر عدل جیسے متقی اور راسخ العقیدہ علما کو دوسرے شہروں میں تبدیل کر کے ابو الفضل اور حکیم ابو الفتح جیسے فتنہ پردازوں کے لئے میدان خالی کروا دیا۔ بدایونی کا کہنا ہے کہ شاہ فتح اللہ، ابو الفضل اور حکیم ابو الفتح عبادت خانہ کے مباحثوں میں بڑے منہ پھٹ ثابت ہوئے تھے[۱۴۶]۔ ابو الفضل کے سامنے اگر کوئی عالم امام قفال الشاشیؒ، امام باقلانیؒ، شمس الائمہ حلوائیؒ، امام غزالیؒ، امام الجصاصؒ یا امام قدوریؒ کا قول پیش کرتا تو وہ بادشاہ کو مخاطب کر کے کہتا کہ لو اور سنو! یہ ہمارے مقابلہ میں حلوائیوں، کنجڑوں، موچیوں اور قفل سازوں کے اقوال بطور حجت پیش کرتا ہے[۱۴۷]۔ ہندوستان میں پیشہ وروں کی جو حالت زار ہمیشہ سے چلی آئی ہے بادشاہ

[۱۴۴] ایضاً، ص ۲۵۹ "یکے فعلی را حرام میگفت و دیگرے بحیلہ ہمان را حلال می ساخت"۔ بدایونی نے عبادت خانہ کے مباحثوں میں حصہ لینے والے علما کی تعداد سو کے قریب بتائی ہے مثل مشہور ہے "دو ملاؤں میں مرغی حرام"، جہاں سو کے قریب ملا جمع ہوتے ہوں گے وہاں کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا۔

[۱۴۵] ایضاً، ص ۲۱۱ "در مجالس پادشاہی او را بدبخت ملعون گفتہ و دشنامہا دادہ عصا برائے زدن برداشتند"۔ [۱۴۶] ایضاً، ص ۲۷۸۔

[۱۴۷] ایضاً، ص ۲۰۰، "اگر در حین بحث سخن مجتہدان رامی آوردند میگفت کہ سخن فلان حلوائی و فلان کفش دوز و فلان چرم گر بر ما حجت می آرید و نفی ہمہ مشائخ و علما بد و سازوار آمد"۔

اس پر ان کو قیاس کر کے آئمہ سے متنفر ہو گیا۔

بدایونی لکھتا ہے کہ اکبر اپنے عہد کے علما کو غزالیؒ اور رازیؒ کا ہم پلہ سمجھے ہوئے تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس دور کے غزالی اور رازی نے فریضہ حج اور زکوٰۃ کی ادائگی سے بچنے کے لئے حیلے تلاش کر لئے ہیں اور اس عہد کے سرخسی اور بیہقی حزم کو خرم اور عصاۃ کو قضاۃ پڑھتے ہیں تو وہ سلف کو خلف پر قیاس کر کے سلف کا بھی منکر ہو گیا[۱۴۸]۔

ابو الفضل ان آئمہ کے مقلدوں کو بھرے دربار میں گرفتار زندان تقلید کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا[۱۴۹]۔ ابو الفضل اور اس کے حواریوں نے تقلید کے خلاف بادشاہ کے جذبات برانگیختہ کر کے اُسے تقلید کی بندشوں سے آزاد کر دیا اور اس نے عبادت خانہ کے دروازے ہر مکتبِ فکر اور ہر مذہب کے پیروؤں کے لئے کھول دیئے۔

اذنِ عام ملتے ہی ایران کا ایک شیعہ عالم ملّا محمد یزدی، جو عوام میں یزیدی کے نام سے متعارف تھا، دربار میں آنے جانے لگا[۱۵۰]۔ ایک دن بحث کے دوران جب اس کی زبان کھلی تو اس نے

طعن صریح و ناسزای قبیح بر خلفائے ثلثہ گفتہ و تکفیر و تفسیق عامۂ صحابہ کبار و تابعین و تبع تابعین و سلف و	خلفائے ثلاثہ کو مطعون کرنا اور برا بھلا کہنا شروع کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے صحابۂ کبار، تابعین، تبع تابعین، اور

[۱۴۸] ایضاً، ص ۲۵۹ "از علمائے عہد خویش ہر کدام را باعتبار جاہ و عظمت بہتر از امام غزالی و رازی تصور نمودہ بود و ندرکاکتہای ایشان را دیدہ قیاس غائب بہ شاہد کردہ سلف را نیز منکر شدند"۔ [۱۴۹] مہابھارت، ص ۳۵۔

[۱۵۰] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۵۹۔

خلف صالحین از متقدمین و متاخرین رضی اللہ عنہم کردہ اہل سنت و جماعت را محقر و مہان در نظر نمودن گرفت و غیر از مذہب شیعہ ہمہ را ضال و مضل دانانید۔[51]

اگلے پچھلے صالحین رضی اللہ عنہم کو کافر اور فاسق کہہ کر اہل سنت والجماعت کو بادشاہ کی نظروں میں حقیر و ذلیل بنا دیا، اور اس نے یہ بات بادشاہ کے ذہن میں بٹھا دی کہ شیعہ کے علاوہ دوسرے فرقے گمراہ ہیں۔

بدایونی کا بیان ہے کہ وہ بادشاہ کو بڑی عجیب وغریب حکایات سنایا کرتا تھا۔ اس کی اور اس کے ساتھیوں کی باتیں سُن سُن کر بادشاہ اسلاف سے بیزار ہونے کے علاوہ وحی، نبوت اور معجزات کا بھی منکر ہو گیا اور اس نے احکام شریعت کو تقلیدیات۔ کا نام دیکر عقل کو دین کا مدار قرار دیا۔[52]

عبادت خانہ میں مباحثوں کا یہ رنگ دیکھ کر بیربر جیسے "دریدہ دہن نابکار" نے بھی پر پرُزے نکالے اور وہ بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی شعارِ اسلام کا مذاق اڑانے لگا۔[53] دیپ چند منجھولہ بھی ایک روز عبادت خانہ میں جا نکلا اور وہاں آتے ہی اس نے یہ اعلان کیا کہ "اگر گاؤ نزد حق تعالیٰ معظم نبودی در اول سورۂ قرآنی چرا مذکور شدی"[54] اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اُسے "ماتا" کہہ کر اس کے قدموں میں جنت تلاش کریں۔

---

[51] ایضاً۔ [52] ایضاً، ص ۲۱۱

[53] ایضاً، ص ۲۷۴۔ ایک دن اس کی طنز سن کر شہباز خان کنبوہؒ سے نہ رہا گیا، اس نے بادشاہ کی موجودگی میں بیربر سے کہا "اے کافر ملعون حالا تو ہم این چنین سخنان میگوئی"۔ بادشاہ شہباز خان سے ناراض ہو کر کہنے لگا میرا جی چاہتا ہے کہ تمہارے منہ پر نجاست آلود جوتے لگواؤں۔

[54] ایضاً، ص ۲۱۱

جب مناظروں میں مسائل و دلائل کی جگہ۔ کج بحثی اور ٹھٹھہ مذاق نے لے لی تو اکثر راسخ العقیدہ علماء و مشائخؒ نے عبادت خانہ میں جانا چھوڑ دیا۔ شیخ سلیم چشتیؒ کے صاحبزادے مولانا بدرالدینؒ نے دارالحکومت سے گجرات کی راہ لی اور ایک روز چپکے سے جہاز میں بیٹھ کر جدّہ روانہ ہو گئے اور بقیہ عمر حرم میں گذاری[55]۔ مولانا منا ظر احسن گیلانیؒ کے الفاظ ہیں، وہ کعبہ کی دیوار کے نیچے کعبہ والے کی امانت بغیر کسی خیانت کے سپرد کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔[56] اکبر نے ناراض ہو کر اکثر و بیشتر علماء کو دور دراز علاقوں میں بھیج دیا۔ ان کے عبادت خانہ سے نکلتے ہی میدان خالی دیکھ کر پہلے شیعہ، ان کے بعد ہندو، پارسی اور جینی وہاں آدھمکے۔ پرتگیز بھلا کب پیچھے رہنے والے تھے، وہ بھی انجیل مقدس لے کر دربار میں آپہنچے اور انہوں نے بچے کھچے علماء کو دعوتِ مناظرہ دی۔ علماء میں اب اس قابل کوئی نہ تھا جو ان سے مناظرہ کرتا اور ان کے اعتراضات کے مسکت جواب دیتا۔ علماء کو بے بس دیکھ کر شیخ قطب جلیسری نام کے ایک مجذوب الحال درویش مستانہ نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑھے اور پادریوں کو مباہلہ کی دعوت دی۔[57] اکبر نے موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے پادریوں سے کچھ دیر تبادلہ خیال کیا، اور ان پر بعض بڑے کڑے سوال کئے۔ اس طرح بادشاہ نے مباہلہ کی نوبت ہی نہ آنے دی۔

بادشاہ نام نہاد علماء سے پہلے ہی نالاں تھا اب پادریوں کے مقابلہ میں ان کی بے بسی دیکھ کر اس نے علماء کی اکثریت کو قندھار بھیج دیا اور وہاں کے حاکم کو لکھ دیا کہ وہ قندھار کے نخاس میں ان کا تبادلہ گھوڑوں سے کر کے وہ گھوڑے حضور میں بھیج دے۔[58]

---

[55] ایضاً، ص ۲۱۲ [56] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ص ۹۲۔ [57] منتخب التواریخ۔ جلد ۲، ص ۲۹۹۔ [58] ایضاً "و اکثرے را بقندھار فرستادہ اسپان طلبیدند"

اکبر علماء کے اثر سے آزاد ہونا چاہتا تھا، اس نے کچھ علماء کو اس طرح ٹھکانے لگا دیئے اور بقیہ کے اختیارات محضر نامہ کی رو سے سلب کر لیئے۔ حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانیؒ کے خیال میں جاہ طلب علماء بادشاہ کو گمراہی کے راستے پر ڈالنے کے ذمہ دار ہیں۔ آپ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

والحق درین زمان ہر سستی و مداہنتی کہ در امور شرعیہ واقع شدہ است و ہر فتوری کہ در ترویج ملّت و دین ظاہر گشتہ است ہمہ از شومیٔ علمائے سُوٗ ست و فساد نیات الیشان۔[۵۹]	حق تو یہ ہے کہ اس زمانے میں جتنی ڈھیل اور کمزوری شرعی امور میں نظر آتی ہے اور جو فتور ترویج دین اور ملت کے معاملات میں نظر آتا ہے یہ سب دنیادار علماء کی بدبختی اور نیت کی خرابی کا ثمرہ ہے۔

ان کے یہودلیوں جیسے حیلے اور طلب جاہ خود ان کے لئے اور ان کی وجہ سے اسلام کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ انہیں لصوصِ دین کے لقب سے یاد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

معلوم شریف است کہ در قرن سابق ہر فساد یکہ پیدا شد از شومیٔ علمائے سُوٗ بظہور آمدہ۔ علمائے سُوٗ لصوصِ دین اند — مطلب الیشان حبِ جاہ و ریاست، و منزلت نزد خلق است۔[۶۰]	آنجناب کو معلوم ہے کہ گذشتہ دور میں جتنے بھی فتنے پیدا ہوئے ہیں وہ دنیا دار علماء کی بدبختی کی بنا پر ظہور میں آئے ہیں۔ ان کا واحد مقصد طلب جاہ و ریاست اور عوام کی نظروں میں قدر و منزلت ہے۔[۶۰]

---

۵۹ مکتوبات امام ربّانی، جلد اوّل، مکتوب ۴۳،   ۶۰ ایضاً

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ علمائے سُوٗ کے اختلافات نے اُمت کو ایک مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ آپ کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"در قرنِ سابق اختلاف علماء عالم را در بلا انداخت"۔[۶۱]

بدایونی نے بھی اکبر کی بے راہ روی کی تمام ذمہ داری شیخ عبد النبی اور مخدوم الملک عبد اللہ سلطانپوری کے سر ڈالی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ان کے افعال و کردار سے متاثر ہو کر بادشاہ نے بے راہ روی اختیار کی ہے۔[۶۲]

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مرشد زادے خواجہ عبید اللہ المعروف بخواجہ کلاںؒ رقمطراز ہیں کہ اسلام میں جتنے رخنے بھی پیدا ہوئے ہیں وہ دہریوں طبعیوں اسماعیلیوں اور مباحیوں کے پیدا کردہ ہیں۔[۶۳] ان فتنہ پردازوں کے نام گنواتے ہوئے خدا جانے وہ علمائے سُوٗ کو کیوں فراموش کر گئے ہیں، ورنہ ان کا کارنامہ دہریوں، طبیعیوں، اسماعیلیوں اور مباحیوں سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔

---

۶۱ ایضاً۔ مکتوب ۵۳۔ ۶۲ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۶۷ "شیخ عبد النبی و مخدوم الملک را کہ بایکدیگر درافتادہ باعث بی اعتقادی از سلف و خلف و موجب انحراف از دین قویم شدہ بودند"

۶۳ مبلغ الرجال، ورق ۱۳۷ الف

صوفیائے خام

علماء سے متنفر ہو کر اکبر صوفیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ بد قسمتی سے اس زمانے میں ہندوستان روحانی طور پر دیوالیہ ہو چکا تھا اور ملک بھر میں ایسا کوئی بزرگ نہ تھا جو عوام کی صحیح رہنمائی کر سکتا۔ گنتی کے جو چند بزرگ ان دنوں حیات تھے وہ وحدت الوجود کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ان کا بیشتر وقت سکر کی حالت میں گذرتا تھا۔ علامہ اقبال مرحوم نے نظریۂ وحدت الوجود کو مسلمانوں کے لئے سمّ قاتل قرار دیتے ہوئے اُسے اُمتِ مرحومہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب بتایا ہے۔ شومئی قسمت سے اکبر کے عہد میں وحدت الوجود کا دور دورہ تھا اور صوفیہ اس نظریہ کا جا بجا پرچار کرتے پھرتے تھے۔

بدایونی رقمطراز ہے کہ شیخ امان اللہ پانی پتی اس دور کے صوفیوں میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ انہوں نے وحدت الوجود کے موضوع پر کئی کتابیں تحریر کی تھیں اور اسی وجہ سے وہ عوام میں "ابن عربی ثانی" کے لقب سے مشہور تھے۔[۱] شیخ عبدالحق محدثؒ ان کے متعلق لکھتے ہیں۔

۱؎ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۵۸ " در علم توحید ثانی شیخ ابن عربی بود"

وی از علمائے صوفیہ موحدہ است از تابعان ابن عربی قدس سرہٗ در علم این طائفہ مرتبہ بلند داشت و در تقریر مسئلہ توحید بیانی شافی و تقریری وافی و سخن توحید را فاش گفتے و فرمودے اگر پایۂ انصاف در میان باشد ازین علم را بر منبر توان گفت[۲]

آپ وحدت الوجودی صوفیہ میں عالم مانے جاتے ہیں اور ابن عربی قدس سرہٗ کے پیرو ہیں وہ وحدت الوجودی صوفیہ میں علم کے اعتبار سے بڑا بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ وہ مسئلہ توحید میں کافی مؤثر تقریر کے ماہر تھے اور توحید کے مسائل صاف صاف بیان کیا کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ آج اگر عدل و انصاف کا دور دورہ ہوتا تو یہ مسائل منبر پر چڑھ کر بیان کئے جاتے۔

مغلیہ عہد کے مؤرخین ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ اُٹھتے بیٹھتے وحدت الوجود کے موضوع پر ہی گفتگو کیا کرتے تھے۔ شیخ محدثؒ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ شیخ امان اللہ کا تعلق ملامتیہ سلسلہ سے تھا۔[۳] اس سلسلہ کے فقراء عموماً قیود شرعیت سے آزاد ہوتے ہیں، یہی وجہ تھی کہ شیخ موصوف نماز کے معاملہ میں تساہل برتتے تھے۔[۴] ان کی صحبت میں جو لوگ بیٹھتے تھے ان میں مجذوب اور دیوانے بھی شامل ہوتے تھے۔[۵] ہر چند شیخ موصوف کا انتقال اکبر کی تخت نشینی سے چھ سال قبل ہو چکا تھا، لیکن ہنوز ان کے درس کی صدائے بازگشت ہندوستان کی فضا میں گونج رہی تھی۔ ع

یک بار نالہ کردہ ام از درد اشتیاق
از شش جہت ہنوز صدا میتوان شنید

۲؎ اخبار الاخیار، ص ۲۴۱ ۳؎ ایضاً " او در تصوف مشرب ملامتیہ داشت "

۴؎ ایضاً، ص ۲۴۲ " از وی گاہ گاہی فرض نماز فوت شد "

۵؎ ایضاً۔

شیخ امان اللہ پانی پتی کے تلمیذ الرشید شیخ تاج الدین کا نام ہندوستان میں صوفیوں کے حلقوں میں بڑے احترام کے ساتھ لیا جاتا تھا۔ ان کے حواری انہیں تاج العارفین کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ بدایونی لکھتا ہے کہ ان کی شاہی محل میں بھی آمدورفت تھی اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اکبر رات، کو فرصت کے وقت انہیں خلوت میں بلا کر ان سے مسائل تصوّف پر گفتگو کیا کرتا تھا۔ تاج العارفین اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بادشاہ کو صوفیہ کی شطحیات سناتے اور ملامتیہ طریقہ کے صوفیوں کے حالات ومقامات سے بھی آگاہ کرتے رہتے تھے۔[۵۶] بدقسمتی سے تاج العارفین کا تعلق صوفیہ کے اس گروہ سے تھا جو تکمیل سلوک کے بعد شریعت کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے۔ بدایونی کا کہنا ہے کہ شیخ موصوف شریعت کی قیود سے آزاد تھے اور وہ ایسی ڈگر پر چل نکلے تھے جو ایک سالک کو اباحت اور الحاد تک پہنچا دیتی ہے۔[۵۷]

تاج العارفین کا یہ عقیدہ تھا کہ فرعون دنیا سے باایمان رخصت ہوا تھا۔ وہ اپنے اس عقیدہ کا اظہار برملا کرتے رہتے تھے کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں رہیں گے اور وہ اپنے کئے کی سزا بھگت کر بالآخر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔[۵۸] بدایونی کا بیان ہے کہ وہ بادشاہ کے سامنے قرآن پاک کی تفسیر وحدت الوجود کے رنگ میں کیا کرتے تھے۔ ان کی باتیں سن سن کر بادشاہ کے ذہن میں انتشار پیدا ہوا اور اس نے شریعت کے احکام ساقط کر دیئے۔[۵۹] تاج العارفین ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اکبر کو "عین واجب لاانقل عکس واجب"

۵۶ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۵۰
۵۷ ایضاً "مقدمات وحدت الوجود کہ متصوفہ مبطلہ دارند و عاقبت منجر باباحت و الحاد میشود درمیان آورد۔" ۵۸ ایضاً ۵۹ ایضاً۔

قرار دیتے ہوئے اس کے لئے سجدۂ تعظیمی کا جواز نکالا تھا۔[۶۰] بدقسمتی سے تاج العارفین کا تعلق صوفیہ کے اس گروہ سے تھا جو لاموجود الا اللہ کے نعرے بلند کیا کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ جب اللہ کے علاوہ اور کوئی شے موجود ہی نہیں ہے تو پھر جو کچھ بھی ہمیں نظر آتا ہے وہ اللہ ہی تو ہے۔ لہٰذا جب تاج العارفین اکبر کو دیکھتے تھے تو انہیں اللہ ہی نظر آتا تھا۔ ان کے نزدیک اس صورت میں اکبر کو سجدہ غیر اللہ کو سجدہ نہ تھا۔

تاج العارفین اور ان کے پیر و مرشد شیخ امان اللہ پانی پتی جیسے صوفیہ نے جو شریعت کی قیود سے آزاد اور ملامتیہ طریقہ کے پیرو تھے، اکبر کے عہدِ حکومت میں اسلام کو ضعف پہنچانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں کہ "اکثر جہلائے صوفی نمای این زمانہ حکم علمائے سُود دارند، فساد این ہا نیز فساد متعدی است"۔[۶۱]

شیخ امان اللہ پانی پتی کی طرح شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ بھی اپنے عہد میں وحدت الوجودی صوفیوں کے سرخیل تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی مسجد میں نظریۂ وحدت الوجود پر درس دیا تو درس کے اختتام پر ان کے بیٹوں نے ان کے عقائد پر نہ صرف یہ کہ اعتراضات کئے بلکہ ان کے عقائد سے بیزاری کا اظہار بھی کیا۔ اس پر شیخ عبدالقدوسؒ بڑے ناراض ہوئے اور ناراضگی کے عالم میں آپ نے فرمایا "میں ایسے شہر میں رہنے کے لئے تیار نہیں جہاں کے باشندے وحدت الوجود پر ایمان نہ رکھتے ہوں"۔[۶۲] شیخ موصوف کے فرزند ارجمند شیخ رکن الدینؒ

۶۰ ایضاً، ص ۲۵۹، ۶۱ مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب ۴۷
۶۲ لطائف قدوسی، ص ۵۹۔

کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد شیخ بزرگ نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا ترک کر دی اور جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا "میرا دین اور ہے اور تمہارا دین اور۔"[۱۳]

ایک بار شیخ عبدالقدوسؒ کے مرید شیخ جلال الدین تھانیسریؒ ان سے ملنے آئے جب آپ نے انہیں دور سے آتے دیکھا تو فرمایا:[۱۴]

ہمانجا باش! وبگو کہ چہ دین داری وچہ مشرب داری؟	وہیں ٹھہرو! پہلے یہ تو بتاؤ کہ تمہارا دین اور مشرب کیا ہے؟

جب انہوں نے بتایا کہ ان کا بھی وہی دین اور مشرب ہے جو شیخ کا ہے تو آپ نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور ان سے گلے ملے۔

شیخ عبدالحق محدثؒ شیخ عبدالقدوسؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ "صاحب علم وعمل وذوق وحالت وحلاوت ووجد وسماع" تھے۔[۱۵] آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدینؒ لطائف قدوسی میں رقمطراز ہیں کہ ہمارے والد ماجد اپنی شادی میں عورتوں کی زبان سے ایک ہندی دوہڑا سن کر وجد کے عالم میں آگئے اور انہوں نے اپنا جامہ عروسی چاک کر ڈالا۔[۱۶] لطائف قدوسی کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شیخ عبدالقدوسؒ اکثر سُکر کی حالت میں رہتے تھے اور اس حالت میں اگر انہیں سماع سننے کا اتفاق ہوتا تو وہ وجد میں آکر رقص کرنے لگتے۔ آپ کی نشست وبرخاست کے لئے آپ کے صاحبزادوں نے گھر کے صحن میں ایک چھپر ڈال دیا تھا۔ آپ جب کبھی وجد میں آکر رقص کرتے تو اس چھپر کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے اور آپ کے صاحبزادے اس کی مرمت کرتے کرتے عاجز آ گئے تھے۔[۱۷]

۱۳ ایضاً، ص ۶۰ ۔ ۱۴ ایضاً ۔ ۱۵ اخبار الاخیار، ص ۲۸۵ ،
۱۶ لطائف قدوسی، ص ۱۲۰ ۔ ۱۷ ایضاً، ص ۳۲

ان امثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس دور کے تمام صوفیہ وحدت الوجود کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ان کا اکثر و بیشتر وقت سُکر کی حالت میں گذرتا تھا۔ نیز وہ اُٹھتے بیٹھتے وحدت الوجود کے نظریہ کا پرچار کرتے رہتے تھے۔ شیخ امان اللہ پانی پتی کی طرح شیخ عبدالقدوسؒ کا انتقال بھی اکبر کی تخت نشینی سے پہلے ہو چکا تھا، لیکن ہندوستان کے طول وعرض میں ان کے خلفاء ان کے مشن کی تکمیل میں لگے ہوئے تھے۔ اخبار الاخیار کی روایت کے مطابق ان کے خلیفۂ اعظم شیخ جلال الدین تھانیسریؒ کا بھی اکثر وقت حال وقال کی محفلوں میں گذرتا تھا۔ شیخ عبدالحق محدثؒ ان کے متعلق لکھتے ہیں: "از اول عمر تا آخر بطاعت وعبادت ودرس ووعظ وذکر وسماع وحالت گذرانید"[۱۸]

ڈاکٹر یوسف حسین رقمطراز ہیں کہ اکبر کے زمانے میں وحدت الوجود کا نظریہ ہندوستان میں عام ہو چکا تھا اور صوفیہ پر صحو کی بجائے سُکر غالب آگیا تھا۔[۱۹] ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اکبر کے دینِ الٰہی کا اس نظریہ سے قریبی تعلق تھا۔[۲۰] ڈاکٹر تارا چند فرماتے ہیں کہ اس نظریہ کو قبول کرنے سے اکبر پر یہ بات عیاں ہو گئی تھی کہ خدا کی پرستش کے بہت سے طریقے ہیں اور یہ کہ تمام مذاہب مبنی برحقیقت ہیں۔ جو لوگ اس نظریہ پر ایمان رکھتے ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ جب تمام موجودات مظاہر الٰہی ہیں تو بچھڑے اور ستارے کی صورت میں بھی خدا ہی کی پرستش ہو گی۔ اس عقیدے کو جزو ایمان بنانے کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ دیگر مذاہب کے پیروؤں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم ہوں گے اور انسان میں برداشت کا مادہ پیدا ہو جائے گا۔[۲۱]

۱۸ اخبار الاخیار، ص ۲۸۵ ۔ ۱۹ گلیمپسز آف دی مڈیول انڈین کلچر، ص ۵۷،
۲۰ ایضاً۔ ۲۱ دی انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر، ص ۵۷

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ ہندوستان اس عہد میں روحانی طور پر دیوالیہ ہو چکا تھا اور اس وقت ملک بھر میں کوئی مرد خدا اس قابل نہ تھا کہ وہ عوام کی رہنمائی کر سکتا۔ شیخ سماء الدین سہروردیؒ اور شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ عوام الناس میں زیادہ مقبول نہ ہو سکے۔ شیخ محمد غوث گوالیاریؒ نے ایک کروڑ دام (سالانہ آمدنی کی جاگیر قبول کر کے بقیہ عمر نغمہ و سرود کی سرپرستی میں بسر کر دی (البتہ ان کے خلفاء دارالحکومت سے دور گجرات کے ساحلی علاقوں میں عوام کی رشد و ہدایت میں مشغول رہے) شیخ سلیم چشتیؒ کا شہرہ سرکاری حلقوں سے باہر نہ نکل سکا اور وہ "شیخ حکماء و شیخ حکام" ہی بنے رہے[۲۲]۔ ان کے صاحبزادے شیخ بدرالدینؒ اکبر کی مذہبی حکمت عملی سے بیزار ہو کر ہندوستان سے ہجرت کر گئے[۲۳]۔ اس قحط الرجال کے زمانے میں ملامتیہ سلسلہ کے مجاذیب کا ایک گروہ میدان میں نکل آیا۔ بدقسمتی سے یہ مجذوب شریعت کی قید سے آزاد تھے اور ان کی آزاد مشربی اور خلافِ شریعت حرکات دیکھ کر عوام بھی آزاد مشرب اور بے شرع ہو گئے۔ اکبر کے دور حکومت میں مجاذیب، وجود ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے عہد کا معاشرہ غیر صحت مند تھا، کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صحت مند معاشرہ میں مجاذیب کا وجود نہیں ہوتا۔

تاریخ شاہی اور مخزن افغانی کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے، کہ اکبر کے عہد حکومت میں صحو پر سکر غالب آ گیا تھا اور ملک میں مجاذیب کی بھرمار تھی۔ نعمت اللہ ہروی نے ایسے بے شمار مجذوبوں کے نام گنوائے ہیں جو اس عہد میں ملک کے طول و عرض میں بے اولادوں کو اولاد اور نامرادوں کو مرادیں دیتے

۲۲ منتخب التواریخ۔ جلد ۲، ص ۱۳۶ ۲۳ ایضاً، ص

پھرتے تھے۔ ان مجاذیب میں سے میاں قاسم خلیل، شیخ علی سرمست، شیخ حمزہ، شیخ جمال کاکر، علی مجذوب، شاہ محمد، شیخ منگی، شیخ دلو شروانی اور شیخ عارف قابل ذکر ہیں[۲۴]۔ مفتی محمد سرور نے شاہ حسین لاہوری کا شمار بھی مجاذیب میں ہی کیا ہے[۲۵]۔ اس کے علاوہ شیخ عبدالحق محدثؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف اخبار الاخیار کے خاتمہ پر کئی مجذوبوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک مجذوب علاؤالدین سامانہ کے رہنے والے تھے۔ گو ان کا انتقال اکبر کی تخت نشینی سے پہلے ہو چکا تھا تاہم ان کے قصے سامانہ کے لوگوں کی زبانوں پر تھے[۲۶]۔ شیخ محدثؒ نے ایک اور مجذوب شیخ حسن کا ذکر بڑے احترام کے ساتھ کیا ہے، یہ بزرگ سلطان سکندر لودھی پر عاشق ہو گئے تھے[۲۷]۔ شیخ حسن بودلہ نام کے ایک مجذوب دہلی میں رہتے تھے اور وہ شہر کے گلی کوچوں میں اکثر برہنہ حالت میں گھوما کرتے تھے۔ ان کو خیر سے سماع کے ساتھ بھی انس تھا[۲۸]۔ اسی طرح دہلی میں شیخ عبداللہ ابدال نام کے ایک مجذوب رہتے تھے جو رشتہ میں صاحب اخبار الاخیار کے دادا کے بھانجے ہوتے تھے۔ یہ بزرگ دہلی کے بازاروں میں ہندی دوہڑے گا کر رقص کا مظاہرہ کیا کرتے تھے[۲۹]، میاں مو نگرہ بھی اس عہد کے مجاذیب میں بڑا اونچا مقام رکھتے تھے، شیخ محدثؒ کا کہنا ہے کہ وہ جذبۂ قوی رکھتے تھے[۳۰]۔ بابا کپور مجذوب کالپی کے رہنے والے تھے لیکن بعد میں انہوں نے گوالیار میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ اکثر استغراق کے عالم میں رہتے تھے اور کبھی کبھی بابا طاہر عریاں کی سنت پر بھی عمل

۲۶ اخبار الاخیار، ص ۲۸۸

۲۷ ایضاً، ص ۲۸۹ " باسلطان سکندر لودھی عشق می باخت "

۲۸ ایضاً، ص ۲۹۰ ۲۹ ایضاً

۳۰ ایضاً، ص ۲۹۱

کر لیتے تھے۔[۳۱] اجمیر میں باین نامی ایک مجذوب کا سکہ چلتا تھا اور نارنول کی گلیوں میں الہ دین مجذوب ہُو حق کے نعرے لگاتے پھرتے تھے۔[۳۲] مانڈو میں شاہ منصور مجذوب "صاحبِ کشفِ جلی و تصرفِ باطن" مانے جاتے تھے۔[۳۳] سوبھن نام کے ایک مجذوب کے متعلق شیخ محدثؒ لکھتے ہیں کہ وہ اکثر چونے کے ڈھیروں میں لوٹتے رہتے تھے اور جب بھوک ستاتی تو مٹھیاں بھر بھر کر چونا کھانے لگتے۔ اس بزرگ کے متعلق روایت ہے کہ وہ ایک ہی سانس میں بھری ہوئی مشک پی لیتے تھے۔[۳۴] لاہور میں شیخ یوسف نام کے ایک مجذوب رہتے تھے، جنھیں عوام "صاحبِ کشفِ جلی و اشراقِ باطن" سمجھتے تھے۔[۳۵]

ملا نظام الدین احمد نے فتح پور کے ایک مجذوب سید صالح کا ذکر طبقاتِ اکبری میں کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ یہ بزرگ "خالی از جذبہ نبود"۔[۳۶] اسی طرح شیخ ماکھو نام کے ایک مجذوب آگرہ میں رہائش پذیر تھے اور وہ بڑی عجیب و غریب باتیں کیا کرتے تھے۔[۳۷] ان کے علاوہ آگرہ میں تین اور مجذوب، شیخ منورؒ، شیخ علاؤ الدین اور شیخ حسین بھی عوام کی توجہ کے مرکز تھے۔[۳۸] الور میں سید مبارک نام کے ایک مجذوب کا سکہ چلتا تھا[۳۹] اور گوالیار میں ان کے ایک ہم نام مجذوب صاحبِ باطن مانے جاتے تھے۔[۴۰] گڈھ مکیتسر میں سید احمد عبید روسی اور شیخ اللہ بخش نام کے دو مجذوب رہتے تھے۔[۴۱] سندھ میں لائے نامی ایک مجذوب کے کشف و کرامت کا بڑا شہرہ تھا۔[۴۲]

---

[۳۴] ایضاً، ص ۲۹۴ [۳۵] ایضاً۔ [۳۶] طبقاتِ اکبری، ص ۲۹۴۔

[۳۷] ایضاً [۳۸] ایضاً، ص ۳۹۴، ۳۹۵

[۳۹] ایضاً، ص ۳۹۴ [۴۰] ایضاً،

[۴۱] ایضاً۔ [۴۲] ایضاً، ص ۳۹۵

یہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ عوام جن مجاذیب کو قطب اور غوث سمجھتے تھے ان کی اکثریت عشقِ مجازی میں گرفتار تھی۔ تاریخ شاہی کے مصنف نے ان کے عشق کی داستانیں بڑے مزے لے لے کر بیان کی ہیں۔ شاہ حسین لاہوری اور مادھو کا عاشق اس مقام تک پہنچا ہوا تھا کہ وہ ایک جان دو قالب کے بجائے یک جان و یک نام بنے ہوئے ہیں۔[۴۳] شیخ حسن مجذوب سلطان سکندر لودھی کی محبت کا دم بھرتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی عوام بھی گمراہ ہونے لگے۔ اکبر کا درباری امیر خانِ زمان شاہم بیگ نامی ایک نوجوان پہ عاشق ہو گیا تھا۔[۴۴] ہمایوں کے منہ بولے بیٹے شاہ ابوالمعالی کے بھائی خانزادہ کو بدایونی نے جو کیریکٹر سرٹیفکیٹ دیا ہے اس میں "شاہ لوندان" کا لقب قابلِ غور ہے۔[۴۵] کالپی کے ایک سید زادے موسیٰ کو ایک ہندو سناری سے عشق ہو گیا تھا، بدایونی نے ان کے عشق کی داستان سات صفحات میں تفصیل کے ساتھ پیش کی ہے۔[۴۶] اسی طرح شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کے ایک قریبی عزیز ایک مطربہ پہ فریفتہ ہو گئے تھے۔ جب ان کے احباب نے انہیں لعنت ملامت کی تو انھوں نے اپنے پیٹ میں خنجر گھونپ کر خود کشی کر لی۔[۴۷] حاجی ابراہیم سرہندی جیسے عالمِ دین کو اپنے حرم میں عورتیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔[۴۸] ملا عبدالقادر بدایونی جو خود کو "امام اکبر شاہ" کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے، شادی شدہ ہونے کے باوجود مکن پور میں ایک لڑکی پہ عاشق ہو گئے تھے۔ اس نیک بخت کے لواحقین کو جب اس بات کا علم ہوا کہ ان کی دخترِ نیک اختر ایک ملّا سے

---

[۴۳] لاہور میں شاہ حسین کو عوام مادھو لال حسین کے نام سے پکارتے ہیں۔

[۴۴] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۰

[۴۵] ایضاً، ص ۵۸ "برادرش خانزادہ نامی کہ او را شاہ لوندان نیز میگفتند۔۔۔"

[۴۶] ایضاً، ص ۱۱۰ - ۱۱۷ [۴۷] ایضاً، ص ۱۱۹ - ۱۲۰

[۴۸] ایضاً، ص ۳۱۲ — "زنان بسیار نگاہداشتہ۔"

عشق فرما رہی ہے تو وہ ملّا صاحب کو قتل کرنے کے ارادہ سے مسلح ہو کر آگئے۔ اُنھوں نے ملّا صاحب کے جسمِ ناتواں پر نو زخم لگائے، یہ بڑے سخت جان تھے جو بچ نکلے، ورنہ ان اشقیائے نے اپنی طرف سے انہیں شہید کرنے میں کوئی کسر باقی نہ اُٹھا رکھی تھی[۴۹]۔ ہم اور کہاں تک تفصیل میں جائیں، بس یہی سمجھ لیجئے کہ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا۔

اکبر اگرچہ علمائے سے بدظن ہو چکا تھا لیکن صوفیہ پر وہ بڑا حسن ظن رکھتا تھا۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ طبقہ تو ہمیشہ یادِ حق ہی میں مشغول رہتا ہے اور ماسوا کا تصور ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتا۔ اس کے اس حُسنِ ظن سے فائدہ اُٹھانے کی غرض سے چند نام نہاد اور پیشہ ور پیروں نے فتح پور سیکری آکر "دکانِ تصوّف" آراستہ کرلی[۵۰]۔

سب سے پہلے شیخ عبدالعزیز کے خلیفۂ اعظم شیخ جانیلدہ فتح پور سیکری پہنچے اور اُنھوں نے عبادت خانہ میں نمازِ معکوس شروع کردی۔ انہیں پیشینگوئیاں کرنے کا بڑا شوق تھا اور جب اُنھیں یہ خبر ہوتی کہ بادشاہ کی فلاں حرم اُمید سے ہے تو وہ یہ اعلان کر دیتے کہ اُسے لڑکا پیدا ہوگا۔ لیکن ہر بار ان کی پیشینگوئی جھوٹ ثابت ہوتی[۵۱]۔ شیخ کی ان پیشینگوئیوں نے بادشاہ کے اعتقادات کو بہت ٹھیس پہنچائی۔

سید ہاشم نام کے ایک "بزرگ" فیروزآباد کے رہنے والے تھے، جب اُنھیں معلوم ہوا کہ ان دنوں دربارِ شاہی میں صوفیہ کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہیں تو وہ بھی فتح پور سیکری آدھمکے اور یہاں آتے ہی اپنی "دکان" سجالی۔ اس کی

[۴۹] ایضاً، ص ۱۳۷

[۵۰] ایضاً، ص ۲۸۶ [۵۱] ایضاً۔

بعض نازیبا حرکات "باعث بی اعتقادی از مشائخ سلف شدند"[۵۲]۔

ایک بار بادشاہ لاہور آیا ہوا تھا، یہاں اس کی ملاقات شیخ کمال بیابانی سے ہوئی۔ اس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ پلک جھپکنے میں راوی پار کر جاتا ہے اور دوسرے کنارے سے باقاعدہ آواز لگا کر اُسی لمحے واپس لوٹ آتا ہے۔ بادشاہ کو لوگوں کی اس بات پر یقین نہ آیا تو وہ شیخ کو ایک طرف لے جاکر کہنے لگا کہ سچ سچ بتاؤ کہ یہ کیا ماجرا ہے، اور اگر تم نے اخفائے راز کی کوشش کی تو میں تمہارے ہاتھ پاؤں بندھوا کر دریا میں پھنکوا دوں گا اور پھر تمھاری "کرامت" مشاہدہ کروں گا۔ شیخ نے اپنی جان جاتی دیکھی تو بادشاہ کو بتایا کہ اس کا ایک بیٹا، جس کی آواز ہو بہو اس سے ملتی ہے، دریا کے پار کسی جھاڑی میں چھپا رہتا ہے۔ اور اِدھر یہ دریا کے کنارے کسی جھاڑی میں چھپ جاتا ہے اُدھر وہ آواز دیتا ہے کہ اے فلاں تم واپس چلے جاؤ۔ جب بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ وہ اس طرح لوگوں کو کیوں دھوکا دیتا ہے تو اس نے اپنا کرتہ اُٹھا کر پیٹ کی طرف اشارہ کیا[۵۳]۔ بادشاہ کو اس کی اس مقدس صورت کے ساتھ یہ شعبدہ بازی کچھ پسند نہ آئی اور وہ دوسرے صوفیہ کو بھی شعبدہ باز ہی سمجھنے لگا۔

شیخ کمال بیابانی نے ایک رات خانخانان کی موجودگی میں اپنی "کرامت" کا مظاہرہ کیا اور اپنے بدن کے تمام حصے الگ الگ دکھا کر اُسے اپنا معتقد بنا لیا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ شیخ کمال بیابانی کا بیٹا شعبدہ بازی میں اپنے باپ پر بھی گوئے سبقت لے گیا تھا۔ خانخانان کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے ہاتھ میں

[۵۲] ایضاً،

[۵۳] ایضاً، ص ۳۶۷

ہمیشہ سونے کی ایک گیند رکھتا تھا، جب اُسے اس بات کا علم ہوا تو اس نے اسی وزن کی پیتل کی ایک گیند بنوا کر اس پر سونے کا ملمع کروا لیا اور موقع کا متلاشی رہا۔ ایک روز خانخانان دریا کی سیر کو گیا تو اس نے اس کی آمد سے پہلے وہ گیند دریا کی تہہ میں چھپا دی اور یوں بولنا شروع کیا جیسے وہ کسی سے باتیں کر رہا ہو۔ جب خانخانان کا ادھر سے گذر ہوا تو اس نے کہا کہ حضرت خضر علیہ السلام آپ کو دُعا دیتے ہیں اور یہ گیند ملاحظہ فرمانا چاہتے ہیں۔ خانخانان نے وہ گیند اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ اس نے فوراً دریا میں غوطہ لگایا اور یہ گیند پانی کی تہہ میں چھپا کر پیتل کی گیند باہر نکال لایا۔[۵۴] جب اس گیند کی حقیقت معلوم ہوئی تو شیخ زادہ کی شعبدہ بازی کا چرچا دُور دور تک پھیل گیا۔ ایسی باتوں سے اکبر کے مذہبی جذبات کو ایک دھچکا لگا اور وہ ان کے کرتوت دیکھ کر سلف سے بھی بدظن ہو گیا۔

اکبر کے عہد کے بگڑے ہوئے معاشرہ میں سجادہ نشینوں اور نام نہاد روحانی پیشواؤں کی حالت عوام کی نسبت کہیں زیادہ ناگفتہ بہ ہو رہی تھی۔ اس کے ایک ہم عصر بزرگ اخوند درویزہؒ اپنی مشہور تصنیف ارشاد الطالبین میں اس عہد کے سجادہ نشینوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

خصوصاً درین زمانۂ فساد کہ اکثر آدم	خاص طور پر اس زمانۂ فساد میں اکثر
صورت و شیطان سیرت بر سجادۂ	انسان صورت اور شیطان سیرت
پدر و پدرِ کلان خود نشستہ اند۔[۵۵]	لوگ اپنے باپ اور دادا کی مسندوں
	پر براجمان ہیں۔

---

[۵۴] ایضاً، ص ۳۶۷ - ۳۸۶ [۵۵] ارشاد الطالبین، ص ۲۹۹

ایسے ہی پیشہ ور صوفیوں نے اس عہد میں عوام کا اخلاق بگاڑنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی یہ تحریر ہم پہلے بھی درج کر چکے ہیں جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ "اکثر جہلائے صوفی نمائے این زمانہ حکم علمائے سُو دارند فساد این ہا نیز فساد متعدی است۔"[۵۶]

شیخ زادہ گوسالہ بنارسی، ملا شاہ محمد شاہ آبادی اور صوفی احمد مطرب کا شمار ایسے ہی جہلائے صوفی نما میں ہوتا ہے جو حلوہ و برنج کی تمنا لے کر دار الحکومت پہنچے اور "مراتبِ اخلاص چہارگانہ" طے کر کے اکبر کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔ بدایونی کا بیان ہے کہ اکبر کے مرید ہوتے ہی وہ اپنی ڈاڑھیاں منڈوا کر "جہ دمرد" ہو گئے۔[۵۷] ان کی دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی ان کی متابعت شروع کر دی۔

اخوند درویزہؒ نے اپنی ایک دوسری تصنیف "تذکرۃ الابرار والاشرار" میں ایسے بے شمار صوفیوں کا ذکر کیا ہے جو پہلے خود گمراہ ہوئے اور پھر انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ ان "اشرار" میں سے ایک "شریر" پیر طیب نامی ایک افغان تھا جو مسئلہ آواگون کا پرچار کیا کرتا تھا۔[۵۸] اسی طرح ایک نام نہاد پیر ملا عبد الرحمٰن قیامت کا منکر تھا۔[۵۹] اخوند درویزہؒ نے ایک اور "شریر" الیاس افغان کا ذکر کیا ہے، وہ برہمنوں کی طرح زنار پہنا کرتا تھا۔[۶۰] اسی طرح محمد ضیاء نامی ایک افغان پیر تناسخ پر ایمان رکھنے کے علاوہ "اباحت" کا پرچار بھی کیا کرتا تھا۔[۶۱] اس کی دیکھا دیکھی ولی نامی ایک افغان پیر نے تناسخ کا پرچار کر کے

---

[۵۶] ایضاً۔ مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب ۴۷، [۵۷] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۴۰۴

[۵۸] تذکرۃ الابرار والاشرار، ص ۱۴۲ [۵۹] ایضاً، ص ۱۷۰

[۶۰] ایضاً، ص ۱۶۵ [۶۱] ایضاً، ص ۱۷۱

بے شمار لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ اس کے متعلق اخوند درویزہؒ رقمطراز ہیں کہ پہلے اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور جب کچھ لوگ اس کے دامِ عقیدت میں پھنس گئے تو وہ خود کو خدا کہلانے لگا۔[62] ان پیروں اور متنبیوں کی دیکھا دیکھی غرغشتی قبیلہ کے ایک افغان کربداد نے بھی ایسے ہی دعوے کر کے کافی لوگوں کو راہِ راست سے بھٹکا دیا۔[63] ٹھیک اسی زمانہ میں خراسان سے پیر پہلوان نامی ایک شخص

غالبؔ ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغول حق ہوں بندگی بو تراب میں

گنگناتا ہوا آیا اور چکدرہ کے نواح میں آباد ہو گیا۔ اخوند درویزہؒ فرماتے ہیں کہ اس نے افغانوں میں "علی پرستی"، شروع کروا کے نماز اور روزے منسوخ کر دیئے اور اپنے مریدوں کے لئے زنا اور شراب کو حلال کر دیا۔[64] اسی زمانہ میں محمدزئی قبیلہ کے ایک فرد شیخ یوسف نے طریقۂ اباحتیہ اپنا لیا۔[65] ۹۸۱ ہجری میں جب اکبر کے حواری اُسے "صاحب الزمان" کہہ کر مخاطب کر رہے تھے، مراد نامی ایک شخص نے آزاد قبائل کے علاقے میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔[66] نبوت کا دعویٰ اس نے غالباً اس لئے نہیں کیا تھا کہ اس سے ذرا پہلے محمود نامی ایک ایرانی ایسا دعویٰ کر چکا تھا۔[67] جس طرح خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے بعینہٖ مندرانام کے ایک افغان قبیلہ کے بہت سے افراد نے قطب اور غوث ہونے کے دعوے کئے، ان میں سے ملّا میرد نامی ایک "قطب" یہ کہا کرتا تھا کہ عرش کے اوپر ایک فرش ہے اور اس پر ایک بہت بڑا پتھر

---

[62] ایضاً، ص ۱۶۳، [63] ایضاً، ص ۱۶۴
[64] ایضاً، ص ۱۶۲، [65] ایضاً، ص ۱۷۱
[66] تاریخ الفی، ورق ۴۸۷۔ [67] ایضاً

رکھا ہوا ہے، اس پتھر کے اوپر ایک بہت بڑا خیمہ تنا ہوا ہے جس کے ستر ہزار دروازے ہیں۔ اس خیمہ کے اندر ایک تخت رکھا ہوا ہے، جس پر خدا بیٹھتا ہے۔ وہ اپنے مریدوں سے کہا کرتا تھا کہ یہ ایک "راز" ہے جسے علما نہیں جانتے۔[69] خدا جانے علی العرش استویٰ کی یہ تفسیر اس "دانائے راز" کی اختراع تھی یا اُس نے یہ نظریہ الکرامیہ سے مستعار لیا تھا۔ الشہرستانی اور امام ابن تیمیہؒ دونوں کا یہ خیال ہے کہ الکرامیہ خدا کی تجسیم کے قائل ہیں۔[70] بعض علما کا یہ بھی کہنا ہے کہ الکرامیہ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے تخت پر آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے۔ اُستادِ گرامی پروفیسر خلیق احمد نظامی کا یہ خیال ہے کہ جن علاقوں میں الکرامیہ کا مذہب پھیلا وہاں پہلے بدھوں کی اکثریت تھی اور وہ مہاتما بدھ کی ایسی مورتیوں کی پوجا کیا کرتے تھے جن میں مہاتما بدھ آلتی پالتی مارے بیٹھا دکھایا گیا ہے۔ جب یہی لوگ الکرامیہ فرقہ کے مبلغین کی سعی سے مسلمان ہوئے تو ان کے ذہنوں میں خدا کا وہی تصوّر قائم رہا۔[71] افغانستان اور اس سے ملحقہ علاقوں میں الکرامیہ کی موجودگی کا پتہ طبقاتِ ناصری سے بھی لگتا ہے۔ منہاج سراج جوزجانی کا کہنا ہے کہ پہلے سلطان غیاث الدین غوری اور سلطان محمد غوری بھی اسی فرقہ کے پیرو تھے، بعد ازاں بڑے بھائی نے شافعی مذہب اور چھوٹے بھائی نے حنفی مذہب قبول کر لیا۔[72] اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غور کے باشندے الکرامیہ مذہب کے

---

[69] تذکرۃ الابرار والاشرار، ص ۱۶۸ – "علما را از و خبر نیست"
[70] ا۔ الملل والنحل، جلد اوّل، ص ۱۰۹ – ۱۱۔ کتاب الایمان، ص ۵۷
[71] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص ۱۳
[72] طبقات ناصری – ص ۷۷

پیرو تھے اور بعد میں اُنھوں نے دوسرے فرقوں کے عقائد اپنا لئے تھے۔ تاہم یہ عین ممکن ہے اس مذہب کے ماننے والے اِکّا دُکّا لوگ افغانستان اور آزاد قبائل میں اکبر کے زمانے میں بھی موجود ہوں۔

ان اشرار میں غالباً سب سے زیادہ "مشہور" پیر روشن تھا، جسے عہد مغلیہ کے مؤرخ "پیر تاریک" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ وہ مشرقی پنجاب کے مشہور شہر جالندھر میں افغانوں کے آخری دورِ حکومت میں پیدا ہوا تھا[73]۔ مغلوں کے ابتدائی ایّام حکومت میں وہ اپنی ماں کے ساتھ آزاد علاقے میں چلا گیا، لیکن ہوش سنبھالتے ہی حصولِ تعلیم کے لئے وہ دوبارہ ہندوستان آیا۔ اس زمانے میں جالندھر میں ملّا سلیمان نامی ایک اسمٰعیلی کے درس کا بڑا شہرہ تھا[74]۔ پیر روشن نے اس کے مدرسہ میں داخلہ لیا اور اسمٰعیلی اُستاد کی صحبت میں رہ کر عجیب و غریب عقائد اپنا لئے۔ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی پیر روشن آزاد علاقے کی طرف لوٹ گیا[75]۔ محسن فانی کے قول کے مطابق اس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ نبی ہے اور اس پر وحی نازل ہوتی ہے[76]۔ علاوہ ازیں پیر روشن کے خیال میں نماز میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا ضروری نہ تھا[77]۔ اسی طرح اس نے غُسلِ جنابت منسوخ کرکے سرد علاقوں میں رہنے والے افغانوں کو ایک بڑی

---

٧٣ اے نیو فیز آف دی افغانز ان جالندھر سٹیز، ص ۴۲

٧٤ ا۔ ایضاً۔ اا۔ دی سپرٹ آف اسلام، ص ۳۴۳، ۳۴۴

٧٥ اے نیو فیز آف دی افغانز اِن جالندھر سٹیز، ص ۴۲

٧٦ دبستان مذاہب، ۲۴۸، ۲۵۰

٧٧ ایضاً، ص ۲۵۰

مشکل سے نجات دلائی[78]۔ آخوند درویزہؒ کے بیان کے مطابق "ابن ملعون بر عقیدۂ مذہب تناسخ رفتہ بود[79]" اس کے علاوہ پیر روشن "دزدی و رہزنی را پیشہ گرفتہ فقرا و مسافران را می کشت، خون ہائے ایشان و مالہائے ایشان را حلال می دانشت[80]" اس کے ہم قوم افغانوں کو اس کی تعلیمات میں فائدے ہی فائدے نظر آئے اور ان کی اکثریت اس کی طرفدار ہو گئی۔ اس نے اپنے ماننے والوں کی "ہدایت" کے لئے خیر البیان نامی ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ اخوند صاحبؒ اس کتاب کو اپنی تحریروں میں "شر البیان" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی تحریروں میں پیر روشن اور اس کی تحریک کے بخیے اُدھیڑ کر رکھ دیئے ہیں۔

تذکرۃ الابرار و الاشرار اور مخزنِ اسلام اخوند درویزہؒ کی مشہور تصانیف ہیں اور ان میں آپ نے اپنے عہد کے تمام ملحدوں کے نظریات کی تکذیب کرتے ہوئے مسلمانوں کو ان کی صحبت سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جنھوں نے آزاد قبائل میں فتنۂ ارتداد اور الحاد کو بڑھنے سے روکا۔ آپ مخزنِ اسلام میں تحریر فرماتے ہیں "یقین می باشد کہ اگر فقیر را در میان نمی بود از افغانانِ یوسف زئی کسے مسلمان نمی ماند[81]"

٧٨۔ ایضاً۔

٧٩ تذکرۃ الابرار والاشرار، ورق ۱۲۵ ب

٨٠ ایضاً

٨١ مخزن اسلام، ورق ۲ الف ترجمہ: یقین مانئے اگر یہ فقیر وہاں نہ ہوتا تو یوسف زئی پٹھانوں میں سے کوئی بھی مسلمان نہ رہتا۔

یہ تھی سولھویں صدی کے اختتام پر ہندوستان کی مذہبی فضا، جس میں اکبر دینِ اسلام سے برگشتہ ہوا اور اس نے بھی اس ماحول کو سازگار دیکھتے ہوئے دوسروں کی دیکھا دیکھی ایک نئے دین کی طرح ڈالی۔

شیخ مبارکؒ کا منصوبہ

جن دنوں اکبر علمائ سے بیزار ہوا، انہی دنوں بدقسمتی سے ایک واقعہ پیش آیا جس نے صورتِ حال کو بد سے بدتر بنا دیا۔ بدایونی رقمطراز ہے کہ متھرا کے قاضی عبدالرحیم نے ایک مسجد کی تعمیر کے لئے سامان جمع کیا لیکن ایک چالاک برہمن نے راتوں رات وہ سامان اُٹھا کر ایک مندر کی تعمیر میں لگا دیا[1]۔ جب مسلمانوں نے اس سے باز پرس کی تو وہ اسلام اور بانیِ اسلامؐ کی شان میں گستاخیاں کرنے لگا۔ قاضی عبدالرحیم نے ملّا عبدالنبی صدر الصدور کی عدالت میں اس برہمن کے خلاف استغاثہ دائر کیا۔ صدر الصدور نے اس برہمن کے نام اپنی عدالت میں حاضر ہونے کا سمن جاری کیا لیکن اس نے تعمیلِ سمن سے صاف انکار کر دیا۔ اکبر نے موقع کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے۔ بیربر اور ابوالفضل کو متھرا بھیجا اور وہ برہمن کو سمجھا بجھا کر دربار میں لے آئے[2]۔

اکبر نے ابوالفضل کو اس واقعہ کی تفتیش پر مامور کیا اور اس نے کافی

---

[1] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۸۰ [2] ایضاً

چھان بین کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس میں سراسر برہمن کا قصور تھا[۳]۔ اوّل تو اس نے مسجد کے سامان پہ ناجائز تصرف کیا اور جب مسلمانوں نے اس سے اس سامان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو اس دریدہ دہن نے سرورِ کائنات کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے اور جب اُسے عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا تو اس نے وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا۔ صدر الصدور اس پہ بہت برافروختہ ہوئے اور اس نابکار کو قرارِ واقعی سزا دینے پہ تیار ہو گئے۔ ابو الفضل نے بادشاہ کو بتایا کہ اس معاملہ میں برہمن قصور وار ہے اور شیخ عبد النبی اور ان کے رفقاء اُسے پھانسی دینے پہ تلے ہوئے ہیں۔ اتفاق سے وہ برہمن رانی جودھا بائی کا پروہت تھا اور اکبر چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ معاملہ رفع دفع ہو جائے لیکن یہ معاملہ روز بروز نازک صورت اختیار کرتا گیا۔ ایک طرف تو رانی اکبر پہ دباؤ ڈال رہی تھی کہ وہ اس برہمن کو شیخ عبد النبی کے عتاب سے بچائے۔ دوسری طرف اکبر عدالتی کارروائی میں دخل دے کر صدر الصدور کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے یہ معاملہ صدر الصدور کی صوابدید پہ چھوڑ دیا۔ صدر الصدور نے بادشاہ یا رانی کی ناراضگی کی پروا نہ کرتے ہوئے اس برہمن کو تختۂ دار پہ لٹکا دیا۔

اس برہمن نے تو اپنے کئے کی سزا پائی۔ لیکن یہ معاملہ بجائے ختم ہونے کے اور بھی نازک صورت اختیار کر گیا۔ ایک طرف تو "دختران راجہائے عظیم ہند"[۴] نے بادشاہ کے کان بھرے کہ اس نے مُلّاؤں کو اتنا سر چڑھا لیا ہے

۳ہ ایضاً۔

۴ہ بدایونی نے یہ اصطلاح اکبر کی ہندو رانیوں کے لئے استعمال کی ہے۔ بحوالہ ایضاً، جلد ۲، ص ۳۰۳

کہ وہ اس کی مرضی کی بھی پروا نہیں کرتے اور دوسری طرف شیخ عبد النبی کے کسی مخالف نے موقع پاتے ہی بادشاہ کے حضور میں یہ سوال اُٹھایا کہ حنفی قانون کی رُو سے صدر الصدور شاتمِ رسولؐ کو سزائے موت دینے کا مجاز نہیں۔ گو شیخ عبد النبی بڑے فخر کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن انہیں اتنا بھی علم نہیں کہ ان کے جدِّ امجد کے نزدیک شاتمِ رسولؐ سزائے موت کا مستحق نہیں[۵]۔ اس پہ بادشاہ شیخ عبد النبی سے بہت برہم ہوا۔

اتفاق سے انہی دنوں بادشاہ کی سالگرہ کی تقریب منعقد ہوئی اور شیخ مبارک ناگوری بادشاہ کی خدمت میں تہنیت پیش کرنے کی غرض سے دربار میں حاضر ہوا۔ اس نے بادشاہ کو مغموم پا کر اس کا سبب دریافت کیا۔ بادشاہ نے اُسے برہمن کے قتل کا سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اس پہ شیخ مبارک نے بادشاہ کو بتایا کہ وہ چونکہ خود امام عادل اور مجتہد ہے اس لئے وہ علمائے کے فتووں کا محتاج نہیں، بلکہ اس کا اپنا فیصلہ علماء کے لئے قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ یہ بات سنتے ہی بادشاہ نے شیخ مبارک سے کہا کہ وہ اُسے علماء کے چنگل سے چھڑانے کی کوئی تدبیر سوچے۔ اس پہ شیخ مبارک نے بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے یہ محضر مرتب کیا۔

مقصود از تشئید این مبانی و تمہید این	مطلب ان امور کے درج کرنے
معانی آنکہ چون ہندوستان صینت	سے یہ ہے کہ بادشاہ کے عدل و انصاف
عن الحدثان بیامن معدلت سلطانی	اور سرپرستی کی بدولت ہندوستان
و تربیت جہانبانی مرکز امن و امان	آج کل امن و امان کا مرکز بنا ہوا ہے
و دائرہ عدل و احسان شدہ طوایف	اور اسی کی وجہ سے عوام و خواص خصوصاً

۵ہ: ایضاً۔ جلد ۳، ص ۷۳

انام از خواص و عوام خصوصاً علمائی
عرفان شعار و فضلائی دقایق آثار که
هادیان بادیۂ نجات و سالکان مسالک
اوتوا العلم درجات اند از عرب و عجم رو
بدین دیار نهاده توطن اختیار نمودند
جمهور علمائی فحول که جامع فروع و اصول
وحاوی معقول و منقول اند و بدین و
دیانت و صیانت اتصاف دارند بعد
از تدبیر وافی و تامل کافی در غوامض معانی
آیۂ کریمہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول
و اولی الامر منکم و احادیث صحیح
ان احبّ الناس الی اللہ یوم
القیٰمہ امام عادل من یطع الامیر
فقد اطاعنی و من یعص الامیر
فقد عصانی و غیر ذلک من
الشواهد العقلیه و الدلایل
النقلیه قرار داده حکم نمودند که مرتبۂ
سلطان عادل عنداللہ زیاده از مرتبۂ
مجتهد است و حضرت سلطان الاسلام
کهف الانام امیرالمومنین ظل اللہ علی
العالمین ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر

ان صاحب علم و فضل علما کا یہاں ان
دنوں اجتماع ہو گیا ہے جو نجات کی
راہوں کے راہنما ہیں اور "اوتوا العلم درجات"
قرآنی آیت کے مصداق یہ لوگ عرب و عجم
سے اس ملک میں تشریف لائے اور اسی کو
اپنا وطن بنا لیا ہے۔ اب جمہور علماء
جو ہر قسم کے علوم میں کامل دستگاہ رکھتے
ہیں اور عقلی و نقلی فنون کے ماہر ہیں اور
ایمان داری اور انتہائی دیانت اور
راستبازی کے ساتھ موصوف ہیں۔
قرآن کی آیت اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول
و اولی الامر منکم اور صحیح حدیثیں مثلاً
یہ کہ خدا کے نزدیک قیامت کے دن
سب سے زیادہ محبوب وہ امیر ہوگا
جو عادل ہے اور جس نے امیر کی اطاعت
کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے
امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی
ان کے سوا اور دوسرے دلائل عقلی و نقلی کی بنیاد
پر یہ قرار دیتے ہیں اور فیصلہ صادر کرتے ہیں
کہ خدا کے نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد
کے مرتبہ سے زیادہ ہے اور حضرت سلطان اسلام

پادشاه غازی خلداللہ ملکه، ابداً اعدل
و اعقل و اعلم باللہ اند نبا بر ان اگر
در مسائل دین که بین المجتهدین مختلف
فیها است بذهن ثاقب و فکر صایب
خود یک جانب را از اختلاف بجهته
تسهیل معیشت بنی آدم و مصلحت
انتظام عالم اختیار نموده بآن جانب
حکم فرمایند متفق علیه میشود و اتباع
آن بر عموم برایا و کافه رعایا لازم و
متحتم است و ایضاً اگر بموجب رائے
صواب نمائی خود حکمی را از احکام قرار
دهند که مخالف نصی نباشد و سبب
ترفیه عالمیان بوده باشد عمل بر آن
نمودن بر همه کس لازم و متحتم است
و مخالفت آن موجب سخط اخروی
و خسران دینی و دنیوی است و این
مسطور صدق و فور حسبتہ للہ و اظهار
الاجرا لحقوق الاسلام بمحضر علمای دین
و فقهای مهتدین تحریر یافت و کان
ذلک فی شهر رجب سنه سبع
و ثمانین و تسعمایه۔[۵۶]

کہف الانام امیرالمومنین ظل اللہ علی العالمین
ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی،
خدا اس کی حکومت کو ہمیشہ قائم رکھے،
سب سے زیادہ عدل والے، عقل والے
اور علم والے ہیں اس بنیاد پر ایسے دینی
مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف رکھتے
ہیں اگر وہ اپنے ذہن ثاقب اور صائب رائے کی
روشنی میں بنی آدم کی آسانیوں کے مدنظر کسی
ایک پہلو کو ترجیح دے کر اسی کو مسلک قرار
دیں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا یہ فیصلہ اتفاقی
سمجھا جائے گا اور عام مخلوق رعایا و برایا کے
لئے اس کی پابندی لازمی و لابدی ہوگی۔
اگر کوئی ایسی بات جو قطعی نص کے مخالف نہ ہو اور
دنیا والوں کو اس سے مدد ملتی ہو، بادشاہ اگر
اس کے متعلق کوئی حکم صادر فرمائے تو اس کا ماننا
اور اس پر عمل کرنا ہر شخص کے لئے ضروری اور لازم
ہوگا اور اس کی مخالفت دینی اور دنیاوی
بربادی اور اخروی مواخذہ کی مستوجب ہوگی
یہ تحریر جو خلوص نیت پر مبنی ہے خالص خوشنودی
خدا اور احکام اسلام کی ترویج کے لئے علمائے دین
اور فقہائے مہتدین کے اتفاق سے ماہ رجب

۹۸۷ھ کی یہ تحریر [illegible]

۵۶؎: منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۷۱ - ۲۷۲
۱۱: طبقات اکبری، ص ۳۴۴ - ۳۴۳

شیخ مبارک نے بادشاہ کے ایما پر تمام علمائے سے اس محضر پر دستخط کروالئے۔ اس محضر کی رو سے شیخ مبارک نے اکبر کو اعدل، اعقل اور اعلم قرار دیتے ہوئے علمائے سے اُسے مجتہد تسلیم کروالیا۔

جن دنوں یہ محضر زیرِ ترتیب تھا انہی دنوں اکبر کے چند خودغرض مصاحبوں نے اس کے ذہن میں یہ بات بٹھادی کہ وہ خلفائے راشدین کی طرح دینی امور میں بھی عوام کا رہنما ہے، لہٰذا اُسے ان کی تقلید کرتے ہوئے جمعہ کے روز مسجد میں خطبہ دینا چاہیئے۔ اکبر نے ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے یکم جمادی اوّل ۹۸۰ ہجری کو فتح پور سیکری کی جامع مسجد میں خطبہ دینا منظور کرلیا[۷]۔ بدایونی اور فیضی سرہندی دونوں اس پر متفق ہیں کہ منبر پر چڑھتے ہی اکبر کے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی، اس کی زبان لڑکھڑانے لگی اور وہ موقع کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے فیضی کے یہ اشعار پڑھ کر منبر سے اتر آیا[۸]۔

خداوندی کہ ما را خسروی داد   دل دانا و بازوی قوی داد
بعدل و داد ما را رہنمون کرد   بجز عدل از خیال ما برون کرد
بود وصفش ز حدِّ فہم برتر،   تعالیٰ شانہ، اللہ اکبر،

شیخ مبارک، جس نے محضر نامہ کی رو سے اکبر کو امام عادل بنا کر لامحدود اختیارات کا مالک بنادیا تھا، بڑا چالاک عالم تھا اور اکثر لوگ اُسے شیعہ سمجھتے تھے[۹]۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کے آباؤ اجداد یمن کے رہنے والے

۷؎ i۔ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۶۸ ii۔ اکبرنامہ فیضی سرہندی، ورق ۱۴۹ ب
iii۔ طبقات اکبری، ص ۳۴۲۔

۸؎ i۔ اکبرنامہ فیضی سرہندی، ورق ۱۴۹ ب ii۔ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۶۸

۹؎ اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا، جلد ۴، ص ۱۸

تھے جو زیدی شیعوں کا بڑا پرانا مرکز تھا[۱۰]۔ شیخ مبارک کا مورثِ اعلیٰ شیخ موسیٰ یمن سے سندھ آکر سیہون کے قریب ریل نامی ایک قصبہ میں آباد ہوا[۱۱]۔ سندھ اور گجرات ان دنوں اسمٰعیلی اور بوہرہ شیعوں کی تبلیغی سرگرمیوں کے مرکز تھے اور یوں بھی سیہون کے گردونواح میں لعل شہباز کے معتقدین آباد تھے، جن کی اکثریت تفضیلی عقیدہ رکھتی تھی۔ شیخ مبارک کے آباؤ اجداد مدت تک اس شیعہ ماحول میں رہے۔ شیخ مبارک کا والد شیخ خضر ریل کی سکونت ترک کرکے ناگور میں جا بسا اور وہیں ۹۱۱ ہجری میں مبارک پیدا ہوا[۱۲]۔

لودھیوں کے آخری ایامِ حکومت میں مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے راجستھان میں راجپوتوں نے سر اُٹھایا اور ان کا لیڈر رانا سانگا ہندوستان میں رام راج قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔ اس کی سرکردگی میں جب راجپوتوں نے راجستھان کی مسلم بستیوں پر حملے شروع کئے تو شیخ مبارک ناگور سے ہجرت کرکے احمد آباد چلا گیا[۱۳]۔ اتفاق سے احمد آباد مدتوں سے اسمٰعیلی اور بوہرہ مبلغوں کی سرگرمیوں کا مرکز چلا آرہا تھا اور وہاں ایک سے ایک بڑھ کر شیعہ عالم درس و تدریس میں مشغول تھا۔ اسی جگہ

آئین مالک و شافعی و ابو حنیفہ و حنبل و امامیہ گوناگون دریافت، اصولاً و فروعاً بہم آوردہ و بتگاپوی سخت پایۂ اجتہاد رو نمود[۱۴]	اس نے مالکی، شافعیؒ، حنفی، جنبلی اور امامیہ فقہ کا بغور مطالعہ کیا اور ان کے اصول و فروع پر بھی خوب توجہ دی اور بڑی محنت اور مشقت کے بعد مجتہد کا درجہ حاصل کیا۔

۱۰؎ آئین اکبری، جلد ۳، ص ۳۲۷ ۱۱؎ ایضاً۔ ۱۲؎ ایضاً
۱۳؎ مآثر الامراء، جلد ۲، ص ۵۸۴ ۱۴؎ آئین اکبری جلد ۳، ص ۳۲۹

شیخ مبارک کا فقہ جعفری کا مطالعہ کر کے خود کو مجتہد کے درجے تک پہنچانا ہی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ شیعہ تھا۔

فقہ کی تکمیل کے بعد شیخ مبارک نے تصوّف کا مطالعہ کیا اور یہی شوق اُسے اشراقیت تک لے گیا۔[15] اس جگہ یہ بات ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ جو فلاسفہ فلسفے کا مطالعہ کرنے کے بعد وحیٔ آسمانی کے قائل رہتے ہیں انہیں فلسفہ کی اصطلاح میں سماوی اور جو وحیٔ آسمانی کا انکار کر کے اپنے نورِ باطن پر اعتماد کرتے ہیں انہیں اشراقی کہتے ہیں۔ شیخ مبارک کو اس کا بیٹا ابوالفضل اشراقی بتاتا ہے۔ دوسرے ذرائع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ مبارک خود تو قرآن کو محرف مانتا تھا،[16] لیکن ابوالفضل اسے حضورؐ کی تصنیف سمجھتا تھا۔[17]

ابوالفضل لکھتا ہے کہ جب شیخ مبارک "تصوف و اشراق" کے مطالعہ سے فارغ ہوا تو پھر اس کی طبیعت فلسفہ کی طرف مائل ہوئی۔[18] اتفاق سے ان دنوں علامہ جلال الدین دوانیؒ کے ایک شاگرد ابوالفضل گازرونی احمد آباد میں فلسفہ کا درس دیا کرتے تھے، شیخ مبارک نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے خوب فیض پایا۔[19] جب وہ فلسفہ میں خوب طاق ہو گیا تو اس کی طبیعت دوبارہ تصوّف کی طرف مائل ہوئی۔ اس بار وہ شیخ عمر تتوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے طریقۂ کبرویہ کی تعلیم پائی۔[20] شیخ عمر تتوی کی صحبت سے

---

[15] ایضاً، ص ۔ ۳۳ "اسالیبِ تصوف و اشراق برخواند"

[16] منتخب التواریخ جلد ۲، ص ۳۱۲

[17] اکبر اینڈ دی جیسوائٹس، ص ۲۵ [18] آئینِ اکبری، جلد ۳، ص ۳۳۰

[19] ایضاً [20] ایضاً

اس کا جی بھر گیا تو وہ دوسرے مشائخ کی خدمت میں جانے لگا اور ان سے شطاریہ، طیفوریہ، چشتیہ اور سہروردیہ سلسلوں کی تعلیم حاصل کی۔[21] اس کے بعد وہ ۳۹ سال کی عمر میں آگرہ چلا آیا اور وہاں ایک مدرسہ میں پڑھانے لگا۔[22]

مندرجہ بالا امثلہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شیخ مبارک کی طبیعت میں سکون اور استقلال کا فقدان تھا اور وہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے تھا اس کی تلون مزاجی نے اُسے آگرہ میں بھی نچلا نہ بیٹھنے دیا اور یہاں آتے ہی اس کی دوستی مہدوی فرقہ کے رہنما شیخ علائی کے ساتھ ہو گئی۔ شیخ مبارک کے طور طریقے اور رکھ رکھاؤ دیکھ کر لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ وہ بھی مہدوی ہے۔[23] جب سلیم شاہ کے عہد حکومت میں مہدویوں پر عتابِ سلطانی نازل ہوا تو شیخ ہمدانیہ سلسلہ سے منسلک ہو گیا اور لوگ اُسے درویش کامل سمجھنے لگے۔[24] ہمایوں کے عہدِ حکومت میں جب اس کی بہنوں بھتیجیوں اور بیٹیوں کے رشتے نقشبندیوں سے ہونے لگے تو شیخ نے بھی نقشبندی فقراء کی صحبت اختیار کر لی اور لوگ اُسے نقشبندی سمجھنے لگے۔[25] اکبر کے عہدِ حکومت میں جب "کہنہ مومنانِ عراق"[26] کی دربار میں آمد و رفت اور پذیرائی شروع ہوئی تو شیخ لباسِ تقیہ اتار کر اپنے اصلی رنگ میں میدان میں نکل آیا۔[27]

---

[21] ایضاً۔ [22] مآثر الامراء، جلد ۳۔ ص ۵۸۴

[23] منتخب التواریخ۔ جلد ۲، ص ۱۹۸ "شیخ مبارک مہدوی نیز اہلِ بدعت است و ضال و مضل و رخصت گونہ گرفتہ" [24] مآثر الامراء۔ جلد ۲، ص ۵۸۵۔

[25] آئینِ اکبری، جلد ۲، ص ۲۶۰ [26] بدایونی نے یہ اصطلاح کئی جگہ استعمال کی ہے۔ ملاحظہ ہو منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۷۲ [27] مآثر الامراء، جلد ۲، ص ۵۰۵

حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ کے صاحبزادے خواجہ کلاںؒ، جن کی تربیت شیخ مبارک کی بیٹی کے گھر میں ہوئی تھی، اس گھر کے پرانے بھیدی ہیں۔ وہ شیخ مبارک کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ سلطان ابراہیم لودھی کے عہد حکومت میں کٹر سنّی، سوریوں کے دورِ حکومت میں مہدوی، ہمایوں کے زمانے میں نقشبندی اور اکبر کے عہدِ سلطنت میں صلح کل کا علمبردار بن کر مشربِ اباحت پر گامزن ہوا۔[28] خواجہ کلاںؒ اس کے متعلق یہ بھی لکھتے ہیں:۔

در ہر عصر ہماں مشرب و مذہب	ہر دور میں اس کا وہی مسلک
شعار وقت خود می ساخت کہ	اور مذہب ہوتا تھا جس پر اس
ملوک و امرای عصر بدان مذہب	عہد کے حکمران اور امراء گامزن
رغبت داشتند۔[29]	ہوتے تھے۔

سر ولزلی ہیگ رقمطراز ہے کہ شیخ مبارک مختلف ادوار میں سنی، شیعہ، صوفی اور مہدوی کے علاوہ خدا جانے کیا کیا رہ چکا تھا۔[30]

ہمارے خیال میں ہر وہ شخص جو تقیہ پر ایمان رکھتا ہو وہ خود کو "سرکار رائج الوقت" کا ہم مذہب ظاہر کر سکتا ہے۔ سرکار قبلہ ادیبِ اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب اپنی تالیف "عقاید الشیعہ" میں لکھتے ہیں کہ "ہمارا عقیدہ ہے کہ تقیہ ضروریاتِ دین ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تقیہ میرا اور میرے آبا کا دین ہے[31] ایک دوسرے موقع پر سرکار قبلہ تحریر فرماتے

[28] مبلغ الرجال، ورق ۳۳ الف۔ [29] ایضاً۔

[30] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد ۴، ص ۱۸

[31] عقاید الشیعہ، ص ۸۷،

ہیں کہ "تقیہ ہی وہ سپر ہے جس نے شیعوں کا وجود باقی رکھا، ورنہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں یہ کب کے تباہ و برباد اور نیست و نابود ہو گئے ہوتے"۔[32]

شہید ثالث قاضی نوراللہ شوشتری اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "مجالس المومنین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیعوں کے اکثر فرقے تقیہ پر عمل پیرا ہیں۔[33] مشہور شیعی عالم شیخ صدوق "رسالۃ فی الاعتقادات" میں لکھتے ہیں کہ تقیہ "واجب" ہے[34] اور اس کا وجوب امام مہدی علیہ السلام کے ظہور تک باقی رہے گا:۔

فمن ترکھا قبل خروجہ	اس لئے جس شخص نے مہدی کے ظہور سے
فقد خرج عن دین اللہ تعالیٰ	قبل تقیہ کرنا چھوڑ دیا وہ اللہ کے دین
وعن دین الامامیۃ وخالف	اور آئمہ کے مذہب سے نکل گیا، بالفاظ
اللہ ورسولہ والائمۃ۔[35]	دیگر وہ اللہ اس کے رسول اور آئمہ کی
	مخالفت کرتا ہے۔

ان شواہد سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ شیعوں کے ہاں تقیہ نہ صرف جائز ہے بلکہ جو تقیہ نہ کرے وہ خرج عن دین اللہ تعالیٰ وعن دین الامامیۃ کے مطابق شیعہ نہیں رہتا۔ ہم یہ پہلے بتا چکے ہیں کہ شیخ مبارک کے آباؤ اجداد یمن کے رہنے والے اور مذہباً زیدی شیعہ تھے اور وہ خود بھی شیعہ ماحول میں تعلیم حاصل کر کے درجۂ اجتہاد تک پہنچ گیا تھا۔ ہمارے خیال میں وہ شیعہ تھا اور حاکمِ وقت کا مزاج دیکھ کر تقیہ کر لیتا تھا، اس کا ایک

[32] ایضاً۔ ص ۸۸ [33] مجالس المومنین، ص ۲-۳

[34] رسالۃ للصدوق فی الاعتقادات، ص ۴۴ "التقیہ واجبۃ"

[35] ایضاً۔

ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ وہ عبادت خانہ کے مباحثوں میں اپنے مخالفین پر ہمیشہ شیعہ اور اسمٰعیلی ہتھیاروں سے حملہ کیا کرتا تھا۔[36] شیخ مبارک نے محضر کی رو سے اکبر کو امامِ عادل کے علاوہ مجتہد کا درجہ بھی دیا ہے۔ یہاں یہ بات توجہ طلب ہے کہ سُنّی تو مدتوں سے دروازۂ اجتہاد بند کئے بیٹھے ہیں لیکن شیعوں کے ہاں ہر دور میں مجتہد موجود رہتے ہیں۔ بدایونی لکھتا ہے کہ شیخ مبارک نے ایک بار بادشاہ کے سامنے بیربر سے یہ کہا تھا کہ جس طرح تمہاری مذہبی کتابوں میں تحریف ہوئی ہے، اسی طرح ہمارے ہاں بھی ہوتا آیا ہے۔[37] ہمارے خیال میں ایسی بات صرف شیخ مبارک ہی کہہ سکتا تھا کیونکہ اس کے عقیدہ کے مطابق حضورؐ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ نے قرآن میں ردوبدل کیا تھا۔

علاّمہ نوری طبرسی کا شمار ان شیعی علماء میں ہوتا ہے جن کے "اقوال و تحقیقات کے محور پہ تشیع کے آسمان نے گردش کی ہے" وہ تحریف قرآن کے قائل تھے اور ان کا کہنا ہے

قد جمع اھل النقل والآثار من الخاص والعام ان ھذا الذی فی ایدی الناس من القرآن لیس ھذا القرآن کلہ، وانہ، ذھب من القرآن مالیس ھُوَ فِی ایدی الناس۔[38]

تمام چھوٹے بڑے راوی اور محدث اس بات پر متفق ہیں کہ اس وقت جو قرآن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے وہ پورا قرآن نہیں ہے، اور جو کچھ قرآن میں سے نکال دیا گیا ہے وہ لوگوں کے پاس نہیں ہے۔

---

[36] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۷۲ [37] ایضاً۔ ص ۳۱۲

[38] فصل الخطاب، ص ۲۶

تفسیرِ قمی کا شمار شیعوں کی معتبر ترین تفاسیر میں ہوتا ہے۔ اس کے فاضل مصنف علامہ علی بن ابراہیم القمی آسمان تشیع کے آفتاب درخشاں تھے۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۶۶ کی تفسیر میں آپ لکھتے ہیں کہ دراصل یہ آیت یوں تھی لکن اللہ یشھد بما انزل اللہ الیکَ فی علیٍ انزلہٗ بعلمہٖ۔ لیکن اب قرآن میں یہ آیت یوں درج ہے۔ لکن اللہ یشھد بما انزل الیکَ انزلہ بعلمہٖ۔[39] بالفاظ دگر حضرت علیؓ کا نام اس میں سے حذف کر دیا گیا۔

علامہ قمی رقمطراز ہیں کہ اس سے اگلی آیت یوں تھی۔ ان الذین کفروا وظلموا آل محمد حقھم لم یکن اللہ یغفرلھم ولا لیھدیھم طریقا لیکن قرآن میں اب یہ آیت یوں ملتی ہے۔ اِنّ الذین کفروا وظلموا لم یکن اللہ .... الخ[40] بالفاظ دگر قرآن کی تدوین کے وقت آلِ محمد حقھم کے الفاظ حذف کر دیئے گئے۔

علاّمہ باقر مجلسی دُنیائے تشیع کے مستند ترین علماء میں شمار ہوتے ہیں وہ اپنی شہرۂ آفاق تالیف حیات القلوب میں سورۂ آلِ عمران کی آیت ۳۲ کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ آیت قرآن میں یوں وارد ہے۔ اِنّ اللہ صطفیٰ اٰدم وَنوحاً وّاٰل ابراھیم واٰل عمران علی العالمین لیکن "علی بن ابراہیم در تفسیر گفتہ کہ امام موسیٰ کاظم فرمود کہ آیہ چنین نازل شدہ ان اللہ صطفیٰ اٰدم ولوحاً وّاٰل ابراھیم واٰل عمران واٰل محمد علی العالمین۔ پس آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را از قرآن انداختند۔[41] علاّمہ باقر مجلسی شیخ طبرسی کے

---

[39] تفسیر قمی، ص ۸۶ [40] تفسیر قمی، ص ۸۶

[41] حیات القلوب، جلد ۳، ص ۵۸۔ [42] ایضاً۔ ص ۵۹

حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادقؒ بھی اسے ..... وآل محمد علی العالمین ہی پڑھا کرتے تھے۔[42] اسی طرح علامہ موصوف ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ ابن بطریق اپنی کتاب عمدہ میں ثعلبی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے ابی وائل سے سنا تھا کہ عبداللہ بن مسعود کی مصحف میں یہ آیت وآل محمد علی العالمین ہی تھی۔[43] بالفاظ دیگر قرآن کی تدوین کے وقت آل محمد کا ذکر حذف کر دیا گیا۔

ثقۃ الاسلام علامہ ابو جعفر محمد الکلینی الرازی کا شمار اُن شیعی علماء میں ہوتا ہے جن کی تصانیف پر شیعہ مذہب کا دارومدار ہے۔ وہ اصول کافی میں امام باقرؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

ماادعی احدٌ من الناس انہ جمع القرآن کلہٗ کما انزل الا کذاب وما جمعہٗ وما حفظہٗ کما انزلہ اللہ الا علی بن ابی طالب والائمۃ من بعدہٖ۔[44]

کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے تمام قرآن تنزیل کے مطابق جمع کیا ہے۔ اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو وہ جھوٹا ہے کیونکہ سوائے علی بن ابی طالب اور ان کے بعد آئمہ کے کسی نے بھی اُسے نہ تو تنزیل کے مطابق جمع کیا اور نہ ہی حفظ کیا۔

اسی کتاب میں علامہ کلینی امام جعفر صادقؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ۔ ان القرآن الذی جاءبہ جبریل علیہ السلام الی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سبعۃ عشر الف آیۃ۔[45] یعنی جبریل نے جو قرآن حضورؐ پر اتارا تھا اس میں سترہ ہزار

---

[42] ایضاً، ص ۵۹ [43] ایضاً، ص ۶۰

[44] اصول کافی، ص ۳۹ [45] ایضاً، ص ۶۷۱

آیات تھیں موجودہ قرآن میں صرف ۶۶۶۶ آیات ہیں، اس لئے بقیہ ۱۰۳۳۴ آیات تحریف کی نذر ہو گئیں۔

علامہ الکلینی کے قول کے مطابق موجودہ قرآن میں جو آیات ہیں ان میں بھی کافی ردوبدل ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرہ کی یہ آیت۔ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ مثلہ ..... الخ۔ دراصل یوں تھی۔ ان کنتم[46] فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فی علیٍ فاتوا بسورۃ مثلہ ..... الخ یعنی اس آیت میں حضرت علیؓ کا نام موجود تھا۔ جو قرآن کی تدوین کے وقت جان بوجھ کر حذف کر دیا گیا۔

علامہ الکلینی کی ایک تحریر سے مصحف علیؓ کی ضخامت کا بھی پتہ چلتا ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ ہمارے آئمہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا طول ستر گز کے قریب تھا۔[47] علامہ موصوف کی ایک تحریر سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ کے مرتب کردہ قرآن کے علاوہ شیعوں کے ہاں ایک اور قرآن بھی تھا جو مصحفِ فاطمہ کہلاتا تھا۔ اس کے متعلق ان کی رائے ہے :-

وان عندنا المصحف فاطمہ علیہا السلام وما یدریھم ما مصحف فاطمہ قال مصحف فیہ مثل قرانکم ھٰذا ثلاث مرات واللہ ما فیہ من قرانکم ھذا حرف واحدٌ۔[48]

یعنی مصحف فاطمہ اس قرآن سے، جو لوگ لئے پھرتے ہیں، تین گنا ضخیم تھا اور خدا کی قسم اِس قرآن کا ایک لفظ بھی اُس مصحف میں نہیں ہے۔

---

[46] ایضاً، ص ۲۶۴

[47] ایضاً، ص ۲۴۰۔ صحیفۃٌ طولہا سبعون ذراعا۔ [48] ایضاً، ص ۱۴۶

مشہور شیعی عالم سید نجم الحسن نے "مقبولِ احمد" کے نام سے اردو میں قرآنِ پاک کی ایک تفسیر لکھی ہے، جسے افتخار بک ڈپو کے مالکان نے لاہور سے شائع کیا ہے۔ اس تفسیر میں سید نجم الحسن سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۴ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادقؒ کے خیال میں یہ آیت یوں تھی۔ ولتکن منکم ائمۃٌ یدعون الی الخیر۔ الخ [49] لیکن اب قرآن میں یہ آیت یوں درج ہے۔ ولتکن منکم اُمّۃٌ یدعون الی الخیر۔۔۔۔ الخ [49]۔

سید نجم الحسن صاحب سورہ آل عمران کی اس آیت۔ کنتم خیر اُمّۃ اخرجت للناس۔ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی صاحب نے امام جعفر صادقؒ کے سامنے یہ آیت پڑھی تو وہ ناراض ہو کر اس شخص سے پوچھنے لگے کہ بھلا جس اُمت نے حسنین علیہما السلام کو شہید کیا وہ کس طرح "خیر امّۃ" کہلانے کی مستحق ہے؟ اس شخص نے کہا کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں، پھر یہ آیت کس طرح ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ آیت یوں ہے۔ انتم خیر ائمۃٍ اخرجت للناس [50]۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اوّل یہ کہ ان کے عقیدہ کے مطابق امام جعفر صادقؒ خود تحریف قرآن کے قائل تھے۔ دوم یہ کہ قرآن میں جہاں کہیں بھی "ائمۃ" کا الفاظ آیا ہے وہاں اصحابؓ نے قرآن کی تدوین کے وقت اس کی جگہ "اُمّۃ" لکھ دیا۔

سید علی نقی لکھنوی، صدر شعبہ شیعہ دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ موجودہ دور کے ممتاز شیعی علماء میں شمار ہوتے ہیں اور راقم کو ان کی خدمت

---

۴۹ مقبول احمد، ص ۱۲۴ ۔ ۵۰ ایضاً، ص ۱۲۵

میں نیاز حاصل ہے۔ ان کے تحریر فرمودہ "مقدمہ تفسیر قرآن" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں کے ہاں کوئی ۔ سورۂ ولایت ۔ بھی تھی جو اب قرآن میں موجود نہیں [51]۔

غرض شیعی علماء کی تحریروں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؓ کا جمع کردہ قرآن موجودہ قرآن سے مختلف تھا۔ سید علی نقی صاحب لکھتے ہیں اس قرآن کو اصحابِ رسولؐ نے "سیاسی مصالح" کی بنا پر قبول نہ کیا [52]۔ وہ سیاسی مصالح کیا تھے؟ اسے علامہ محمد باقر مجلسی کی زبانی سنئے۔ وہ لکھتے ہیں۔ "چونکہ اس قرآن مجید میں چند آیات کفر و نفاق منافقانِ قوم و نقض خلافتِ جناب امیر پر صریح تھے اس وجہ سے عمرؓ نے اس قرآن کو قبول نہ کیا۔ پس جناب امیر غضبناک اپنے حجرۂ طاہرہ کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اس قرآن کو تم لوگ تا ظہور قائمِ آلِ محمد نہ دیکھو گے [53]۔ علامہ الکلینی نے بھی یہی لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے غصّہ میں آکر فرمایا۔ ماترونہٗ بعد یومکم ھذا ابداً [54]۔

حضرت علیؓ نے "اپنے جمع کردہ مصحف کو سلکِ مروارید کی طرح اپنے خزانہ خاص میں محفوظ کر لیا [55]" اور ان کے بعد نسلاً بعد نسلٍ یہ مصحف امام مہدی تک آیا اور وہ اسے لیکر غارِ سامرا میں غائب ہو گئے۔ اور جب ان کا ظہور ہوگا تو وہ اس کی اشاعت کریں گے۔ ان دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن مجید محرف ہے۔ شیخ مبارک کا بھی چونکہ یہی عقیدہ تھا، اس لئے وہ بھی شیعہ تھا۔

---

۵۱ مقدمہ تفسیر قرآن، ص ۶۵ ۔ ۵۲ ایضاً، ص ۶۹
۵۳ جلاء العیون، ص ۷۲ ۔ ۵۴ اصول کافی۔ ص ۲۷۱
۵۵ مقدمہ تفسیر قرآن، ص ۶۹

ہمارے پاس اور بھی بہت سے دلائل ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ مبارک اور اس کا پورا گھرانہ شیعہ تھا۔ شیخ کے فرزند ابوالفضل کے متعلق بدایونی لکھتا ہے کہ اس کی "کہنہ مومنانِ عراق" کے ساتھ بڑی دوستی تھی۔[۵۶] بدایونی کا کہنا ہے کہ ابوالفضل عبادت خانہ کے مباحثوں میں بڑی دلیرانہ بحث کیا کرتا تھا،[۵۷] اور دورانِ بحث کسی بزرگ کا احترام نہ کرتا تھا۔[۵۸] اگر کوئی سنّی عالم ابوالفضل کے سامنے کسی امامِ اہلِ سنت کا کوئی قول بطور حجت پیش کرتا تو وہ اس کے جواب میں کہتا تھا:-

سخن فلان حلوائی و فلان کفش دوز و فلان چرم گر بہ ما حجت می آرید دلنفی ہمہ مشائخ و علما بدو ساز وار آمد۔[۵۹]	اچھا تو اب تم فلاں حلوائی، فلاں موچی اور فلاں چمڑے والے کے قول سے مجھ پر حجت قائم کرتے ہو۔ اُسے تمام مشائخ اور علماء کا یہ انکار بہت راس آیا۔

شاہ فتح اللہ شیرازی، ملّا محمد یزدی اور حکیم ابوالفتح، ابوالفضل کے جگری دوست تھے اور وہ ڈنکے کی چوٹ شیعہ تھے۔ بدایونی کا بیان ہے کہ ان کے علاوہ اور کوئی ابوالفضل سے ملنا جلنا پسند نہ کرتا تھا۔[۶۰] ملّا احمد ٹھٹھوی نامی ایک غالی شیعہ عالم پورے ہندوستان میں اپنے عقائد کے پرچار کے ساتھ ساتھ علانیہ سبِّ صحابہ کرتا پھرتا تھا۔ جب فولاد خان برلاس نے اسے قتل کیا تو اہالیانِ لاہور اُسے کسی قبرستان میں دفن نہ ہونے دیتے تھے۔ اس موقع پر ابوالفضل

---

[۵۶] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۷۲ [۵۷] ایضاً، ص ۲۷۸
[۵۸] ایضاً، ص ۲۶۳ [۵۹] ایضاً۔ ص ۲۰۰
[۶۰] ایضاً، ص ۲۶۳

اور فیضی نے اپنے رسوخ سے کام لیکر اُسے کسی قبرستان میں دفن کر کے اس کی قبر پر پہرہ بٹھا دیا۔[۶۱] اگر ابوالفضل، فیضی یا ان کا والد شیعہ نہ ہوتے تو وہ اپنے ہم مذہب کی قبر پر پہرہ کیوں بٹھاتے؟ بدایونی کا کہنا ہے کہ ملّا احمد ٹھٹھوی پہلے اتنا دلیر اور دیدہ دہن نہ تھا۔ جب اس کی آمدورفت فیضی کے ہاں شروع ہوئی تو وہ علانیہ تبرّا کرنے لگا۔[۶۲] ملّا محمد یزدی اور ابوالفضل کی بڑی گہری چھنتی تھی اور یہ بزرگ بقول بدایونی بھرے دربار میں "طعن صریح و ناسزای قبیح بر خلفائے ثلٰثہ گفتہ و تکفیر و تفسیق عامۂ صحابہ کبار و تابعین و تبع تابعین و سلف و خلف صالحین از متقدمین و متاخرین رضی اللہ عنہم کردہ اہل سنّت و جماعت را محقر و مہان در نظر نمودن گرفتہ و غیر از مذہب شیعہ ہمہ را ضال و مضل دانانید۔"[۶۳] ابوالفضل اہلِ بیت کی طرف کس قدر مائل تھا، اس کا اندازہ اس گفتگو سے لگایا جا سکتا ہے جس میں اس نے بدایونی سے یہ سوال کیا تھا۔

ہیچ اہل حرفہ نماند کہ در تذکرۃ الاولیأ و نفحات الانس و غیر آن اسم آن مذکور نشدہ، اہلِ بیت چہ گناہ کردہ بودند کہ در آنجا داخل نساختند و این معنی لغایت محل تعجب است۔[۶۴]	کوئی پیشہ ور ایسا نہیں جس کا ذکر تذکرۃ الاولیأ، نفحات الانس یا ایسی ہی دوسری کتابوں میں نہ ہو، اہلِ بیت نے کیا گناہ کیا تھا جو ان کو وہاں جگہ نہیں دی گئی۔ یہ واقعی بڑے تعجب کی بات ہے۔

"دربارِ اکبری" میں مشہور شیعی فاضل محمد حسین آزاد کا شیخ مبارک، فیضی اور ابوالفضل

---

[۶۱] ایضاً، ص ۳۶۵ "بعد از دفن او شیخ فیضی و شیخ ابوالفضل بر قبرش محافظان گماشتند۔"
[۶۲] ایضاً، ص ۲۱۷ "ہنوز کہ در صحبت شیخ فیضی نہ پیوستہ و دلیر نشدہ بود۔"
[۶۳] ایضاً، ص ۲۵۹ [۶۴] ایضاً، ص ۲۶۲

کی طرف جھکاؤ ہی اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ شیعہ تھے۔

قاضی نور اللہ شستری صاحب مجالس المومنین بڑے غالی شیعہ عالم تھے اور ان کی فیضی کے ہاں باقاعدہ آمد و رفت تھی۔[65] حالانکہ اس عہد کے نامور سُنّی عالم شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جو مرنجان مرنج قسم کے بزرگ تھے، فیضی کے ملحدانہ عقائد سے متنفر ہو کر اس سے قطع تعلق کر چکے تھے۔[66] تاہم شیعہ علمأ کی آمد و رفت اس کے ہاں جاری تھی۔ جب فیضی کا انتقال ہوا تو بدایونی نے "دلے فلسفی و شیعی و طبیعی و دہری" کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔[67] اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا شیعہ مذہب کے ساتھ، خواہ وہ کسی نوعیت کا ہی کیوں نہ ہو، تعلق ضرور تھا۔

مشہور شیعی عالم سید علی نقی لکھنوی نے اپنی تالیف "مقدمہ تفسیر قرآن" میں شیعہ مفسرین کی جو طویل فہرست دی ہے اس میں فیضی کا نام بھی موجود ہے۔[68]

عرفی شیرازی بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ فیضی کے ہاں اس کی آمد و رفت کے متعلق کئی لطائف زبان زد خلائق ہیں۔ بدایونی کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی سلف کے متعلق بے ادبانہ انداز میں گفتگو کیا کرتا تھا۔[69] شاہ فتح اللہ شیرازی اور ابوالفضل کی آپس میں بڑی دوستی تھی اور وہ دونوں عبادت خانہ میں دلیرانہ بحث کیا کرتے تھے۔ جب بادشاہ کا عتاب سُنّی علما پر نازل ہوا تو پھر کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ بادشاہ کے حضور میں نماز ادا کر سکتا،

[65] ایضاً، جلد ۳، ص ۱۳۸ [66] حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۴۲

[67] ایضاً - جلد ۲، ص ۴۰۶ [68] مقدمہ تفسیر قرآن، ص ۱۶۲

[69] ایضاً، ص ۳۷۵

ان دونوں شاہ فتح اللہ بادشاہ کے سامنے بڑے سکون کے ساتھ امامیہ طریقہ کے مطابق نماز ادا کیا کرتا تھا۔[70]

ان شیعہ بزرگوں کی صحبت میں رہتے ہوئے اور ان کی دلیرانہ بحثیں سنتے سنتے بادشاہ کے دل میں بھی صحابہؓ کبار اور صالحین سلف کے خلاف شکوک پیدا ہو گئے تھے بدایونی کا کہنا ہے کہ وہ "قصہ زفاف حضرت ختمی پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم با صدیقہ رضی اللہ عنہا را مطلقاً منکر بود۔"[71] اسی طرح جب بادشاہ نے تاریخ الفی لکھنے کا حکم دیا تو بدایونی حضرت عمرؓ کے عہد کے واقعات لکھنے پر مامور ہوا۔ اس کا کہنا ہے کہ جب میں نے تعمیر کوفہ، ہدم قصر الامارة، تعیین اوقات صلوٰة خمسہ، فتح شہر نصیبین اور اُمّ کلثوم اور حضرت عمرؓ کے نکاح کے واقعات لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کئے تو وہ بہت برافروختہ ہوا اور مجھے اپنی جان بچانی مشکل ہو گئی۔[72] اس واقعہ کے بعد ملّا احمد ٹھٹھوی جیسا غالی شیعہ یہ واقعات دوبارہ لکھنے پر مامور ہوا۔[73] اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اکبر تاریخ اسلام کو شیعہ نظریات کے مطابق لکھوانا چاہتا تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ شیخ مبارک اور اس کے بیٹے شیعہ تھے اور جن دنوں شیخ مبارک نے محضر پیش کیا، ان دنوں اکبر شیعوں کے زیر اثر رہ کر ان کے اکثر و بیشتر نظریات قبول کر چکا تھا۔ ہم آئندہ

[70] ایضاً، ص ۳۱۵ "نماز بفراغ بال و جمعیت خاطر بمذہب امامیہ میگذارد"

[71] ایضاً، ص ۳۳۸، [72] ایضاً، ص ۳۱۸ - ۳۱۹

[73] ایضاً، ۳۱۹۔

سطور میں اس بات کا تفصیلی جائزہ لیں گے کہ اکبر کو علمائے وقت سے "امام عادل"، اور اس کے علاوہ "اعقل" اور "اعلم باللہ" تسلیم کروانے سے شیخ مبارک، اس کے "ہوش ربائے زمان و زمانیان" فرزند اور ان کے ہم مذہب اصل میں کیا چاہتے تھے۔

بابر کے عہد حکومت میں خلافت ترکان عثمانی میں منتقل ہو چکی تھی اور دنیا بھر کے سُنّی سلطان سلیم کو خلیفہ تسلیم کر چکے تھے، اس لئے سلطانِ ترکی کے مقابلے میں اکبر کے لئے دعویٰ خلافت کرنا ممکن نہ تھا۔ یوں بھی اسلامی قانون کی رو سے دنیائے اسلام میں بیک وقت دو خلیفے نہیں ہو سکتے[۷۴]، اس لئے شیخ مبارک نے محضر کی رو سے اکبر کو "امام" بنا دیا۔ اس جگہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ شیعوں کے عقیدہ کے مطابق خلیفہ کی موجودگی میں "امام" ہو سکتا ہے، جیساکہ شیخین رضؓ کے دورِ خلافت میں حضرت علیؓ یا بنوامیہ اور بنو عباس کے زمانے میں ان کی اولاد میں سے باقاعدہ "امام"، موجود تھے۔

اس زمانے میں سیدھے سادے سنیوں کے لئے "امام" ایک معمولی لقب کی حیثیت رکھتا ہوگا لیکن شیعوں کے نزدیک اس لقب کی حیثیت اس سے کہیں زیادہ تھی۔ غیر عرب قوموں خصوصاً ایرانیوں نے اپنے حاکموں کو بعض ربّانی صفات سے متصف کر کے انہیں خدائی حقوق (DIVINE RIGHTS) دے رکھے تھے[۷۵]۔ اکبر کو امام عادل اور امام زمان بنانے میں شیخ مبارک، کا دراصل یہی مقصود تھا کہ وہ لامحدود اختیارات کا مالک بن جائے۔

---

[۷۴] i- الاحکام السلطانیہ للماوردی، ص ۹۔ ii- الاحکام السلطانیہ لابو یعلیٰ، ص ۲۵

[۷۵] اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا، جلد ۴، ص ۱۸

جب اکبر کے حکم سے بدایونی نے مہابھارت کا فارسی میں ترجمہ کیا تو ابوالفضل نے اس پر چھتیس صفحات کا مقدمہ لکھا جو بقول بدایونی۔ الکفریات والحشویات۔ کا مجموعہ ہے[۷۶]۔ اس مقدمہ کو پڑھ کر یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ شیخ مبارک اور اس کے بیٹے اکبر کو امام عادل بنا کر دراصل اُسے شیعہ اور خاص کر اسمٰعیلی امام کے پورے اختیارات دلوانا چاہتے تھے۔ ابوالفضل نے اکبر کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے "آن سلطان عادل و برہانِ کاملِ ولیل قاطع خدادانی و حجت ساطع رحمت روحانی قافلہ سالار حقیقی و مجازی"[۷۷]۔ اس کے علاوہ وہ اکبر کو "پیشوائے خداشناسان و مقتدائے ہدیٰ اساسان" کے علاوہ "قبلہ خدا آگاہان" "پردہ بر انداز اسرار غیبی" "چہرہ کشای صورت لاریبی" اور "قاسم ارزاق بندگان الٰہی" بتاتا ہے[۷۸]۔ یہ آخری لقب غالباً ان داتا کی مہذب صورت ہے۔

وہ اکبر کو "ہادی علی الاطلاق و مہدی باستحقاق" کے القاب سے بھی یاد کرتا ہے[۷۹]۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ مبارک اور اس کے بیٹوں نے اکبر کو باقاعدہ مہدی موعود بنا دیا تھا۔ مہدی کے لئے شیعہ حضرات عموماً صاحب الزمان کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں[۸۰]۔ بدایونی نے ایک موقع پر لکھا ہے کہ اکبر کے بعض خوشامدیوں نے اُسے یہ باور کرا دیا تھا کہ وہی "صاحبِ زمان" ہے کیونکہ اس میں مہدی کی بڑی نمایاں علامات موجود ہیں[۸۱]

---

[۷۶] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۲۱ [۷۷] مہابھارت، ص ۱۴

[۷۸] ایضاً، ص ۵-۶ [۷۹] ایضاً، ص ۵

[۸۰] النافع للفاضل المقداد، ص ۵۹ [۸۱] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۸۰

زمانیاں[88]" اور یہ ایک حقیقت ہے کہ مہابھارت کا مقدمہ ہر لحاظ سے ہوش رُبا ہے ورنہ بدایونی اُسے "الکفریات والحشویات" کا مجموعہ قرار نہ دیتا۔

ڈاکٹر احمد بشیر صاحب نے اپنے تحقیقی مقالہ میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ عبادت خانہ کے مباحثوں میں ابوالفضل کا اندازِ بحث اور اکبر کو مہدی بنانے کا نظریہ عملی طور پر اسمٰعیلی ہیں۔ اس نے اکبر کو جو لامحدود مذہبی اختیارات دیئے ہیں اور اُسے علم لدّنی کا حامل بتلاتے ہوئے اس کے ساتھ جو معجزات منسوب کئے ہیں وہ اکبر کو اسمٰعیلی امام کا ہم پلّہ بنا دیتے ہیں[89]۔

ڈاکٹر احمد بشیر صاحب کے اس بیان کی روشنی میں اگر ہم اکبر کے متعلق ابوالفضل کی تمام تحریروں کو جمع کریں تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ واقعی اکبر کو شیعہ یا اسمٰعیلی امام کی جملہ صفات سے متصف کر دیتا ہے۔

شیعوں اور اسمعیلیوں کے عقیدہ کے مطابق ان کا امام مادر زاد ولی ہوتا ہے اور اس کی ماں "طاہرہ" اور "معصومہ" ہوتی ہے۔ اس کو مدِنظر رکھتے ہوئے ابوالفضل لکھتا ہے کہ جب اکبر شکم مادر میں تھا تو اس کی ماں کو بشاراتِ غیبی و اشاراتِ قدسی ہوا کرتے تھے[90] اس عبارت سے وہ مریم مکانی (حمیدہ بانو) کو حضرت مریمؑ بنانا چاہتا ہے، اور اس بشاراتِ غیبی و اشاراتِ قدسی سے وہ — اذقالتِ الملٰئکۃ یٰمریمُ اِنَّ اللہَ یُبشّرکِ بِکلِمۃٍ مِنْہُ — مُراد لیتا ہے۔

ابوالفضل لکھتا ہے کہ جن دنوں اکبر شکم مادر میں تھا ان دنوں اس کی ماں کی حالت عجیب تھی۔ اس کے الفاظ ہیں :-

---

[88] مکاتبات علامی، ص ۳ [89] ریلیجس پالیسی آف اکبر، ورق ۹۵ - ۹۶
[90] اکبر نامہ، جلد اوّل، ص ۱۱

پاک نہادی کہ درّۂ مانِ جنین که گوہر یکتائی معدن و مسیح جانفزائی مہد بطون بود انوار ظاہر از جبین حضرت مریم مکان ادام اللہ تعالیٰ برکاتہا وعفتہا بمثابہ می درخشید کہ جمعی کہ بر سرِ این امر واقف بودند ہمین پنداشتند کہ مگر چراغ بر روی نہادہ اند[91]

ولادت سے قبل جب یہ پاک فطرت اور یگانہ موتی ابھی کان میں تھا یا یوں کہیے کہ مسیح جانفزا ابھی رحم کے گہوارے میں تھا، حضرت مریم مکانی، اللہ تعالیٰ اس کی برکت اور عفت کو قائم و دائم رکھے، کی پیشانی پر ایسے انوار نظر آتے تھے کہ واقف حال لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس کے چہرہ پر چراغ رکھا ہوا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب "صاحب زمان" شکمِ مادر میں ہو گا تو پھر اس کی ماں کے چہرہ پر اگر انوار نظر نہ آئیں گے تو پھر اور کیا نظر آئے گا۔؟

جب مریم مکانی کے بطن سے اکبر پیدا ہُوا تو دیکھنے والوں نے یہ دیکھا کہ:۔

میان صغرِسن و فراغِ ایامِ رضاعت کہ عنفوانِ صفحۂ زندگانی و عنوانِ عقلِ ہیولانی ست انوارِ رشد و ارشاد از ناصیہ احوالِ او می تافت و آثارِ امتیاز و اصطفا از زائچۂ اقبال او ظاہر میشد و در ہنگامیکہ تکلم متعارف میکرد کلمات غریبہ و عبارات بدیعہ ظہور می یافت چنانچہ از قوابل و عفایف کہ ملازمانِ مہد مقدس بودند بتفصیل مرویست[92]

صغرسنی اور ایام شیر خوارگی میں، جو زندگی اور عقل کا آغاز سمجھے جاتے ہیں، رشد و ارشاد کے انوار اسکی پیشانی سے عیاں تھے اور اس کے زائچۂ اقبال میں بزرگی اور بڑائی کے آثار نظر آتے تھے، جب وہ باتیں کرنے کے قابل ہوا تو اس کے منہ سے عجیب و غریب کلمات نکلتے ایسی باتیں دائیوں اور کھلائیوں سے تفصیل کے ساتھ سننے میں آتی ہیں۔

---

[91] مہابھارت، ص ۹ [92] ایضاً۔

ابوالفضل نے مہابھارت کے مقدمہ میں اکبر کو "خلیفۃ اللہ" بھی لکھا ہے۔[۸۲] شیعہ حضرات مہدی کو خلیفۃ اللہ ہی سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اپنے ظہور کے بعد دُنیا میں خلافتِ الٰہیہ قائم کریں گے۔ ابوالفضل کی اس تحریر سے بدایونی کے اس بیان کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ اکبر کے خوشامدی یہ کلمہ پڑھا کرتے تھے۔[۸۳]

لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ

اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اکبر کا اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست تعلق تھا اور اس کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان نبی کریمؐ کا واسطہ ضروری نہیں۔

ابوالفضل نے اکبر کو ایسی ایسی صفات سے متصف کیا ہے جس کا وہ کسی طرح بھی اہل نہ تھا۔ "امام"، کی وہ کونسی صفت ہے کہ جو اکبر میں نہیں پائی جاتی؟ اُسے مہدی اور خلیفۃ اللہ لکھ کر بھی ابوالفضل کی تسلی نہیں ہوئی۔ وہ اس "نئے ظہور"، کو اس سے بھی بڑا مقام دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ مہابھارت کے مقدمہ کے آخر میں اس نے اکبر کو "خلاصۂ آفرینش" لکھا ہے۔[۸۴] ہمارے خیال میں اکبر کو خلاصۂ آفرینش لکھتے وقت ابوالفضل کے ذہن میں لولاک لما خلقت الافلاک کی حدیث تھی۔[۸۵] حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی شخص خلاصۂ آفرینش کہلانے کا مستحق نہیں۔ ابوالفضل نے اپنے "امام"، کو اس لقب سے ملقب کر کے حضورؐ کا ہم پایہ بنا دیا ہے۔

---

۸۲ مہابھارت، ص ۵ ۸۳ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۷۳

۸۴ مہابھارت، ص ۲۶ ۸۵ اکثر محدثین کے نزدیک یہ حدیث موضوع ہے ملاحظہ ہو۔ المصنوع فی الاحادیث الموضوع۔ ص ۲۲

قارئین کرام کو یاد ہو گا کہ جب کبھی اسمٰعیلیوں کے امام سر آغا خان مرحوم نیروبی کراچی یا بمبئی کے دورہ پر جاتے تو وہ اسمٰعیلی لڑکوں اور لڑکیوں کے نکاح بکثرت پڑھایا کرتے تھے۔ یہ اسمٰعیلی امام کا ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے فرقہ کے لڑکوں اور لڑکیوں کے رشتے طے کر کے انہیں رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دے۔ اکبر نے جب امام عادل ہونے کا دعویٰ کیا تو وہ اپنے اس فرض سے غافل نہ تھا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ مینا بازار کے موقع پر اکبر بنفسِ نفیس وہاں جاتا اور اس کے ایما پر "مناکحت و مواصلت ابناء و بنات دران مجلس قرار یافت"۔[۸۶]

بدایونی نے عبادت خانہ میں ابوالفضل کے حربے اور محضر کی رو سے اکبر کو امام بنانے کی سکیم دیکھ کر صورت حال کا صحیح اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ ایک موقع پر ابوالفضل کے متعلق لکھتا ہے "آتش در جہان انداخته و چراغ صباحیان که چراغ گرفتن در روز روشن داشت، روشن گردانیده"[۸۷] بدایونی کی اس عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ ابوالفضل حسن ابن صباح کی مشعل لے کر دربار میں آیا اور اس نے پورے جہان کو آگ لگا دی۔ "چراغ صباحیان"، سے بدایونی اسمٰعیلی حربے اور اکبر کی امامت کی سکیم مراد لیتا ہے۔

شیخ مبارک اور اس کے فرزندوں نے جس چالاکی اور ہوشیاری سے محضر مرتب کیا تھا، اس کا جواب نہیں ہو سکتا۔ لفظوں کے ہیر پھیر میں وہ اکبر کو کیا سے کیا بنا گئے ہیں۔ ابوالفضل نے مہابھارت کے مقدمہ میں اپنی چالاکی سے اکبر کو جن صفات سے متصف کیا ہے اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کا بھانجا عبدالصمد اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے: "شیخ ابوالفضل وزیر خاقان ہوش ربائے زمان و

---

۸۶ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۳۹ ۸۷ ایضاً، ص ۱۹۸

شیعوں اور اسمٰعیلیوں کا امام مادر زاد ولی ہوتا ہے اور اس کی پیدائش معجزانہ طور پر ہوتی ہے۔ ابوالفضل بھی اکبر کو مادر زاد ولی ظاہر کر کے اس کی پیدائش عام بچوں سے مختلف بتاتا ہے۔ جس طرح قرآن پاک میں حضرت عیسٰیؑ کے متعلق یہ آیت اُتری ہے۔ وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ۔ اسی طرح ابوالفضل یہ لکھتا ہے کہ اکبر ایامِ رضاعت میں "مسیح وار" لوگوں سے باتیں کیا کرتا تھا۔[93] اس کی یہ باتیں دودھ پا کھلونوں کی بجائے رشد و ہدایت کے موضوع پر ہوا کرتی تھیں اور لوگ اس کے منہ سے "کلمات غریبہ و عبارات بدیعہ" سن کر حیران ہوتے تھے۔[94] اس نئے ظہور نے رشد و ہدایت کا جو سلسلہ اپنے بچپن میں شروع کیا تھا وہ آخر عمر تک جاری رہا۔ ابوالفضل اکبر کو "ہدایت پناہی" کے لقب سے یاد کر کے لکھتا ہے: "کہ از یمن او جندی گم گشتگان بیابان ضلالت راہ طلب سپردہ پی بمقصود حقیقت بردہ اند۔"[95] انسان تو رہے ایک طرف، اس کی نظر کیمیا اثر سے کئی درندے گزند پہنچانے سے باز آ گئے۔[96] ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے بھی ولایت پناہی "خود را در جلباب کتمان و استتار خفا میدارد۔"[97]

اکبر چونکہ مادر زاد ولی تھا، اس لیے اس سے بچپن ہی میں کرامات ظاہر ہونے لگی تھیں۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ جب ہمایوں قلعہ بالا حصار پر گولہ باری کر رہا تھا تو کامران میرزا نے اکبر کو قلعہ کی فصیل پر بٹھا دیا۔ یہ اکبر کی کرامت تھی کہ اُسے اندھا دھند گولہ باری کے دوران خراش تک نہ آئی۔[98] ہمارے خیال میں یہ سب باتیں اکبر کو شیعہ یا اسمٰعیلی امام کی طرح مادر زاد ولی ظاہر کرنے کی خاطر گھڑی گئی ہیں۔

---

۹۳ اکبرنامہ، جلد اوّل۔ ص ۱۸۷ ۹۴ مہابھارت، ص ۹ ۹۵ ایضاً، ص ۱۰

۹۶ ایضا ۹۷ ایضاً، ص ۱۱ ۹۸ اکبرنامہ، جلد اوّل، ص ۲۶۶

جس طرح شیعہ یا اسمٰعیلی امام علم لدنّی رکھتا ہے اسی طرح اکبر کو بھی علم لدنّی حاصل تھا،[99] ابوالفضل لکھتا ہے کہ وہ ایک سال کی عمر تک کے واقعات لفظ بلفظ بتا سکتا تھا اس کے فیل خانہ میں ہزاروں ہاتھی ہیں وہ فرداً فرداً ان سب کے نام جانتا ہے۔ ہاتھیوں کا تو ذکر ہی کیا وہ شاہی اصطبل کے ہر گھوڑے اور شاہی چڑیا گھر کے ہر جانور کا نام جانتا ہے۔[100] دراصل ابوالفضل یہ کہنا چاہتا تھا۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا۔ لیکن "خوفِ فسادِ خلق" کے پیش نظر اس نے دوسرے الفاظ میں اظہارِ خیال کرنا مناسب جانا۔

اکبر کے علم لدنّی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جس پیچیدہ مسئلے کو بڑے بڑے فلسفی سلجھا نہ سکتے تھے اور جس مشکل کا کوئی نکتہ ور بل کر حل تلاش نہ کر سکتے تھے، اُسے اکبر چٹکیوں میں سلجھا دیتا تھا۔ ابوالفضل رقمطراز ہے: "بمسئلہ از دقایق علوم کہ دقیق نگران کم تواند بود توجہ عالی میثماید آنقدر سخن بلند از زبان غیبی ترجمان او سر میزند کہ دانشمندان روزگار و حکمت پروران تجرو شعار کہ عمرہا در چراغ بافکار عمیق تحقیق نمودہ اند از ادراک آن تقاعدی میثماید نکیف کہ خود را متعہد جواب پسندیدہ خاطر اشرف گرداند۔"[101] غالباً حافظ نے اکبر کے متعلق ہی یہ کہا تھا:

نگارِ من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

شاہ فتح اللہ شیرازی، جس کی علمیت کو ابوالفضل ان الفاظ میں خراجِ عقیدت

---

۹۹ مہابھارت، ص ۱۲ ۱۰۰ ایضاً۔

۱۰۱ ایضاً، ص ۸

پیش کرتا ہے کہ اگر علم و فضل کی تمام کتابیں تلف ہو جائیں تو بھی شاہ فتح اللہ مطلق فکر مند نہ ہو بلکہ وہ اپنے حافظہ سے علم و فضل کی ایک نئی عمارت کھڑی کر دے۔[102] وہ اکبر کے متعلق یہ کہا کرتا تھا: "اگر در خدمت این کثرت آرائی وحدت گزین نمی رسیدیم راہے بایزد شناسی نمی بردم"[103] اس جگہ یہ بات ذہن میں رہے کہ شیعوں اور اسمٰعیلیوں کا امام اپنے دور میں اعلم و اعقل ہوتا ہے اور محضر نامہ کی رُو سے شیخ مبارک نے اکبر کو اعدل و اعقل و اعلم باللہ۔ منوالیا۔[104]

جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام لا علاج مریضوں پر ہاتھ پھیر کر انہیں چشم زدن میں صحت یاب کر دیا کرتے تھے، اسی طرح ابو الفضل کا "امام عادل" بھی پانی پہ دم کر کے لا علاج مریضوں کو پلاتا اور وہ فوراً صحت یاب ہو کر ہنستے کھیلتے اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتے تھے۔ ابو الفضل نے اپنے "مجتہدِ مرشد" کی اس کرامت کا بارہا مشاہدہ کیا تھا۔[105]

ایک دوسرے موقع پر ابو الفضل رقمطراز ہے کہ ایک شخص کی زبان کٹ گئی اسے اور تو کچھ نہ سوجھا وہ زبان لیکر شاہی محل کے دروازے تک پہنچ گیا اور اُسے دہلیز پہ رکھ کر چلا آیا۔ اکبر کی کرامت سے شام ہونے سے پہلے پہلے اسے نئی زبان مل گئی۔[106]

مندرجہ بالا بیانات کی روشنی میں اس بات کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ شیخ مبارک اور اس کے بیٹوں نے شیعی امام کی جملہ صفات سے اکبر کو متصف کر کے

---

۱۰۲ فتح اللہ شیرازی، ص ۱ ۱۰۳ مآثر الامراء جلد اوّل، ص ۱۰۲

۱۰۴ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۱۷۲ ۱۰۵ مہابھارت، ص ۱۱ "این معنی بکرات مرات مشاہدۂ این کمترین ارباب ارادت شدہ است" ۱۰۶ آئینِ اکبری، جلد اوّل، ص ۱۹۱

اُسے "امام زمان" بنا کر لامحدود اختیارات کا مالک بنا دیا۔ ہمارے خیال میں انہوں نے مذہب کی جڑوں پہ کلہاڑا چلانے کی جو سازش کی تھی اس میں وہ پوری طرح کامیاب ہوئے۔ اس سے جہاں ایک طرف علماء و مشائخ کا زور ٹوٹ گیا تو دوسری طرف شرک و بدعت کا بازار گرم ہو گیا اور حلال و حرام کی تمیز اُٹھ گئی۔

اکبر اور ہندو

اکبر کا ہندوؤں کے ساتھ ربط وضبط صلح کل پالیسی اختیار کرنے کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ وہ بچپن ہی سے ان کی طرف مائل تھا۔[1] نوجوانی کے عالم میں اس نے رانی جودھا بائی کے ساتھ شادی کر لی اور اس کے بعد متعدد ہندو بیویاں اس کے حرم میں موجود رہیں۔ ان کی صحبت میں رہ کر اکبر نے ہندوؤں کے رسم ورواج کا بڑے قریب سے مطالعہ کیا اور اسلام سے کم واقفیت کی بنا پر اس نے ہندوؤں کی بہت سی رسومات اپنا لیں۔ اس کے علاوہ اس نے ہندوؤں کے علوم وفنون کی سرپرستی کی اور ان کی مذہبی وتاریخی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ ان کتابوں کے فارسی ترجمہ نے مسلمانوں کے افکار کو بُری طرح متاثر کیا اور مسلمانانِ ہندو مزاج کا ایک گروہ پیدا ہو گیا۔[2] ملا عبدالقادر بدایونی، ملا تقی ششتری کے حالات میں لکھتا ہے کہ وہ ہمیشہ آفتاب کے ساتھ جلت عظمتہٗ و عزشانہٗ لکھا کرتا تھا۔[3]

---

[1] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۱۶۱ "شاہنشاہی را از صغر سن باز بطوائف مختلف از براہمہ و بادفروشان و سایر اصناف ہندوان ربطی خاص والتفاتی تمام است۔"

[2] ایضاً، ص ۲۶۹ [3] ایضاً، ص ۴۰۴

اکبر کا بعض ہندوؤں سے خاصا میل جول تھا، خصوصاً بیربر کے ساتھ بڑے گہرے مراسم تھے۔ بدایونی لکھتا ہے کہ اکبر اور بیربر بظاہر دو قالب تھے لیکن باطن میں لحمک لحمی و دمک دمی۔ ہو چکے تھے۔[4] بیربر نے اکبر کو اسلام سے برگشتہ کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ بیربر کے علاوہ پرکھوتم اور دیوی برہمن بھی اکبر کے منظورِ نظر تھے اور وہ رات کی تنہائیوں میں ان سے ہندوؤں کے عقائد پر تبادلۂ خیال کیا کرتا تھا۔[5] بدقسمتی سے جن دنوں اکبر اسلام سے برگشتہ ہوا انہی ایام میں دکن کا ایک برہمن بھاون نام مسلمان ہو گیا۔ ؎

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

بادشاہ نے اُسے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کو فارسی میں ترجمہ کرنے پر مامور کیا۔ بھاون جب کبھی بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوتا تو اس کے سامنے بعض دقیق مسائل کی تشریح اپنے مخصوص رنگ میں بیان کرتا تھا۔[6] اس نے ہندوؤں کے عقائد کو مسلمانوں کے عقائد سے ملا کر ایک معجونِ مرکب تیار کی۔ بدایونی کا خیال ہے کہ اکبر کی گمراہی میں اس کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔

پرکھوتم کے زیرِ اثر اکبر تناسخ کا قائل ہوا اور دیوی نے اُسے آفتاب اور کواکب پرستی کی تعلیم دی۔[7] تناسخ پر اکبر یقینِ کامل رکھتا تھا اور اس کے بغیر ثواب وعذاب اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔[8] ابوالفضل لکھتا ہے کہ اکبر کہا کرتا تھا کہ جب نبھی میں یہ سنتا تھا کہ ازمنۂ قدیم میں خدا نے فلاں نبی کی اُمت کو نافرمانی کی

---

[4] ایضاً، ص ۱۶۱ [5] ایضاً، ص ۲۵۷

[6] ایضاً، ص ۲۱۲-۲۱۳ [7] ایضاً، ص ۲۵۷

[8] ایضاً، ص ۲۷۳ "ثواب وعقاب را بغیر از طریق تناسخ محال شمرند۔"

پاداش میں بندر یا کوئی اور جانور بنا دیا، تو میں اسے ناممکن سمجھتا تھا، لیکن جب سے میں تناسخ کا قائل ہوا ہوں تب سے یہ بات میری سمجھ میں آگئی ہے کہ ایسا ممکن ہے۔[9]

ابو الفضل اور اس کے ہم مذہب بھی تناسخ پر یقین کامل رکھتے تھے مشہور شیعی مؤرخ سر امیر علی رقمطراز ہے کہ "اس میں کوئی شک نہیں کہ شیعوں کے بعض فرقے مثلاً نعمانیہ، خطابیہ اور اسحاقیہ تناسخ پر یقین رکھتے تھے۔[10] ہمارا ایک ہم عصر اسمٰعیلی مؤرخ علی محمد، جان محمد جِبارا اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اسمٰعیلیوں کے بعض فرقے نہ صرف یہ کہ تناسخ کے قائل ہیں بلکہ وہ فاطمی خلیفۂ حاکم کو خدا کا اوتار بھی مانتے ہیں۔[11] حاکم کے عہد میں مصر کے ذمّی اُسے "یا ربنا" کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔

اسی طرح دروزی فرقہ کے پیرو بھی تناسخ کے قائل ہیں۔[12] ہم گذشتہ صفحات میں اس بات کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ کر چکے ہیں کہ اخوند درویزہؒ نے قبائلی علاقہ میں ایسے بے شمار خود ساختہ قطبوں، غوثوں اور نبیوں کی نشاندہی کی ہے جو تناسخ کے قائل تھے، آئینِ اکبری، منتخب التواریخ، مخزنِ اسلام اور تذکرۃ الابرار و الاشرار کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکبر کے عہد میں بیشتر "ضال و مضل"، تناسخ کا پرچار کرتے پھرتے تھے۔ ہندوؤں اور ہندو مزاج مسلمانوں کی صحبت میں رہتے ہوئے اکبر بھی تناسخ پر یقین کامل رکھنے لگا تھا اور دینِ الٰہی کے پیروؤں کے لئے اس عقیدہ پر ایمان

---

[9] آئینِ اکبری، جلد ۳، ص ۳۰۳۔ "میفرمود کہ اگر کتب سماوی بر گوید کہ برخے عصیان گرای با متان بصورت بوزنہ و خوک بر آمدند باور افتد"۔

[10] دی سپرٹ آف اسلام، ص ۳۴۳ [11] نور المبین حبل اللہ المتین، ص ۲۹۸

[12] ایضاً، ص ۲۹۹۔

رکھنا لازمی تھا۔ اکبر کا خلیفہ اوّل ابو الفضل انہیں تناسخ کے مسائل سمجھایا کرتا تھا۔

ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کے ساتھ اکبر کو ایک گونا عقیدت تھی اور وہ ان کے جنم دن بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایا کرتا تھا۔ اکبر کے متعلق ہمیں یہ روایت ملتی ہے کہ وہ اکثر چتیبنیہ کی مدح میں بھجن گایا کرتا تھا۔ اسی طرح اس کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ وہ "لاٹاں والی دیوی"، کا بھی مداح تھا اور ایک بار وہ ننگے پاؤں اس کے درشن کے لئے کانگڑہ گیا تھا۔ رام اور سیتا کے ساتھ اس کی عقیدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے کچھ ایسے سکے ڈھلوائے تھے جن پر رام و سیتا کی مورتیں موجود تھیں۔ مشہور مؤرخ اسٹینلے لین پول نے برٹش موزیم لندن کے مغل سکوکات کی جو فہرست تیار کی تھی، اس میں پانچویں پلیٹ پر ایک ایسے سکے کا عکس موجود ہے جس میں رام تیر و کمان لئے کھڑا ہے اور اس کے پیچھے سیتا ایک لمبا سا گھونگھٹ نکالے کھڑی ہے۔[13]

بدایونی رقمطراز ہے کہ اکبر کو ہندو جوگیوں کے ساتھ بڑی عقیدت تھی اور اس نے آگرہ کے نواح میں جوگی پورہ کے نام سے ایک بستی آباد کی تھی جس میں جوگی رہتے تھے اور حکومت کی طرف سے ان کی دیکھ بھال اور خورد و نوش کا انتظام کیا جاتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ اکبر رات کے وقت ادھر جا نکلتا اور ان سے ویدانت کے مسائل پر رات رات بھر گفتگو کرتا رہتا۔[14] بدایونی لکھتا ہے کہ اکبر کے ہندو مصاحبوں نے اُسے یہ باور کرا دیا تھا کہ جوگیوں اور سنیاسیوں

---

[13] دی کوئنز آف دی مغل ایمپررز آف ہندوستان اِن دی برٹش میوزیم، ص ۳۴

[14] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۱۲ - ۲۱۳

کی عمریں بڑی طویل ہوتی ہیں اور عام آدمی کی نسبت ان کی عمر کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کا جب فارسی میں ترجمہ ہوا تو بادشاہ کو یہ معلوم ہوا کہ ان کے بزرگوں کی عمریں لاکھوں اور ہزاروں سال کی ہوتی ہیں۔ فطری طور پر اکبر کے دل میں بھی طویل مدّت تک زندہ رہنے کی خواہش چٹکیاں لینے لگی اور وہ طویل عرصہ تک زندہ رہنے کا گر سیکھنے کے لیے جوگیوں کے پاس جانے لگا۔[15]

ہندو مذہب کی طرف اکبر کا جھکاؤ دیکھ کر برہمنوں نے اپنا حلوہ مانڈا سیدھا کرنے کی ایک سکیم تیار کی۔ بدایونی لکھتا ہے کہ وہ اپنے کتب خانوں سے پرانی پرانی پوتھیاں نکال کر اس کے پاس لاتے اور اسے بتاتے کہ آج سے اتنا عرصہ پیشتر ہمارے بزرگ یہ لکھ گئے ہیں کہ ہندوستان میں ایک عادل بادشاہ پیدا ہوگا جو گائے کا احترام اور برہمن کی عزت کرے گا۔[16] ان کی باتیں سن کر اور پرانے مسودے دیکھ کر بادشاہ برہمنوں کا پہلے سے کہیں زیادہ احترام کرنے لگا اور گائے کی تعظیم کو اس نے اپنا شعار بنا لیا۔

آئین اکبری میں "آئین گاؤ دیدن" کے تحت ابوالفضل لکھتا ہے کہ بادشاہ گائے کو دایۂ روزگار سمجھتے ہوئے اس کا دل و جان کے ساتھ احترام کیا کرتا تھا۔[17] ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق ہر بدھ کے روز اور دیوالی کے موقعہ پر گائے کے درشن کو باعثِ سعادت سمجھتا تھا۔[18] اسی وجہ سے ہندو مزاج اکبر نے ذبیحۂ گاؤ پر پابندی عائد کر دی،[19] اور گائے کے ساتھ ساتھ اس کے

[15] ایضاً، ص ۳۲۴، ۳۲۵ [16] ایضاً، ص ۳۲۶

[17] آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۱۹۵ [18] ایضاً،

[19] ا۔ ایضاً، ص ۳۴۹۔ اا منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۷۶

گوبر کو بھی پوتر قرار دے دیا۔[20]

بعض برہمنوں نے اکبر کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ ایک بار خدا نے (نعوذ باللہ) سؤر کے روپ میں اوتار لیا تھا۔ اس لیے صبح سویرے سؤر کا درشن باعثِ سعادت ہے۔[21] بدایونی لکھتا ہے کہ بادشاہ نے شاہی محل میں اپنی خوابگاہ کے قریب سؤر پال لیے تھے[22] اور صبح کے وقت جب بیدار ہوتا تو اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر کسی ملازم کو آواز دیتا۔ وہ بادشاہ کا ہاتھ تھام کر اسے ایک جھروکے میں لے جاتا جس کے نیچے سؤر بندھے رہتے تھے۔ بادشاہ جھروکہ میں پہنچ کر اپنی آنکھیں کھولتا اور اس طرح صبح نور کے تڑکے وہ ساری مخلوق سے پہلے انہیں دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا۔

"دختران راجہائے عظیم ہند" کی صحبت اور برہمنوں کے ساتھ "لچمک لچمی ددرک دمی" سے بادشاہ کا ذہن اس حد تک بدل گیا تھا کہ وہ گوشت خوری سے کامل پرہیز کرنے لگا تھا۔ "آئین صوفیانہ" کے تحت ابوالفضل رقمطراز ہے کہ بادشاہ گوشت کی طرف زیادہ رغبت نہیں رکھتا۔[23] ایک اور موقع پر وہ لکھتا ہے کہ اس کے مطبخ میں گذشتہ سات ماہ سے گوشت نہیں پکا۔[24] وہ اپنے مریدوں کو بھی گوشت سے پرہیز کا مشورہ دیا کرتا تھا۔ اس کا اپنے مریدوں کو یہ حکم تھا کہ وہ اپنی پیدائش کے علاوہ ماہ آبان اور ماہ فروردین میں گوشت

[20] ایضاً، ص ۲۶۱ [21] ایضاً، ص ۳۰۵

[22] ایضاً "برغم اسلام خنزیر و کلب از نجس بودن باز مانده درونِ حرم و زیرِ قصر نگاہ داشتہ ہر صباح نظر بر آن عبادت می شمرند و ہندوان کہ حلولی اند خاطر نشان ساختند کہ خوک از ان دہ مظہر است کہ حق سبحانہٗ و عز شانہ در آنجا حلول کردہ۔"

[23] آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۶۳ [24] مہابھارت، ص ۱۳۔

تربیب بھی نہ جائیں[25] ۔ اسی طرح اتوار کے دن سورج دیوتا کے احترام میں، اکبر کے یوم ولادت اور سورج یا چاند گرہن کے موقع پر بھی ملک بھر میں گوشت کا ناغہ ہوتا تھا[26] ۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ کوتوال کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ان ایّام میں ذبیحہ روکے[27] ۔ اکبر اپنے پیروؤں سے یہ کہا کرتا تھا کہ اپنے معدہ کو " دخمہ گاہ جانوران "، نہ بناؤ اور گوشت خوری کی عادت ترک کر دو[28] ۔

ہندوؤں کی دیکھا دیکھی اکبر سورج دیوتا کا دل و جان سے احترام کرتا تھا ہندوؤں نے اُسے یہ باور کرا دیا تھا کہ سورج دیوتا بادشاہوں کا سرپرست ہے اس لئے اُسے چاہیئے کہ وہ اس کا احترام کیا کرے[29] ۔ دلیپ برہمن نے اکبر کو تسخیر آفتاب کا منتر سکھایا تھا اور وہ روز و شب میں چار بار اس کا ورد کیا کرتا تھا[30] ۔ بدایونی رقمطراز ہے کہ بادشاہ سورج کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جاتا اور سنسکرت زبان میں سورج کے ایک ہزار ایک ناموں کا ورد کرتا[31] ۔ سورج کے اتنے نام یاد رکھنا اکبر کے لئے آسان نہ تھا اس لئے ملّا شیری نے انھیں منظوم کر دیا[32] ۔ جب بادشاہ ان کا ورد ختم کرتا تو اپنے دونوں کان پکڑ کر پہلے ایک چکّر لگاتا اور پھر اپنی گردن پر ایک مکّہ رسید کرتا[33] ۔ سورج دیوتا کے ساتھ عقیدت کی بنا پر اتوار کے روز ہر قسم کا ذبیحہ بند رہتا اور اسی روز بادشاہ اپنے عقیدت مندوں کو باقاعدہ طور پر اپنے چیلوں کے زمرہ

---

[25] آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۳۵۰ - [26] ایضاً

[27] ایضاً، ص ۳۵۰ [28] ایضاً، جلد ۳، ص ۳۰۳

[29] آئین اکبری، جلد ۳، ص ۲۹۸

[30] منتخب التواریخ، جلد ۲ ص ۳۲۲ [31] ایضاً، ص ۳۲۲

[32] ایضاً، ۳۲۶ [33] ایضاً، ص ۳۲۲

میں داخل کیا کرتا تھا[34] ۔ بادشاہ کو سورج کے ساتھ جو عقیدت تھی اس کی تصدیق عرفی شیرازی کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے[35] ۔

آسمان داند کہ چون شاہِ جہان ہرگز نبود
قدر دانِ آفتاب اندر زمانِ آفتاب،

" الناس علی دین ملوکھم " کے مصداق بادشاہ کی آفتاب پرستی سے " مسلمانان ہندو مزاج "، بھی سورج کا احترام کرنے لگے تھے ۔ عہد اکبری کا مشہور شاعر عرفی شیرازی بھی اس گروہ میں شامل تھا جو بادشاہ کی دیکھا دیکھی سورج کی پرستش کرنے لگے تھے ۔ اس بات کا اعتراف عرفی نے اپنے ایک قصیدہ میں یوں کیا ہے ۔[36]

مدح خورشید و ثنای شہ کند عرفی مدام
کز مریدان شہ است و عاشقانِ آفتاب

بدایونی نے ملّا تقی ششتری نامی ایک شخص کا ذکر کیا ہے جو آفتاب کے ساتھ " جلّت عظمتہ و عزّ شانہ " لکھا کرتا تھا[37] ۔ وہ تو خیر ایرانی النسل تھا اور ایسے ماحول سے نکل کر ہندوستان آیا تھا جہاں اس کے آباؤ اجداد صدیوں تک آگ اور سورج کی پرستش کرتے رہے تھے لیکن ملا مبارک ناگوری کا فرزند ابوالفضل علامی اکبر اور اس کے چیلوں کی آفتاب پرستی پر اعتراض کرنے والے " کوتاہ بین " مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ وہ انہیں طعنہ دینے سے پہلے قرآن میں سورۃ " والشمس " کا بغور مطالعہ کریں اگر شمس واجب التعظیم نہ ہوتا تو قرآن میں اس کا ذکر کیوں آتا[38] ۔ اکبر کے سبھی مصاحب کیا ہندو کیا " مسلمانان

---

[34] آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۱۹۱ [35] قصائد عرفی، ص ۷۱

[36] قصائد عرفی، ص ۱۷ [37] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۴۰۴

[38] آئین اکبری، جلد ۳، ص ۲۹۸

"ہندو مزاج" ایک سے ذہن سے سوچتے تھے۔ راجہ دیپ چند منجھولہ بھی یہی کہا کرتا تھا کہ اگر خدا کے نزدیک گائے واجب التعظیم نہ ہوتی تو قرآن میں سورۃ البقرۃ مقدم کیوں ہوتی۔[۳۹]

سورج کی عظمت نے ہی بادشاہ کو آگ کی تعظیم سکھلائی اور اس نے ابوالفضل کو حکم دیا کہ وہ ایسا انتظام کرے کہ شاہی محل میں ہر وقت آگ جلتی رہے۔[۴۰] ابوالفضل خود بھی آگ کا بڑا احترام کرتا تھا، چنانچہ مہابھارت کے دیباچہ میں وہ آگ کو "ام العناصر" لکھتا ہے۔[۴۱]

ابوالفضل خود لکھتا ہے کہ اکبر کی ان حرکات کو دیکھ کر عوام یہ سمجھنے لگے تھے کہ وہ پارسی مذہب اختیار کر چکا ہے۔[۴۲] شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اکبر کی ان ہی مشرکانہ حرکات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اگر کوئی شخص کلمہ پڑھنے کے بعد نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کے خلاف کوئی کام کرے یا کسی بت کے آگے جھکے یا زنّار باندھے وہ یقیناً کافر ہے۔"[۴۳] امام الہند شاہ ولی اللہ اکبر کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ملحد ہو چکا اور اس نے زندیقوں جیسے طور طریقے اختیار کر لئے تھے۔[۴۴] کیا اب بھی کسی مسلمان کو اکبر کے ملحد ہونے میں شبہ ہے۔؟

---

۳۹ منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۱۱
"اگر گاؤ نزد حق تعالیٰ معظم نبودی در اوّل قرآنی چرا مذکور شدی"

۴۰ ایضاً، ص ۲۶۱ ۴۱ مہابھارت، ص ۲۵

۴۲ آئین اکبری جلد اوّل، ص ۴۴ "گیہان خدیو روشن دل نور دوستی را ایزد پرستی می شمارد و ستائش الٰہی اندیشید نادان تیرہ خاطر داد ار فراموشی و آذر پرستی خیال کنند"

۴۳ اشعۃ اللمعات، ص ۳۶ ۴۴ انفاس العارفین، ص ۱۵۴

بدایونی کی تحریروں سے مترشح ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے ایک گروہ نے اکبر کو اس بات کا یقین دلایا تھا کہ وہ رام اور کرشن کا اوتار ہے۔[۴۵] ہمارے خیال میں تلسی داس کے رامائن لکھنے اور بعد ازاں فارسی زبان میں اس کا ترجمہ ہو جانے سے شمالی ہندوستان میں رام چندر نے دوبارہ شہرت پائی تو اکبر نے رام کی طرح ایک مثالی حاکم بننے کی کوشش کی۔ اکبر نے اپنے سکوں پر رام اور سیتا کی جو تصویریں منقوش کروائی تھیں وہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔

اکبر کا وزیر راجہ ٹوڈرمل ایک کٹر ہندو تھا وہ جب تک پوجا پاٹ سے فارغ نہ ہو جاتا، اس وقت تک نہ ناشتہ کرتا نہ کسی کام کو ہاتھ لگاتا۔ سفر و حضر میں اس کے ٹھاکر اس کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ وہ سفر میں تھا اور کوچ کے وقت بھاگ دوڑ میں اس کا ٹھاکروں والا تھیلا کہیں پیچھے رہ گیا یا کسی نے کیسۂ زر سمجھ کر اڑا لیا۔[۴۶] اگلی صبح جب راجہ جی کو ٹھاکروں کی ضرورت پڑی تو تھیلا غائب پایا۔ راجہ جی نے پوجا پاٹ کئے بغیر ناشتہ کو چھونے سے صاف انکار کر دیا اور سرکاری کام سے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔ اس کے ٹھاکروں کی چوری کا واقعہ پورے کیمپ میں مشہور ہو گیا بادشاہ کو جب پتہ چلا تو اس نے راجہ جی کو کہلا بھیجا کہ اگر ٹھاکر گم ہو گئے ہیں تو ان کا انتظام کیوں کرتے ہو میں جو تمہارا ان داتا موجود ہوں، میرے درشن کر کے بھوجن کر لو۔[۴۷] اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اکبر خود کو کسی دیوتا سے کم نہ سمجھتا تھا۔

---

۴۵ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۲۶ ۴۶ ماثر الامراء، جلد ۲، ص ۱۲۵
۴۷ دربار اکبری، ص ۴۵۲

ابوالفضل اور بدایونی دونوں اس پر متفق ہیں کہ اکبر کے عہد میں درشنیہ نام کا ایک فرقہ پیدا ہو گیا تھا وہ لوگ جب تک بادشاہ کے درشن نہ کر لیتے اس وقت تک نہ مسواک کرتے نہ کھانا ہی کھاتے۔[48] جب بادشاہ سورج دیوتا کے ایک ہزار ایک نام جپ کر جھروکے میں آتا تو وہ سبھی سجدہ میں گر جاتے۔[49] عین ممکن ہے کہ اکبر نے "جھروکہ درشن" میں آکر درشنیوں کو آشیرباد دینا پرتگیزوں سے سیکھا ہو، لیکن اس میں اس کے "اجتہاد" کو بھی دخل ہے۔ درشن کے متعلق ابوالفضل نے اکبر کا یہ قول نقل کیا ہے، "میفرمودند دیدن فرماندہاں از ایزدی پرستش وانشتہ اند اورا بزبانِ روزگار ظل اللہ خوانند"[50] ہمارے خیال میں اکبر کے درشن محض ہندوؤں کے لئے ہی مخصوص نہ تھے بلکہ "مسلمان" بھی ان میں شامل تھے۔ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ نے سلطان سکندر لودھی کے عہد میں یہ فتویٰ صادر فرمایا تھا "النظر الیٰ وجہ السلطان العادل عبادۃ۔"[51] اس کے بعد چشتی صابری مسلک کے درویش سلطان عادل کی زیارت کو عبادت سمجھنے لگے تھے۔ جب شیخ مبارک نے اکبر کے سلطانِ عادل ہونے[52] کا اعلان کیا تو چشتیوں نے "عبادت" کا یہ موقعہ غنیمت جانا اور وہ بھی درشنیوں میں شامل ہو گئے۔

اکبر نے ہندوؤں کی اور بھی کئی رسمیں اپنالی تھیں۔ بدایونی رقمطراز ہے کہ

---

[48] i۔ آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۱۸۴ - ii۔ منتخب التواریخ، جلد ۲ ص ۳۲۶ [49] ایضاً

[50] آئین اکبری، جلد ۳، ص ۳۰۰ [51] مکتوبات قدوسیہ، مکتوب ۳۴ "سلطانِ عادل کا چہرہ دیکھنا بھی عبادت ہے۔"

[52] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۷۱۔

بادشاہ اکثر اپنے ماتھے پر برہمنوں کی طرح قشقہ لگاتا اور رکھشابندھن کے تہوار پر اپنی کلائی پر راکھی باندھا کرتا تھا۔[53] سنبلہ کا تہوار اس کے محل میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ جب کبھی اُسے فرصت ملتی تو وہ برہمنوں کو جمع کر کے ہون کیا کرتا تھا۔[54] جب اکبر کی والدہ کا انتقال ہوا تو اس نے ہندوؤں کے رواج کے مطابق بھدرا کروایا۔[55] اس واقعہ کے چھ سال بعد جب اس کی رضاعی ماں ماہم آنگہ فوت ہوئی تو اس موقعہ پر بھی اس نے اور اس کے خوشامدی امراء نے بھدرا کروایا۔[56] اکبر کے مصاحب خاص طور پر "مسلمانانِ ہندومزاج" بھی اس رسم کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے تھے۔ جب شیخ مبارک راہیٔ ملک بقا ہوا تو سواطع الالہام کے مصنف فیضی نے، جو بقول مولانا شبلی تفسیر لکھتے ہوئے بالکل "ملائے مسجدی" معلوم ہوتا ہے،[57] ابوالفضل کی معیّت میں بھدرا کروایا۔[58] جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ فیضی نے مثنوی نل دمن کے آغاز میں سرورِ کائنات کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں، وہ اس کے راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کا بہترین ثبوت ہیں اگر یہ واقعہ ان کے ذہن میں ہوتا تو وہ فیضی کو مسلمان کی بجائے "یکے از مسلمانانِ ہندومزاج" لکھتے۔ اگر حضورؐ کی نعت لکھنا ہی مسلمان ہونے کی دلیل ہے تو مہاراجہ کرشن پرشاد شاد اور سندر لال جیسے نعت گو ہندو شعراء بھی مسلمانوں کے زمرہ ہی میں شمار ہونے چاہئیں

---

[53] ایضاً، ص ۲۶۱ [54] ایضاً

[55] i۔ مرأت عالم، ورق ۳۵۴ الف ii۔ سوانح اکبری، ورق ۱۲۴ iii۔ اکبرنامہ، جلد ۳، ص ۶۳۱ [56] مآثر الامراء، جلد اول، ص ۲۸۵ [57] شعر العجم، جلد ۳، ص ۴۷

[58] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۸۸

آمدم بر سرِ مطلب، بات یہ ہو رہی تھی کہ اکبر نے ہندوؤں کی بہت سی رسمیں اپنالی تھیں۔ تذکرۃ الامرا کا مصنف کیول رام رقمطراز ہے کہ جب شہزادہ سلیم کی شادی راجہ بھگوان داس کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تو اس موقعہ پر رسوم شادی از جانبین لقاعدہ راجپوتیہ بعمل آمدہ[59]۔ بادشاہ تاثیر کواکب کا قائل ہو چکا تھا اور اس نے تسخیر کواکب کا عمل دیوی برہمن سے سیکھ لیا تھا[60]۔ بدایونی لکھتا ہے کہ جس دن جو سیّارہ عروج پر ہوتا، اسی کے رنگ کی مناسبت سے بادشاہ اس دن لباس پہنتا تھا[61]۔ قانون ہمایونی کا مصنف ہمیں بتاتا ہے کہ ہمایوں بھی تاثیر کواکب کا قائل تھا اور وہ بھی ہفتہ کے مختلف ایّام میں مختلف سیّاروں کی مناسبت سے مختلف رنگ کے لباس پہنا کرتا تھا[62]، عین ممکن ہے کہ اکبر نے یہ بدعت اپنے والد سے ورثے میں پائی ہو۔

ہندوؤں کے ہاں چونکہ سود لینا اور دینا دونوں جائز ہیں، اس لئے بادشاہ نے بھی سود کی حلّت کا اعلان کیا[63]۔ چونکہ ہندوؤں کے ہاں دیوالی کی رات کو جُوا کھیلنا نیک فال سمجھا جاتا ہے، اس لئے اکبر بھی جوئے کی حلّت کا قائل ہو گیا تھا[64]۔ بدایونی کہتا ہے کہ بادشاہ نے ایک قمار خانہ کھلوا دیا تھا جہاں جواریوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی اگر کوئی جواری اپنی تمام پونجی لٹا بیٹھتا تو وہ داؤ لگانے کے لئے سرکاری خزانہ سے قرض لے سکتا تھا[65]۔

---

[59] تذکرۃ الامرا، ورق ۱۳۱ ب۔ بدایونی کے بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے ملاحظہ ہو۔ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۴۱ "جمیع رسومی کہ در ہنود معہود است از افروختن آتش وغیر آن بجای آوردہ"
[60] ایضاً، ص ۲۵۷
[61] ایضاً۔ ص ۲۶۱
[62] قانونِ ہمایونی، ص ۴۲
[63] منتخب التواریخ۔ جلد ۲، ص ۳۳۸
[64] ایضاً۔
[65] ایضاً، ص ۳۴۰

ہندوؤں کے قانون کے مطابق قریبی رشتہ داروں میں شادی نہیں ہو سکتی اس لیے اکبر نے یہ حکم جاری کیا کہ آئندہ مسلمان بھی اپنی خالہ، پھوپھی، ماموں یا چچا کی بیٹی کے ساتھ نکاح نہ کریں[66]۔ ہندوؤں کے ہاں چونکہ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی جائز نہیں اس لئے اکبر نے یہ فرمان جاری کیا کہ آئندہ مسلمان بھی دوسری شادی نہ کریں اس کی دلیل وہ یہ دیا کرتا تھا کہ خدا یکے و زن یکے[67]۔ اگر شیخ مبارک، فیضی، ابوالفضل، ابوالفتح گیلانی، بھاون، بیربر، پرکھوتم اور دیوی برہمن زندہ رہتے اور اکبر کی عمر بھی وفا کرتی تو اس سے یہ بات بعید نہ تھی کہ وہ اپنے "اجتہاد" سے چار یا پانچ بھائیوں کے لئے ایک بیوی کے جواز کا فتویٰ صادر کرتا۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ بادشاہ اکثر پانڈوؤں کی باہمی محبت کی مثالیں دیتے ہوئے یہ کہا کرتا تھا کہ شرط یگانگی آن برادران مقتضی آن باشد کہ در نسبت زناشوئی ضابطہ کہ لازمہ محبت ست مرعی دارند[68]۔

بدایونی لکھتا ہے کہ بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ اگر کوئی ہندو بچہ مسلمان ہو جائے یا کسی مسلمان کی صحبت میں اسلام قبول کر لے تو بالغ ہو کر وہ اپنے دین کی طرف لوٹ سکتا ہے[69]۔ اس صورت میں مرتد کے احکام اس پر نافذ نہ ہوں گے۔ اسی طرح اکبر نے یہ حکم دیا کہ اگر کوئی ہندو عورت کسی مسلمان پر فریفتہ ہو جائے یا اسلام قبول کر کے کسی مسلمان سے عقد کر لے تو اُسے زبردستی اس کے

---

[66] ۱۔ ایضاً۔ ۱۱۔ اخبار محبت، ورق ۹ ب
[67] منتخب التواریخ، جلد ۲ ص ۳۵۶
[68] مہابھارت، ص ۲۴
[69] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۹۱

وارثوں کے حوالے کر دیا جائے[۳۹] اکبر کی ہندو رانیاں چونکہ پردہ نہ کرتی تھیں اس لئے بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ آئندہ مسلمان عورتیں بھی بے پردہ باہر نکلا کریں[۴۰]

اکبر کی ہندو نوازی اور ان کے علوم کی سرپرستی سے علوم اسلامیہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ اکبر کے حکم پر علماء و مدرسین کی مدد معاش کم کر دی گئی اور علومِ شریعت کی جگہ علومِ عقلی یعنی ہیئت، فلسفہ، طب اور ریاضی کی تدریس پر زور دیا گیا[۴۱]۔ بدایونی لکھتا ہے کہ مدد معاش کم ہو جانے سے علماء اور مدرسین نانِ شبینہ تک کے محتاج ہو گئے اور ان کی اولاد علم و ادب میں نام پیدا کرنے کی بجائے "پاجی گیری" میں نام پیدا کرنے لگی[۴۲]۔ دنیائے علم میں اس قحط الرجال کا ذکر حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں موجود ہے آپ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

از جملہ شعار اسلام تعین قضاۃ است در بلاد اسلام کہ در قرن سابق محو شدہ بود، سرہند کہ اعظم بلاد اسلام است چند سال است کہ قاضی ندارد[۴۳]	اسلامی شہروں میں قاضیوں کا تقرر اسلام کا شعار ہے لیکن یہ گذشتہ عہدِ حکومت میں مٹ چکا ہے۔ سرہند کا شمار دنیائے اسلام کے بڑے بڑے شہروں میں ہوتا ہے لیکن یہاں گذشتہ کئی سال سے کوئی قاضی نہیں ہے۔

جب علومِ شریعت کی تدریس ہی بند ہو چکی تھی تو قاضی کہاں سے آتے؟

---

۳۹ ایضاً ۴۰ ایضاً ۴۱ ایضاً، ص ۳۶۳

۴۲ ایضاً، ص ۲۷۴ ۴۳ مکتوبات امام ربانی - جلد اوّل، مکتوب ۱۹۵

آئینِ اکبری میں ابوالفضل نے پچپن ہندو منصبداروں کا ذکر کیا ہے جو پنج ہزاری منصب سے لے کر دو صدی منصب پر فائز تھے[۴۴]۔ ان ہندو منصبداروں کی دربار میں موجودگی سے بھی ہندوؤں کو بڑی تقویت ملی۔ اکبر کی ہندو نوازی سے بھی ہندوؤں کی ہمت بڑھی اور انہوں نے — سیاں بھٹے کوتوال — کی شہ پر ہندو دھرم کی احیاء کے لئے باقاعدہ ایک تحریک شروع کر دی۔ حسن اتفاق سے انہیں چیتنیہ جیسا مذہبی رہنما مل گیا جو اسلام دشمنی میں اپنا دماغی توازن ہی کھو بیٹھا تھا۔ اس نے ہندوؤں کے تیرتھوں کو آباد کرنے کی خاطر ملک بھر کا دورہ کیا۔ اس کے ایماء پر اس کے چیلوں نے بندرابن میں، جہاں کرشن چندر جی کا بچپن گذرا تھا، متعدد پاٹھ شالائیں، لائبریریاں اور مندر بنوائے۔ ان کی کوششوں سے بندرابن اس طرح سے آباد ہوا کہ اس کے مقابلہ میں متھرا کی علمی شہرت ماند پڑ گئی[۴۵]۔

چیتنیہ نے خود بھی بندرابن کا دورہ کیا اور اثنائے سفر شدھی کا مشغلہ بھی جاری رکھا۔ اس کی ہمعصر سوانحعمری — چیتنیہ چرت امرتا — کی روائت کے مطابق اس نے ایک مسلمان پیر کو شدھ کر کے اس کا نام رامداس رکھا۔ بندرابن کے سفر میں ہی چیتنیہ کی ملاقات بجلی خان نامی ایک پٹھان سے ہوئی اور وہ اس کی تبلیغ سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنے متعدد ساتھیوں سمیت شدھ ہو گیا۔ ہندوؤں کی روائت ہے کہ بجلی خان اور اس کے ساتھی — پٹھان وشنو — کے نام سے مشہور تھے اور ہندوؤں کے ہر تیرتھ پر ان کی بڑی آؤبھگت ہوتی تھی[۴۶]

---

۴۴ آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۱۶۵ – ۱۶۱۔

۴۵ چیتنیاز پلگریمیج اینڈ ٹیچنگز، ص دیباچہ xiii۔

۴۶ ایضاً، ص ۲۲۸۔

اکبر کی ہندو نوازی سے ہندوؤں میں احیائے دین کی تحریک نے جنم لیا اور اس طرح ہندو مذہب میں از سر نو جان پڑ گئی۔ کہاں تو ہندوؤں کو اسلامی مملکت میں اسلامی قانون کی رو سے نئے منادر تعمیر کرنے کی اجازت نہ تھی کہاں وہ مساجد کو مسمار کر کے ان کی جگہ منادر تعمیر کرنے لگے۔ حضرت مجددؒ الف ثانیؒ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کفارِ ہند بے تحاشی ہدم مساجد می نمایند و در آنجا تعمیر معابد ہائے خود میسازند[78]۔ ایک دوسرے موقع پر آپ رقمطراز ہیں :-

در تھانیسر درونِ حوض کرکھیت مسجدے بود و مقبرہ عزیزے، آن را ہدم کردہ بجائے آن دیرہ کلان راس ساختہ است و نیز کفار برملا مراسم کفر بجای می آرند و مسلمانان در اجرائے اکثر احکامِ اسلام عاجز اند[79]

تھانیسر میں کرکھیت نامی حوض کے اندر ایک مسجد تھی اور ایک بزرگ کا مقبرہ، ہندوؤں نے انہیں گرا کے ان کی جگہ ایک بڑا مندر تعمیر کر لیا ہے علاوہ ازیں کفار علی الاعلان کفر کی رسمیں بجا لاتے ہیں لیکن مسلمان اسلام کے اکثر احکام جاری کرنے سے عاجز ہیں۔

متھرا میں جودھا بائی کے پروہت نے جس سینہ زوری اور ڈھٹائی سے مسجد کا سامان مندر کی تعمیر میں لگا لیا تھا، اس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ ہندومت کے فروغ کے سلسلہ میں اس کا ذکر بیجا نہ ہوگا کہ اکبر کے عہدِ حکومت میں بنارس میں نرائن بھٹ نامی ایک ہندو پنڈت رہتا تھا جسے لوگ تعظیماً جگت گورو کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے راجہ ٹوڈرمل اس کا

[78] ایضاً، جلد دوم، مکتوب ۹۲ [79] ایضاً

دل و جان سے احترام کیا کرتا تھا اور اس کی فرمائش پر اس نے بنارس میں وشوا ناتھ کے قدیم مندر کو از سر نو تعمیر کروایا۔ جب تعمیر کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا تو راجہ جی کی استدعا پر جگت گورو نے اس مندر میں اپنے مقدس ہاتھوں سے شولنگ نصب کیا[80]۔

بدایونی ایک موقع پر لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی مساجد و مقابر پر ہندو قابض ہو گئے ہیں اور جن محرابوں اور منبروں سے کبھی صدائے تکبیر بلند ہوا کرتی تھی اب وہاں "یلا تلا" کی آوازیں سنائی دیتی ہیں[81]۔ یہ تو ہندوؤں کی چیرہ دستیوں کی ایک مثال ہے۔ خود "صلح کل" بادشاہ "جو مسلمانوں کے بہتر فرقوں کا اختلاف مٹانے آیا تھا" انہدام مساجد میں ہندوؤں سے کسی طرح بھی پیچھے نہ تھا۔ اورنگ زیب کے سوانح نگار ظہیر الدین فاروقی اپنی مشہور تصنیف۔ اورنگ زیب اینڈ ہز ٹائمز۔ میں اکبر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس نے اپنے بیٹے دانیال کے نام یہ فرمان جاری کیا تھا کہ وہ اسیر گڑھ کی مسجد گرا کر اس کی جگہ مندر تعمیر کروا دے[82] شاہزادے نے اس فرمان کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اور اس طرح یہ مسجد بچ گئی[83]۔ اکبر کی اسلام دشمنی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے

[80] ہسٹری آف بنارس، ص ۴۹۔ [81] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۲۲ "مساجد و صوامع فراش خانہ و چوکی خانہ ہندوان شد و بجائے جماعت جماع و بجائے حی علی یلا تلا بود و گورستان درونِ شہر بوبرانی حکم فرمودند"

[82] اورنگ زیب اینڈ ہز ٹائمز، ص ۵۶۳

[83] تاریخ فرشتہ، جلد ۲، ص ۲۹۱۔

اپنے درباریوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ماہِ رمضان میں اس کے سامنے کھایا پیا کریں اس غرض سے وہ پان کا بیڑا منہ میں رکھ کر دربار میں حاضر ہوا کریں تو یہ ایک مستحسن فعل شمار ہوگا، بصورتِ دیگر وہ روزہ دار ہونے کے الزام میں دھر لئے جائیں گے۔[۵۴]

میرا بائی جس کا یہ بھجن۔ ع

میں تو پریم دیوانی میرا درد نہ جانے کوئی

ہم میں سے تقریباً سبھی نے سنا ہوگا، اسی دور میں گذری ہے۔ وہ ایک جوگن کے روپ میں راجستھان کے قریہ قریہ میں ایشور بھگتی کے بھجن گاتی پھرتی تھی اس کے بھجنوں نے ہندوؤں میں بیداری کی ایک نئی روح پھونک دی اور وہ اپنے مذہب میں "پختہ تر" ہو گئے۔ ہندو مت کے عروج سے بالواسطہ یا بلاواسطہ اسلام ہی کو نقصان پہنچا۔ میرا بائی کے متعلق یہ بات یاد رہے کہ وہ رانا سانگا کے ولی عہد کی بیوی تھی، لیکن بدقسمتی سے وہ رانا سانگا کی زندگی میں ہی عین جوانی کے عالم میں بیوہ ہو گئی۔ ابھی اس کے خاوند کی چِتا کا دھواں بھی فضا میں تحلیل نہ ہونے پایا تھا کہ ہندوستان کے مطلع پر بابر نمودار ہوا اور اس نے دیکھتے ہی دیکھتے شمالی ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ بابر نے فتح پور سیکری کے میدان میں رانا سانگا کا، جو ہندوستان میں رام راج قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا، غرور خاک میں ملا دیا۔ میرا بائی کی امیدوں کا چراغ بھی رانا سانگا کے چراغِ حیات کے ساتھ ہی بجھ گیا اور وہ مسلمانوں سے اس شکست کا انتقام لینے کی خاطر جوگن کے روپ میں قریہ بہ قریہ

[۵۴] تذکرۃ الملوک، ورق ۲۳۱ ب

پھرنے لگی۔ وہ جہاں کہیں بھی جاتی ایشور بھگتی کے بھجنوں کی آڑ لے کر ہندوؤں کے جذبات کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتی۔ میرا بائی کے جوانمرگ شوہر کے بھتیجے رانا پرتاپ کی اپنی کھوئی سلطنت دوبارہ حاصل کرنے کی جدوجہد بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی تھی۔

اکبر کی ہندو نوازی سے ہندو مت کو جو فروغ حاصل ہوا اور مسلمانوں کے مفاد اور اسلام کو جو نقصان پہنچا اس کی صدائے بازگشت حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات سے سنی جا سکتی ہے۔ ایک موقع پر آپ تحریر فرماتے ہیں کہ

کفار بر ملا مراسم کفر بجا می آرند و مسلمانان در اجرائے اکثر احکامِ اسلام عاجز اند، روزے کہ دشی ہنود کہ ترک اکل و شرب می نمایند اہتمام دارند کہ دراں روز در بلاد اسلام ہیچ مسلمانے در روز ناں نہ پزد و نفروشد و در ماہ مبارک رمضان برملا ناں و طعام می پزند و می فروشند ہیچ کس از زبونیٔ اسلام منع آں نمی تواند بود، افسوس صد ہزار افسوس[۵۵]

کافر علی الاعلان کفر کی رسمیں بجا لاتے ہیں اور مسلمان اسلام کے اکثر احکام جاری کرنے سے عاجز ہیں۔ کادشی کے دن ہندوؤں کا برت ہوتا ہے اس لئے وہ اس بات کا خاص اہتمام کرتے ہیں کہ اس روز مسلمان اسلامی شہروں میں دن کے وقت نہ روٹی پکائیں اور نہ ہی فروخت کریں۔ لیکن ماہ رمضان میں وہ دن دہاڑے روٹی پکاتے اور بیچتے ہیں اسلام کی بےکسی کی وجہ سے کوئی مسلمان انہیں اس سے منع نہیں کر سکتا۔ افسوس لاکھ بار افسوس۔

[۵۵] مکتوبات امام ربانی، جلد ۲، مکتوب ۹۲

ایک دوسرے موقع پر آپ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

غربت اسلام تا بجدے رسیدہ است کہ کفار بر ملا طعن اسلام و ذم مسلمانان می نمایند و بے تحاشی اجراء احکام کفر و مداحی اہل آن در کوچہ و بازار میکنند و مسلمانان از اجرائے احکام اسلام ممنوع اند و در اتیان شرائع مذموم و مطعون۔ واحسرتا، واندامتا، وا ویلا[66]

اسلام کی غربت اب اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ کافر بر ملا اسلام اور اہل اسلام کو لعن طعن کرنے لگے ہیں وہ بلا تردد احکام کفر جاری کرتے اور گلیوں اور بازاروں میں ان کی تعریف کرتے پھرتے ہیں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو احکام شریعت نافذ کرنے سے روکا جاتا ہے بلکہ ان احکام پر اعتراضات بھی کیے جاتے ہیں۔ واحسرتا، واندامتا، واویلا۔[66]

بعض مقامات پر ہندوؤں کی چیرہ دستیاں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو چکا تھا مجدّد الف ثانیؒ انہیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

در نواحی نگرکوٹ بر مسلمانان در بلاد اسلام چہ ستمہا نمودند چہ اہانتہا رسانیدند۔[67]

نگرکوٹ کے پاس مسلمانوں پر اسلامی حکومت کے اندر ان کافروں نے کیسے کیسے مظالم ڈھائے ہیں اور مسلمانوں کی کیسی کیسی توہین کی ہے۔

شیخ مبارک کے ساختہ "سلطان اعدل و اعقل" کے عہد حکومت میں مسلمانوں کی بیچارگی و مظلومی کا نقشہ حضرت مجدّدؒ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

---

[66] ایضاً - جلد اوّل، مکتوب ۶۵

[67] ایضاً، جلد دوم، مکتوب ۶۸

در قرن سابق کفار بر ملا بطریق استیلاء اجرائے احکام کفر در دار اسلام میکردند و مسلمانان از اظہار اسلام عاجز بودند و اگر میکردند بقتل می رسیدند۔ واویلا، وامصیبتا، واحسرتا، واحزنا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کہ محبوب رب العالمین است مصدقان او خوار و ذلیل بودند و منکران او بعزت و اعتبار، مسلمانان با دلہای ریش در تعزیت اسلام بودند و معاندان بسخریہ و استہزاء بر جراحتہائے ایشان نمک می پاشیدند، آفتاب ہدایت در تتق ضلالت مستور بود و نور حق در حجب باطل منزوی و معزول۔[68]

گذشتہ عہد میں کفار بر ملا سینہ زوری سے اس دار اسلام میں کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام کی ادائیگی سے عاجز تھے۔ اگر کبھی وہ ایسا کرتے تو قتل کیے جاتے، واویلا، وامصیبتا، واحسرتا، واحزنا۔ خدا کے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ذلیل و خوار تھے اور حضورؐ کے منکروں کی عزت کی جاتی تھی مسلمان اپنے زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی تعزیت میں مصروف تھے اور دشمن مذاق اور تمسخر سے ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردوں میں چھپا ہوا تھا اور نور حق باطل کے حجاب میں نہاں تھا۔

یہ تو غالباً مسلمانوں کی مظلومی اور بیچارگی کا ابتدائی درجہ تھا اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بھی حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی زبانی سنئے۔ آپ لالہ بیگ کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

اہل کفر بمجرد اجرائے احکام کفر در بلاد بلاد اسلام راضی نمی شوند میخواہند کہ احکام اسلامیہ بالکلیہ زائل گردند

کفار بلاد اسلام میں کفر کے احکام نافذ کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کے احکام سرے سے ہی ختم

---

[68] ایضاً، جلد اوّل، مکتوب ۴۷

وا قرے از مسلمانان و مسلمانی پیدا نہ شود و کار را تا بآن سرحد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمانے از شعار اسلام اظہار نماید بقتل میرسد۔ ذبح بقر در ہندوستان از اعظم شعار اسلام است کفار بجزیہ دادن شاید راضی شوند اما بذبح بقرہ ہرگز راضی نخواہند شد [۸۹]

ہوجائیں اور اسلام اور مسلمانوں کا نام ونشان تک باقی نہ رہے۔ اب یہ معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی اسلامی شعار کو پورا کرتا ہے تو اُسے قتل کیا جاتا ہے۔ ذبیحۂ گاؤ ہندوستان کے اندر ایک بڑا اسلامی شعار ہے، کافر جزیہ دینے پر تو رضامند ہوجائیں گے لیکن ذبیحۂ گاؤ پر کسی قیمت پر بھی راضی نہ ہوں گے۔

بدایونی کو "جھوٹا" کہنے والے حضرت مجددؒ کے ان بیانات کی روشنی میں بدایونی کے اس بیان پر غور کریں کہ ۔۔ سدسد بد شرع مبین دین متین شکست ولعبد از پنج شش سال خود اثری از اسلام نماند و قضیہ منعکس شد [۹۰] اور پھر بتائیں کہ وہ کونسی ایسی برق تھی جو اس "صلح کل بادشاہ کے" عہد معدلت" میں مسلمانوں پر نہیں گری ؟ اس "اعدل و اعقل" سلطان کے دور میں اسلام حد درجہ مظلوم تھا اور مسلمانوں پر عرصۂ حیات اس قدر تنگ ہوچکا تھا کہ خود حضرت مجدد الف ثانیؒ اس وقت ظہورِ مہدی کے منتظر تھے [۹۱]

---

۸۹ ایضاً، مکتوب ۸۱ ۹۰ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۵۵

۹۱ مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب ۳۲

بھگتی تحریک اور اکبر

جن دنوں ہندو مبلغ جنوبی ہندوستان میں ہندو دھرم کے پرچار میں مشغول تھے، ٹھیک اسی زمانے میں شمالی ہندوستان میں بھگتی تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک نے متعدد بار ہندوستان کی مذہبی، معاشرتی اور سیاسی زندگی میں ہلچل پیدا کی۔ اگر اس تحریک کے بنیادی اصولوں کا بغور مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ تحریک دراصل بدھوں کی پھیلائی ہوئی دہریت کا ردعمل تھی، اور مختلف الخیال لوگ اس دہریت کا قلع قمع کرنے کے لئے متحد ہوگئے تھے [۱] اس تحریک کے رہبر اپنے خیالات کا اظہار نثر کی بجائے گیتوں اور بھجنوں میں کرتے تھے اور ان کے سیدھے سادے الفاظ عوام کے دلوں میں اُتر جاتے تھے۔ فرکوہر نے اس تحریک کے لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا تھا، اُس کا یہ خیال ہے کہ بھگتی تحریک کے رہبروں نے جو بھجن اور گیت لکھے وہ ہندی زبان کے مذہبی لٹریچر کا بہترین سرمایہ ہیں [۲]۔

---

۱ گلمپسز آف دی مڈلیول انڈین کلچر، ص ۷

۲ دی ورنیکلر ریلجیس لٹریچر آف انڈیا، ص ۶۰۳

اس تحریک کے چلانے والوں میں رامانج کا نام سرِفہرست ہے۔ یہ بزرگ بارھویں صدی کے نصف اوّل میں مدراس سے ۲۶ میل کے فاصلہ پر سری پرمبودر نام کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔[3] رامانج نے اپنی تعلیم کا آغاز ویدانت سے کیا اور یادو پرکاش نامی ایک یوگی کی صحبت میں رہ کر وہ بھی یوگی بن گیا۔

عام ہندوؤں کے برعکس رامانج موحد تھا اور اس نے اپنی تعلیمات میں خدا کی وحدانیت پر زور دیا ہے۔[4] اس نے عوام کو خدا کی بھگتی کی طرف توجہ دلائی اور اس مقصد کے تحت اس نے کئی اہم کتابیں لکھیں۔ رامانج نے اپنشدوں کی شرحوں پر، جو متعصب ہندوؤں نے مشرکانہ رنگ میں لکھی ہوئی تھیں، اعتراض کیا اور گیتا کی شرح اپنے انداز میں لکھی۔[5]

رامانج نے زیادہ کام ہندوؤں کی نیچ ذاتوں میں کیا، اور اس کی سعی و پرچار سے ہزاروں اشخاص شرک سے توبہ کر کے موحد بن گئے۔[6] رامانج کی زندگی کا بیشتر حصہ جنوبی ہندوستان میں گذرا، اس لئے شمالی ہندوستان میں اس کا مشن رامانند نے جاری کیا۔ فرکوہر کے خیال میں رامانند بھگتی تحریک کا حقیقی بانی تھا۔[7] ڈاکٹر تاراچند کے خیال میں رامانند نے شمالی اور جنوبی ہندوستان

---

[3] دی لائف اینڈ ٹیچنگز آف شری رامانج اچاریہ، ص ۴۵ [4] ایضاً، ۲۶۳، ۲۷۵

[5] گیتا ہی ہندوؤں کی وہ کتاب ہے جس کے متعلق ہمارے علمائے اچھے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ گیتا کے متعلق یہ فرمایا کرتے تھے کہ اسے پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصنف شری کرشن چندر اولیاء اللہ میں سے تھے۔ رود کوثر، ص ۵۶۹

[6] دی رینائسنس آف ہندوازم، ص ۴۱

[7] آؤٹ لائن آف دی ریلیجس لٹریچر آف انڈیا۔ ص ۳۲۳۔

کے درمیان ایک پُل کا کام دیا ہے۔[8]

رامانند ۱۴۰۰ء میں پریاگ میں پیدا ہوا، لیکن اس کی زندگی کا بیشتر حصہ بنارس میں گذرا۔[9] وہ بھی اپنے پیشرو کی طرح ذات پات کا سخت مخالف تھا اور اس نے اپنی زندگی نیچ ذاتوں کی فلاح و بہبود اور ہندوستانی معاشرہ میں ان کو صحیح مقام دلانے کے لئے وقف کر دی تھی۔[10] اس کا کلام، جو نیچ ذاتوں میں بہت مقبول تھا، گورونانک نے گرنتھ صاحب میں شامل کر لیا۔ رامانند نے اپنے پیچھے بیشمار چیلے چھوڑے، جن میں سے بھگت کبیر نے بڑا نام پیدا کیا۔

بھگت کبیر ۱۴۴۰ء میں ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوا، لیکن اس کی تربیت ایک مسلمان جولاہے کے گھر میں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے "ہندومت" پر اسلامی رنگ غالب ہے۔[11] اس کے کلام کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ مختلف المذاہب لوگوں کے لئے، جنہیں مذہب نے ایک دوسرے سے الگ تھلگ رکھا ہوا تھا، ایسی فضا پیدا کرنا چاہتا تھا جس میں وہ باہم شیر و شکر ہو کر رہ سکیں۔[12] اس نے اپنی کوششوں سے وہ رکاوٹیں کافی حد تک دور کر دیں جنہوں نے اسلام اور ہندو دھرم کو ایک دوسرے سے الگ رکھا ہوا تھا۔[13] کبیر نے ایسے دھرم کا پرچار کیا جس کی بنیاد باہمی نفرت اور عناد کی بجائے محبت اور خلوص پر قائم تھی۔[14] اس نے

---

[8] دی انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر، ص ۱۴۳

[9] ایضاً، ص ۱۴۳، ۱۴۴ [10] دی رینائسنس آف ہندوازم، ص ۵۲

[11] ایضاً، ص ۵۳ [12] گلمپسز آف دی مڈیول انڈین کلچر، ص ۱۸ - ۱۹

[13] کبیر اینڈ دی کبیر پنتھ، ص iii دیباچہ

[14] دی انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر، ص ۱۵۰

اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اسلام اور ہندو دھرم کے ان اصولوں کو، جو اس کی تعلیمات کے منافی تھے، ٹھکرا دیا۔

ڈاکٹر تاراچند کے خیال میں وہ پہلا ہندوستانی تھا جس نے ہندوستان کے دو عظیم مذاہب کے درمیان اختلافات کی خلیج پاٹنے کی مخلصانہ کوشش کی اور ان کے بین بین ایک متوازن راستہ تلاش کر لیا۔[15] ہم آئندہ چند صفحات میں یہ ثابت کریں گے کہ اکبر نے بھی کبیر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اسلام اور ہندو دھرم کے درمیان ایک راہ نکالی تھی جسے وہ توحیدِ الٰہی اور بدایونی دینِ الٰہی کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اکبر نے بھی کبیر کی طرح یہی کیا کہ اسلام اور ہندو دھرم کے اچھے اچھے اصول اپنا لئے اور جو باتیں اس کے مشن کے منافی تھیں، ان کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ ڈاکٹر قانونگو کبیر کے متعلق لکھتا ہے کہ ہندوستان میں اکبر سے لیکر مہاتما گاندھی تک جس نے بھی "ہندو مسلم اتحاد" کے لئے کام کیا اس نے کبیر کی تعلیمات کو ہی مشعل راہ بنایا۔[16]

مسلمان کبیر کو ایک صوفی سمجھتے ہیں اور بعض لوگوں کے خیال میں وہ محی الدین اکبر ابن عربیؒ کی تعلیمات سے متاثر تھا۔[17] اگر کبیر کے کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو بعض مقامات پر وحدت الوجود کے نظریہ کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ سید عبدالقادر حسینی نے اپنی تصنیف ابن العربی میں کبیر کے بعض اشعار کا ابن العربی کے اشعار سے موازنہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ کبیر ابن العربی کے نظریۂ وحدت الوجود سے بے حد متاثر تھا۔[18] محسن فانی کبیر کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ بڑے اونچے پایہ کا صوفی تھا۔[19] مفتی غلام سرور نے خزینۃ الاصفیاء میں کبیر کا ذکر شیخ کبیر جولاہہ قدس سرہٗ کے عنوان کے تحت کیا ہے۔[20] ابوالفضل نے کبیر کو ہندو یا مسلمان کی بجائے موحد لکھا ہے۔[21]

سلطان سکندر لودھی نے کبیر کو اس کے آخری ایامِ حیات میں بنارس سے جلاوطن کر دیا تھا، اس لئے اس کی بقیہ عمر سیر و سیاحت میں گذری۔ کبیر کا انتقال ۱۵۱۸ء میں گورکھپور کے قریب ایک گاؤں میں ہوا۔[22]

کبیر کی وفات کے بعد اس کا مشن اس کے چیلوں نے جاری رکھا، ان میں سے دھرم داس نے بڑا نام پایا ہے۔ اس نے جبل پور کے قریب باندوگڑھ میں ایک مٹھ قائم کر کے اسے کبیر پنتھیوں کا روحانی مرکز بنایا۔[23] جہاں مبلغوں کو تربیت دے کر کبیر پنتھ کے پرچار کے لئے ملک کے طول و عرض میں بھیجا جاتا تھا۔ لیکن کبیر کا مشن اس کے چیلوں کی بجائے گورونانک دیو نے بڑے احسن طریقہ سے پورا کیا اور اس کا کلام گرنتھ صاحب میں شامل کر لیا۔ دسویں گورو گوبند سنگھ کا کہنا ہے "کبیر پنتھ اب بھیو خالصہ" یعنی کبیر پنتھ اب سکھ دھرم میں مدغم ہو گیا ہے۔[24]

دھنہ نامی ایک جاٹ نے بھی اس تحریک میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔

---

[15] ایضاً۔ ص ۱۶۳ [16] داراشکوہ، ص ۳۳۶

[17] ابن العربی، ص ۴۷ [18] ایضاً۔

[19] دبستانِ مذاہب، ص ۱۵۹ [20] خزینۃ الاصفیاء، جلد ۲، ص ۴۴۷۔

[21] آئین اکبری جلد ۲، ص ۱۴۵ "کبیر موحد در زمان سکندر لودی بود لختی در معنی پردہ کشائیش یافت دراز فرسودہ رسمہای روزگار بہ کنارہ شد فراوان حقایق بشعر ہندی زبان از دیادگار"[22] آؤٹ لائن آف دی ریلیجس لٹریچر آف انڈیا۔ ص ۳۳۲ [23] گلمپسز آف دی مڈیول انڈین کلچر، ص ۲۷ [24] ایضاً، ص ۲۷، ۲۸

وہ راجستھان میں ۱۴۱۵ء میں پیدا ہوا اور حق کی تلاش میں مختلف تیرتھوں کی یاترا کرتا ہوا بالآخر بنارس پہنچا، جہاں اس کی ملاقات رامانند سے ہوئی۔ رامانند کے سیدھے سادھے الفاظ نے دھنہ کے دل پر بڑا اثر کیا اور وہ اس کا چیلہ بن گیا۔ دھنہ نے اپنی بقیہ عمر اپنے گورو کے خیالات کو عام کرنے کے لئے وقف کر دی۔[25] اس کا کلام گورو نانک دیو نے گرنتھ صاحب میں شامل کر کے اُسے امر کر دیا۔ سکھ حلقوں میں دھنہ کا نام بڑے احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے اور اکثر وعظ و تلقین میں اس کی "خدایابی" کا قصہ بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔[26]

دھنہ کی طرح نامدیو نامی ایک درزی نے بھی اپنی زندگی بھگتی تحریک کے لئے وقف کر دی تھی۔ وہ اپنی مادری زبان مرہٹی کے علاوہ ہندی سے بھی واقف تھا اس لئے وہ اپنے خیالات کا پرچار ان دونوں زبانوں میں کیا کرتا تھا۔ شرما کی روایت کے مطابق مہاراشٹر اور پنجاب اس کی سرگرمیوں کے مرکز تھے۔[27] اس کے انتقال کے بعد اس کا ہندی کلام گورو نانک نے گرنتھ صاحب میں شامل کر لیا۔

نامدیو کے بعد جس شخص نے بھگتی تحریک میں کام کر کے نام پایا وہ ایکناتھ نامی ایک برہمن تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہ برہمن ہو کر ذات پات کا سختی کے ساتھ مخالف تھا اور اس نے ادنیٰ و اعلیٰ کو مساوی حقوق دلانے کے علاوہ

---

[25] دی انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر، ص ۱۷۸
[26] میں نے یہ قصہ بارہا گوردوارہ سنگھ سبھا نیو کیمپس میں گرنتھی کی زبانی سُنا ہے
[27] دی رینائسنس آف ہندوازم، ص ۵۶۔

ہندو مسلم اتحاد کے لیے بھی کافی کوشش کی۔[28] وہ اکبر کا ہم عصر تھا۔

دادو بھی کبیر کی طرح بھگتی تحریک کے بڑے رہنماؤں میں شمار ہوتا ہے۔ دادو ۱۵۴۴ء میں احمد آباد میں پیدا ہوا لیکن اس کی عمرِ عزیز کا زیادہ حصہ راجستھان میں گزرا۔ اس کی بانی میں تقریباً ۵۰۰۰ اشعار ہیں جن کا تعلق انسانی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کے ساتھ ہے۔[29] دادو اکبر کا ہم عصر تھا اور ڈاکٹر تارا چند کی روایت کے مطابق وہ اکبر سے ملا بھی تھا۔[30] دادو کا انتقال ۱۶۰۳ء میں ہوا اور اس کے انتقال کے بعد اس کے ۵۲ چیلے ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے۔ اور ان میں سے ہر ایک نے ایک دادو دوارہ تعمیر کیا۔ لاہور کے عوام چھجو بھگت سے خوب متعارف ہیں، وہ دادو کا چیلہ تھا۔ اس کے تعلقات صوفیوں کے ساتھ خصوصاً حضرت میاں میرؒ سے بڑے خوشگوار تھے اور ان کی ملاقات اکثر ہوتی رہتی تھی۔[31]

گورو نانک دیو کا شمار ہندوستان کے اہم ترین مصلحین میں ہوتا ہے۔ وہ ۱۴۶۹ء میں تلونڈی میں پیدا ہوئے۔[32] انہوں نے جوانی کے عالم میں دنیاوی لذت سے منہ موڑ لیا اور طلب حق میں ایک ایک تیرتھ پر گئے۔ آخر عمر میں اُنہوں نے کرتارپور میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

گورو نانک پٹھان حکمرانوں کے بڑے مخالف تھے اور ان کے ظلم و ستم کے واقعات اکثر بیان کرتے رہتے تھے۔[33] غالباً اسی بنا پر سلطان ابراہیم لودھی

---

[28] ایضاً۔ [29] آوٹ لائن آف دی ریلجس لٹریچر آف انڈیا، ص ۳۴۱
[30] دی انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر، ص ۱۸۲
[31] تاریخ لاہور، ص ۱۸۷ [32] دی ڈیوائن ماسٹر، ص ۱۹
[33] ایضاً، ص ۸۹ - ۹۰۔

نے انہیں زندان میں ڈال دیا تھا۔[34] قید سے رہائی کے بعد اُنھوں نے اپنا مشن دوبارہ شروع کیا لیکن اس بار بابر کے سپاہیوں نے انہیں گرفتار کر کے جیل پہنچا دیا۔ اُنھوں نے بابر کے مظالم کا ذکر بھی اپنے اشعار میں کیا ہے۔[35]

نانک اپنے ہم عصر بھگت کبیر کی طرح مُلّا اور پنڈت دونوں کے خلاف تھے، اور ان کا یہ کہنا تھا کہ وہ دونوں اپنی مرضی کے مطابق قرآن اور ویدوں کے احکام کی تاویلیں کر لیتے ہیں۔ کبیر کی طرح نانک نے بھی ہندو دھرم اور اسلام کے درمیان ایک نئی راہ (سکھ مت) نکالی۔ وہ بھگتی تحریک کے رہنماؤں کی تعلیمات سے کافی حد تک متاثر تھے، یہی وجہ تھی کہ اُنھوں نے راما نند، کبیر، دھنہ اور ایکناتھ کے کلام کو گرنتھ صاحب میں شامل کر لیا تھا۔

سکھ مت کے بارے میں اکبر کے خیالات بڑے اچھے تھے اور وہ سکھوں کے گورو امرداس سے ایک بار ملا بھی تھا۔[36] اس نے اثنائے ملاقات گورو صاحب کی خدمت میں ایک گاؤں بھی پیش کیا اور اسی مقام پر گورو رامداس نے ہرمندر (دربار صاحب امرتسر) تعمیر کرایا۔[37]

بھگت کبیر اور گورونانک دونوں لودھیوں اور مغلوں کے ابتدائی دورِ حکومت

---

[34] ایضاً، ص ۱۷۷ [35] گورونانک اپنی ایک بانی میں بابر کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

پاپ کی جنج لے کابلوں دھائیا　　جوری منگے دان دے لالو
تاضیاں باہمناں کی گل تھکی　　اگد پڑھے شیطان دے لالو
خون کے سوہیلے گاویے نانک　　رت کا کنگو پاے دے لالو

بحوالہ پنجابی شاعراں دا تذکرہ، ص ۴۱ [36] دی مغلز اینڈ دی پورچگیز، ص ۵۹
[37] ا: تاریخ پنجاب، ورق ۱۶ الف - اا: امپیریل گزیٹیر آف انڈیا، جلد ۵، ص ۳۲

میں گزرے ہیں۔ ان دونوں کی تعلیمات نے ہندوستان کے طول و عرض میں ایک ہلچل سی پیدا کر دی تھی۔ جب اکبر تخت نشین ہوا تو اس وقت مذہبی سرگرمیاں زوروں پر تھیں اور عوام کے خیالات میں ہیجان پیدا ہو چکا تھا۔[38] نیز ان مصلحین نے ہندوستان میں ایسی فضا پیدا کر دی تھی جس میں ادنیٰ ذاتوں کے افراد اونچی ذاتوں کے افراد کے شانہ بشانہ چل رہے تھے۔

جب اکبر نے ہوش سنبھالا تو ہندوستان کی فضا میں "ہندو مسلم اتحاد" کے نعرے گونج رہے تھے۔ عوام مُلّا اور پنڈت دونوں سے بدظن ہو چکے تھے اور ان کا یہ کہنا تھا کہ ان دونوں نے اپنی پیٹ پوجا کے لئے مذہبی اختلافات پیدا کر دیئے ہیں، اور اب وقت آ گیا ہے کہ اختلافات کی خلیج پاٹ کر مل جل کر رہنے کے لئے راستہ تلاش کیا جائے۔ اکبر نے کبیر اور نانک کی طرح ایک درمیانی راستہ تلاش کر لیا جسے اس نے توحیدِ الٰہی کا نام دیا۔

بھگتی تحریک نے ہندوستان میں ایک ایسی فضا پیدا کر دی تھی جس نے مختلف الخیال لوگوں کے درمیان تعصب ختم کر دیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل جول سے مسلمانوں میں ہندوؤں کے علوم سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ رزق اللہ مشتاقی اور میاں طٰہٰ کی ہندوؤں کے علوم پر بڑی گہری نظر تھی۔[39] محمد غوث گوالیاریؒ نے امرت کنڈ نام کی ایک کتاب کا بحرالحیاۃ کے نام سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس کتاب میں اور باتوں کے علاوہ یوگ کے آسن اور ویدانت کے مسائل کا بھی ذکر موجود ہے۔[40] محمد غوث گوالیاریؒ ہندوؤں اور مسلمانوں سے مساوی سلوک

---

[38] دی ریلیجس پالیسی آف دی مغل ایمپررز، ص ۶۱۔
[39] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص ۴۵۱ [40] بحرالحیاۃ - (مالیکہ و فلیم عندی)

کیا کرتے تھے۔ بدایونی لکھتا ہے کہ میرے دل میں ان کی زیارت کا بڑا اشتیاق تھا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ہندوؤں کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں تو میں اس ارادہ سے باز آیا۔[41] ان کے مریدوں میں ہندو بھی شامل تھے، تان سین کا والد مکرند پانڈے ان کا بڑا معتقد تھا۔[42] ملک محمد جائسی نے اپنی شہرۂ آفاق تالیف پدماوت اسی عہد میں تحریر کی۔

یہ بھگتی تحریک کی پیدا کردہ فضا تھی جس میں شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے صاحبزادے شیخ رکن الدینؒ ایک ہندو سنیاسی اننت کر سے اسرار توحید معلوم کرنے جایا کرتے تھے۔[43] گورونانک کے تعلقات پاک پٹن کے سجادہ نشین شیخ ابراہیم فرید ثانی کے ساتھ بڑے خوشگوار تھے، اور گورونانک ان کے ہاں بطور مہمان رہا کرتے تھے۔ گورو صاحب نے فرید ثانی کا کلام اپنے گرنتھ صاحب میں شامل کر کے اسے امر کر دیا۔[44] ہیر رانجھا کا قصہ لودھیوں کے دورِ حکومت کا بتایا جاتا ہے، وارث شاہ سے تقریباً دو سو سال پہلے اسے اول بار دمودر نے نظم کیا تھا۔[45] اس قصہ کا ہیرو رانجھا ایک ہندو جوگی بالناتھ کا چیلہ بن گیا تھا۔ لطائف قدوسی کی ایک عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بالناتھ بابر کے عہد حکومت میں بقیدِ حیات تھا۔[46] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ

---

[41] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۶۴ [42] آج کل - دہلی، موسیقی نمبر، ص ۸۷
[43] لطائف قدوسی، ص ۴۷، پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اننت کر کی بجائے بالناتھ لکھا ہے، حالانکہ لطائف قدوسی میں اننت کر کا نام مکرر آیا ہے۔ ملاحظہ ہو سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص ۵۱۴۔ [44] انوار العزیز۔ ص ۳۹۱
[45] پنجابی شاعراں دا تذکرہ، ص ۴۸ - ۴۹۔ [46] لطائف قدوسی، ص ۴۷

لودھیوں کے عہد میں اپنے "ٹلہ" پر موجود تھا۔ اس ٹلہ کا ذکر بھی لطائف قدوسی میں موجود ہے۔[47]

اکبر کے عہد حکومت میں جب اس کے حکم سے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے تراجم فارسی میں ہوئے تو ان کے مطالعہ سے مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جسے بدایونی "مسلمانانِ ہندو مزاج" لکھتا ہے۔[48]

بدایونی نے اکبر کو "طالبِ حق" لکھا ہے۔[49] یہی طلب اسے جدروپ گسائیں کے آستانہ پر لے گئی۔ جہانگیر لکھتا ہے کہ میرا والد خاندیش سے واپسی پر اُجین کے نواح میں جدروپ سے ملا تھا۔[50] خود جہانگیر کو بھی اس کے ساتھ بڑی "عقیدت" تھی اور اسی کے مشورے پر جہانگیر نے سیر کا وزن ۳۶ دام کے برابر کر دیا تھا۔[51] اور اسی کی سفارش پر خسرو کو رہائی بخشی تھی۔[52] ان امثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکبر اور جہانگیر پر ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کا بڑا اثر تھا۔ اور وہ ان کی بات رد نہیں کرتے تھے۔

بادشاہ کی صُلح کُل پالیسی نے ملک میں ایسی فضا پیدا کر دی تھی کہ جب گورو امرداس نے ہرمندر (دربار صاحب امرتسر) کی تعمیر کا منصوبہ بنایا تو اس کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے لاہور سے حضرت میاں میرؒ کو بلایا اور اس مردِ حق نے بھی بڑی خوشی کے ساتھ غیر مسلموں کی عبادت گاہ کا سنگِ بنیاد رکھنے کی دعوت قبول کر لی۔[53] خود ہندوؤں کے اندر ایسے لوگ پیدا ہو گئے

---

[47] ایضاً [48] منتخب التواریخ، جلد ۲۔ ص ۲۶۹
[49] ایضاً۔ ص ۲۵۵ [50] تزکِ جہانگیری، ص ۱۷۶
[51] ایضاً، ص ۲۸۱ [52] مآثر جہانگیری، ورق ۱۲۱ ب،
[53] تاریخ دربار امرتسر، ص ۴۸۔

تھے جوگو اپنے دھرم پر سختی کے ساتھ جمے رہے اور انھوں نے اسلام قبول کرنے کی بجائے اپنی جانیں قربان کر دیں لیکن وہ ہندو دھرم کے ساتھ ساتھ اسلام کو بھی مذہب حق تسلیم کرتے تھے۔ اس ضمن میں لوا ہول اور لودھن برہمن کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ہردے رام کے خیالات بھی کچھ اس قسم کے تھے اور وہ رام اور رحیم کو ایک ہی چیز سمجھتا تھا۔[۵۴]

یہ تو ہندوؤں کی بات تھی، خود مسلمانوں میں بھی ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو کفر اور اسلام میں کوئی امتیاز روا نہ رکھتا تھا۔ چشتیہ سلسلہ کے گل سرسبد شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ یہ کہتے پھرتے تھے "این چہ شور و این چہ غوغا کشادہ، کسے مومن کسے کافر، کسے مطیع، کسے عاصی، کسے در راہ، کسے بے راہ، کسے مسلم، کسے پارسا، کسے ملحد، کسے ترسا، ہمہ در یک سلک است"[۵۵] بالکل ایسا ہی عقیدہ اکبر اور اس کے حواریوں کا تھا، آئین اکبری میں ایک موقعہ پر ابوالفضل لکھتا ہے "کدام دین و چہ دینے یک حسن دلآویز در چندین ہزار پردہ تابش می دہد"[۵۶]

اکبر کے خیالات شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے خیالات سے مختلف نہ تھے، آخر وہ کونسی نئی بات تھی جو اکبر کہتا تھا اور شیخ عبدالقدوسؒ نے اس سے قبل نہیں کہی تھی لیکن اکبر کا قصور یہ تھا کہ وہ بادشاہ تھا اور الناس علیٰ دین ملوکہم کے مصداق اس کے ایسے خیالات کا اثر براہِ راست عوام پر پڑتا تھا، جبکہ صوفیوں، قلندروں اور مجذوبوں کے ایسے ہی خیالات کو لوگ

---

۵۴ مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب ۱۶۷ ۵۵ مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، ص ۲۰۵

۵۶ آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۱۸۹

دیوانے کی بڑ کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ نیز مسلمانوں نے ہندوستان کو بزورِ بازو فتح کیا تھا اور گذشتہ چار صدیوں سے وہ اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے اس کی مدافعت کرتے آئے تھے۔ وہ ہندوستان کو دارالاسلام سمجھتے اور اس ملک میں مسلمانوں کی برتری کے قائل تھے۔ اکبر نے کبیر اور نانک کے نقشِ قدم پر چل کر صلح کل پالیسی اختیار کی اور مسلمانوں کی برتری ختم کر کے ہندوستان کو دارالاسلام سے ایک سیکولر اسٹیٹ (لادینی مملکت) میں تبدیل کر دیا، اور ہر مذہب و ملّت کے رہنماؤں سے بڑی فراخ دلی سے ملنے لگا۔ اکبر کی اس حکمتِ عملی سے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کو جو نقصان پہنچا، اس کی تلافی آج تک نہیں ہو سکی۔

جینی اور اکبر

سولہویں صدی میں آگرہ جینیوں کا ایک اہم مرکز تھا اور یہیں پہلے پہل اکبر کا تعارف جینیوں کے ساتھ ہوا۔ اس کے بعد سفرِ اجمیر کے دوران اور امبر کے شاہی خاندان سے ازدواجی تعلقات کی بنا پر اکبر کو آئے دن جینیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا۔[1] عبادت خانہ کی تعمیر سے پہلے بھی اکثر جینی ودیادان اکبر کے دربار میں باریاب ہوتے رہتے تھے، اس دور کی تاریخوں میں بدھی ساگر، سادھو کیرتی اور پدما سندر نام کے جینی پنڈتوں کا ذکر ملتا ہے جن کی شاہی دربار میں باقاعدہ آمدورفت رہتی تھی۔ جب عبادت خانہ کے دروازے مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے لئے کھلے تو اکبر نے جینی پنڈتوں کو بھی وہاں آنے کی باقاعدہ دعوت دی۔

عبادت خانہ کے ابتدائی مباحثوں میں جینی پنڈتوں نے اکبر کو اس قدر متاثر کیا کہ اس نے ۱۵۸۲ء میں ہندوستان میں جینیوں کے سب سے بڑے مذہبی رہنما ہیراوجیا سوری سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا۔ اکبر نے

---

[1] اکبر دی گریٹ، جلد اول، ص ۲۶۲

آگرہ کے جینیوں کی وساطت سے اسے دارالحکومت آنے کی دعوت دی[2] اور اس کے ساتھ ہی گجرات کے گورنر شہاب الدین احمد خان کو ایک خط بھیجا جس میں مرقوم تھا کہ وہ ہیراوجیا سوری کو اکبر کا دعوت نامہ قبول کرنے پر آمادہ کرے اور اس کے سفر کا انتظام کرے۔ شہاب الدین احمد خان نے ہیراوجیا سوری کو اکبر کا دعوت نامہ قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔ ہیراوجیا سوری نے اپنے ایک خاص چیلے ومل ہرش کو اپنی آمد کی اطلاع دینے کی غرض سے برق رفتاری سے دارالحکومت کی طرف روانہ کیا اور خود جینیوں کے دستور کے مطابق ۶۷ سادھوؤں کے ایک قافلہ کے ساتھ پاپیادہ فتح پور سیکری کی طرف چل پڑا۔[3]

ہیراوجیا سوری ۷ رجون ۱۵۸۳ء کو فتح پور سیکری پہنچا تو آگرہ سے اس کے استقبال کو آئے ہوئے جینیوں نے اس کا بڑا شاندار جلوس نکالا اور ایک آشرم میں اس کے قیام کا انتظام کیا۔ چند روز بعد ابوالفضل کی وساطت سے ہیراوجیا سوری اکبر کے دربار میں پیش ہوا۔ پہلی ہی ملاقات میں اکبر اس کی علمیت، نیک نفسی اور تقویٰ سے بے حد متاثر ہوا اور اس کی خوشنودی کی خاطر قیدیوں کو رہا کرنے اور پرندوں کو پنجروں سے آزاد کرنے کا حکم صادر کیا۔[4] ہیراوجیا سوری کا قیام دارالحکومت میں دو سال تک رہا اور اس دوران میں وہ گاہ گاہے اکبر سے ملتا رہا۔ اکبر نے جین مت کے متعلق اس سے بہت کچھ سیکھا اور اس کی علمیت کا اعتراف کرتے ہوئے اسے "جگت گورو" کا خطاب دیا۔ اکبر کی یہ بڑی خواہش تھی کہ ہیراوجیا سوری اپنے گذارہ کے لئے مدد معاش

---

[2] ایضاً، ص ۲۶۳ [3] ایضاً، ص ۳۶۴

[4] اے شارٹ ہسٹری آف مسلم رول ان انڈیا، ص ۳۷۲

قبول کرے لیکن وہ اس پر رضامند نہ ہوا۔

ہیراوجیا سوری نے اکبر کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اہمسا کے نظریہ کو فروغ دے گا۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ اکبر نے یکے بعد دیگرے کئی فرامین جاری کئے جن کی رو سے اکبر نے سال کے کئی مہینوں اور ہفتے کے مختلف دنوں میں ہر قسم کے ذبیحہ پر پابندی لگا دی۔[۵۵] صیاد، ماہی گیر، جلّاد اور قصاب مقہور ومعتوب قرار پائے اور عوام کو ان کے ساتھ نشست و برخاست اور خورد و نوش کی ممانعت کر دی۔[۵۶] اکبر نے خود بھی شکار کھیلنا موقوف کر دیا اور عوام کو بھی شکاری کتوں کے ساتھ شکار کھیلنے سے روک دیا۔ اسی طرح ایک فرمان کی رو سے اکبر نے بیلوں سے ان کی ہمت سے زیادہ کام لینے پر بھی پابندی عائد کر دی۔ اکبر نے یہ بھی حکم دیا کہ لوگوں نے اپنے گھروں میں جو پرندے پنجروں میں قید کر چھوڑے ہیں انہیں فی الفور رہا کیا جائے۔[۵۷] ایک اور فرمان کی رو سے اکبر نے بندر پکڑ کر سدھانے اور انہیں گھروں میں باندھ کر رکھنے پر بھی پابندی لگا دی۔ اکبر ہیراوجیا سوری کی صحبت میں رہتے ہوئے اہمسا کے اصول پر یہاں تک کاربند ہو گیا تھا کہ اس نے عوام کو چوہے مارنے سے بھی منع کر دیا۔[۵۸]

اتفاق سے کرم چند نامی ایک جینی ودیا دان نے، جو ریاست بیکانیر میں منصبِ وزارت پر فائز تھا، مہاراجہ کی ملازمت سے استعفا دے کر اکبر کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس نے اکبر کا تعارف جے چند سوری

---

[۵۵] آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۳۵۰ [۵۶] ایضاً، ص ۳۴۹

[۵۷] اکبر دی گریٹ، جلد اول ص ۲۶۷ [۵۸] ایضاً۔

نام کے ایک جینی پنڈت سے کرایا۔ جے چند سوری کی صحبت میں رہتے ہوئے اکبر نے گوشت خوری کے علاوہ لہسن اور پیاز کا استعمال بھی ترک کر دیا۔[۵/۹] اکبر کے تینتیسویں سال جلوس میں جب ابوالفضل علامی مہابھارت کا دیباچہ لکھنے بیٹھا تو اس وقت اکبر کو گوشت خوری سے اجتناب کئے ہوئے سات ماہ گذر چکے تھے۔[۶۰] ابوالفضل آئینِ اکبری میں لکھتا ہے کہ بادشاہ اکثر کہا کرتا تھا۔ معدۂ خود را دخمۂ گاہ جانوران ساختن سزاوار نبود۔[۶۱]

ہیراوجیا سوری کی واپسی کے بعد ہمیں اکبر کے مصاحبوں میں شانتی چند اور بھانو چندر نام کے دو جینی پنڈت نظر آتے ہیں جو سفر و حضر میں بادشاہ کے ہمراہ رہتے تھے۔[۶۲] ہندو مؤرخوں کا کہنا ہے کہ ۱۵۷۸ء کے بعد کوئی دور ایسا نہیں گذرا جب اکبر کے دربار میں ایک دو جینی پنڈت نہ ہوتے ہوں۔[۶۳] انہی پنڈتوں کے توسط سے جینیوں کے مذہبی رہنما اکبر کی خدمت میں باریاب ہوتے رہتے تھے۔ ایشوری پرشاد نے ۱۵۹۳ء کے واقعات کے ضمن میں لاہور میں اکبر اور سدھ چندر نام کے ایک جینی مذہبی رہنما کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ سدھ چندر نے اکبر کو اپنی گفتگو سے کچھ اس طرح سے متاثر کیا کہ اکبر نے اس کے ایما پر جینیوں کے لئے بہت سی مراعات کا اعلان کیا۔[۶۴]

شانتی چندر اور بھانو چندر کے ساتھ صحبتِ دوام نے اکبر پر ایسا اثر ڈالا کہ وہ جین مت کی حقانیت کا قائل ہو گیا تھا جینیوں کی خوشنودی کی خاطر اکبر نے ۱۶ فروری ۱۵۹۰ء کو گجرات کے گورنر خانِ اعظم کے نام ایک فرمان

[۵/۹] ریلیجس پالیسی آف دی مغل ایمپررز، ص ۲۲۔ [۶۰] مہابھارت، ص ۱۳

[۶۱] آئین اکبری، جلد ۳، ص ۳۰۳ [۶۲] اکبر دی گریٹ، جلد اول، ص ۲۶۵

[۶۳] اے شارٹ ہسٹری آف مسلم رول ان انڈیا ص ۳۷۲ [۶۴] ایضاً، ص ۳۷۳

جاری کیا جس میں اسے یہ ہدائیت کی گئی تھی کہ گجرات میں جینیوں کے مندروں سے کسی قسم کا تعرض نہ کرے۔[۱۵] اس واقعہ کے دو سال بعد اکبر نے ہیراوجیا سوری کو ایک خط کے ذریعے اطلاع دی کہ اس نے مالوہ، آگرہ، لاہور، ملتان اور گجرات کے صوبہ داروں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اپنے دائرہ اختیار میں واقع جینیوں کے مندر قبضۂ اغیار سے نکال کر جینیوں کے حوالے کر دیں۔[۱۶] اکبر کی اس جین نوازی سے بعض جینی پنڈتوں کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ بادشاہ نے جین مت اختیار کر لیا ہے۔[۱۷]

مندرجہ بالا شواہد کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اکبر کے تعلقات جینیوں کے ساتھ بڑے خوشگوار تھے اور ان کے زیر اثر اکبر نے جینیوں کے بہت سے طور طریقے اپنا کر اکثر لوگوں کو اس شبہ میں ڈال دیا تھا کہ اس نے جین مت اختیار کر لیا ہے۔

---

۱۵ اکبر دی گریٹ، جلد اوّل، ص ۲۶۶ ۱۶ ایضاً۔
۱۷ اے شارٹ ہسٹری آف مسلم رول ان انڈیا، ص ۳۷۲

پارسی اور اکبر

پارسی موبدوں کو عبادت خانہ میں آ کر مذہبی مباحثوں میں حصہ لینے کا باقاعدہ دعوت نامہ بھیجنے سے پہلے ہی اکبر زرتشتی مذہب سے متعارف ہو چکا تھا۔ گجرات میں قیام کے دوران اکبر کو پارسیوں سے ملنے کا اکثر اتفاق ہوتا تھا۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ ۱۵۷۳ء میں جب اکبر سورت کا محاصرہ کئے پڑا تھا ان دنوں اس نے پارسیوں کے مشہور مذہبی رہنما دستور مہر جی رانا کی شہرت سنی جو ان دنوں سورت کے نواح میں نوساری میں مقیم تھا۔ اکبر نے اس سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا اور اسے شرفِ باریابی بخشا۔ ملاقات کے دوران اکبر اس کی گفتگو سے اس قدر متاثر ہوا کہ اُسے دارالحکومت آنے کی دعوت دی۔[۱]

ابوالفضل کی تحریروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دستور مہر جی رانا دوسرے پارسی دساتیر کے ساتھ ۱۵۷۸ء میں عبادت خانہ میں موجود تھا۔ مہر جی رانا چونکہ ایرانی النسل تھا اس لئے اُسے فارسی زبان پہ پورا

---

۱ اکبر دی گریٹ، جلد اوّل، ص ۲۴۸

عبور تھا، بنابریں اکبر کے ساتھ گفتگو کرتے وقت اُسے کسی مترجم کی ضرورت نہ تھی۔ مہرجی رانا نے سیدھے سادے الفاظ میں زرتشتی مذہب کے عقاید اور نظریات کچھ اس طریقے سے اکبر کے ذہن نشین کئے کہ وہ سورج، آگ اور چراغ کی پرستش کرنے لگا۔ ابوالفضل رقمطراز ہے کہ بادشاہ آگ کو "اُم العناصر" سمجھتا تھا اس لئے وہ اسکی تعظیم دل و جان کے ساتھ کیا کرتا تھا۔[2] بدایونی رقمطراز ہے کہ جب نوساری سے پارسی دساتیر کا وفد دارالحکومت آیا تو ان کے زیر اثر اکبر نے ابوالفضل کو حکم دیا کہ وہ اس بات کا خاص اہتمام کرے کہ شاہی محل کے اندر ہمہ وقت آگ روشن رہے۔[3] بادشاہ کے حکم سے شاہی آتشکدہ کو آباد رکھنے کے لئے کرمان سے پارسیوں کی ایک جماعت دارالحکومت بلائی گئی۔ انہی ایّام میں کرمان کے ایک پارسی مؤبد دستور اردشیر کا شہرہ اکبر کے دربار تک پہنچا تو اس نے ایک خصوصی دعوت نامہ بھیج کر اُسے فتح پور سیکری بلایا۔[4] الناس علیٰ دین ملوکھم کے مصداق اکبر کے مصاحب بھی پارسیوں کا دل و جان کے ساتھ احترام کیا کرتے تھے۔ محسن فانی کی روایت ہے کہ ابوالفضل آذر کیوان نامی ایک پارسی مؤبد کا دل و جان کے ساتھ معتقد تھا۔[5]

آگ کی عظمت نے اکبر کے دل میں چراغ کے لئے بھی تعظیم پیدا کر دی تھی۔ "عظمت چراغ" کے تحت ابوالفضل لکھتا ہے:۔

جہان کو روشن کرنے والا روشن دل	گیہان فروز روشن دل نور دوستی
(بادشاہ) آگ کی محبت کو خداپرستی اور	را ایزد پرستی شمارد و ستائش الٰہی

[2] مہابھارت، ص ۲۵ [3] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۶۱
[4] دبستان مذاہب، ص ۲۶۶ [5] ایضاً۔

اندیشد، نادان تیرہ خاطر دادار	ستائش الٰہی سمجھتا ہے لیکن تاریک
فراموشی و آذر پرستی خیال کنند[6]	باطن نادان اُسے خدافراموشی اور
	آذرپرستی پر محمول کرتا ہے۔

ابوالفضل کی روایت ہے کہ بادشاہ چراغ کی لو کو "سرچشمۂ الٰہی نور" کہا کرتا تھا۔[7] اس لئے جب شام کے وقت شاہی محل میں چراغ روشن کئے جاتے تو شاہی خدام سونے چاندی کے بارہ لگنوں میں کافوری شمعیں لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ بادشاہ شمعوں کا دل و جان کے ساتھ احترام کرتا اور ان کی آرتی لیتا۔ جب تک روشن دل بادشاہ "ایزد پرستی" میں مصروف رہتا اتنی دیر ایک خوش الحان خادم شمع کی مدح سرائی اور بادشاہ کے لئے دعا کرتا رہتا تھا۔[8] بدایونی کی روایت ہے کہ اگر کبھی بادشاہ دربار میں ہوتا اور چراغ جلانے کا وقت ہو جاتا تو وہ چراغ جلانے کے وقت احتراماً کھڑا ہو جاتا اور اس کی تقلید میں اس کے درباری بھی چراغ کے احترام میں کھڑے ہو جاتے۔[9] ابوالفضل لکھتا ہے کہ اکبر کہا کرتا تھا کہ چراغ روشن کرنا سورج کی یاد تازہ کرنا ہے اور جو شخص سورج کو عزیز رکھتا ہو وہ اگر (غروب آفتاب کے بعد) چراغ جلا کر اس کا احترام نہ کرے تو پھر اور کیا کرے؟[10]

[6] آئین اکبری، جلد اول، ص ۴۷ [7] ایضاً۔
[8] ایضاً، ص ۴۸۔ [9] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۶۱ "مقربان نیز در وقت افروختن شمع و چراغ قیام لازم ساختند"
[10] آئین اکبری، جلد ۳، ص ۳۰۳

پارسی مؤبدوں کی صحبت میں رہتے ہوئے اکبر تجہیز و تکفین کے اسلامی طریقہ کو ناپسند کرنے لگا تھا۔ پارسی چونکہ اپنے مُردوں کو دخموں میں سورج کی روشنی میں گلنے سڑنے کے لئے رکھ آتے ہیں ان کی دیکھا دیکھی اکبر بھی اسی طریقہ پر عمل کرنے لگا تھا۔ جب اکبر کا مرید خاص سلطان خواجہ فوت ہوا تو اکبر نے قریب قریب پارسی طریقہ کے مطابق ہی اُسے ٹھکانے لگایا تھا۔ بدایونی رقمطراز ہے کہ قبر میں اُتارنے سے پہلے میّت کی زبان پر ایک دہکتا ہوا انگارہ رکھا گیا اور لحد بند کرنے وقت میت کے چہرہ کے مقابل مشرق رو ایک دریچہ بنایا گیا تاکہ ہر صبح جب — آفتاب جلّت عظمتہٗ و عزشانہٗ طلوع ہو تو اس کی پہلی کرنیں میّت کے چہرہ پر پڑیں۔ بدایونی کا خیال ہے کہ اکبر اور اس کے پیروؤں کا یہ عقیدہ تھا کہ سورج کی روشنی انسان کو گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔[11] ہمارا یہ خیال ہے کہ چونکہ آگرہ میں پارسیوں کا کوئی باقاعدہ دخمہ موجود نہ تھا اس لئے اکبر نے قبر میں کھڑکی بنا کر میّت کو ٹھکانے لگانے کا پارسیوں سے ملتا جلتا طریقہ وضع کر لیا تھا۔

شہرہ آفاق ہندو مورخ ڈاکٹر سری واستوا رقمطراز ہے کہ پارسیوں کے زیر اثر اکبر ان جیسا ہی لباس پہننے لگا تھا۔[12] ان ہی پارسیوں کے زیر اثر اکبر نے سن ہجری منسوخ کر کے اس کی جگہ قدیم ایرانی کلینڈر کو رواج دیا۔[13] ابوالفضل کی ایک تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اکبر کے عہد حکومت میں یہ بات کوتوال کے فرائض میں شامل تھی کہ وہ اس بات کا خاص خیال

---

[11] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۴۱

[12] اکبر دی گریٹ، جلد اوّل، ص ۲۵۰ [13] ایضاً۔

رکھے کہ اس کے حلقۂ اختیار میں عوام صرف قدیم ایرانی کلینڈر ہی استعمال کریں۔[14] پارسیوں کی صحبت میں رہتے ہوئے اکبر کے دل میں نوروز کی اہمیت پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ نوروز کا تہوار اس کے شاہی محل میں بڑی دھوم دھام کے ساتھ منایا جاتا تھا۔

دستور مہرجی رانا نے اپنے ہم مذہبوں کے لئے بادشاہ سے بہت سی مراعات حاصل کیں اور اس کے ہم مذہبوں نے بھی اس کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اُسے ہندوستان کا مؤبد اعظم مقرر کیا۔[15]

اکبر کے دل میں دستور مہرجی رانا کا کتنا احترام تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اکبر نے اُسے مدد معاش کے طور پر دو سو بیگھہ اراضی دی ہوئی تھی۔ جب ۱۵۹۱ء میں رانا کا انتقال ہوا تو اکبر نے وہ اراضی اس کے فرزند کیقباد کے نام منتقل کر دی۔ کیقباد نے شاہی دربار کے ساتھ تعلقات بحال رکھے اور اکبر اس سے اس قدر خوش تھا کہ ۱۵۹۵ء میں اس نے مزید سو بیگھہ زمین کیقباد کو عطا کی۔[16]

ابوالفضل کی ایک تحریر سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ پارسیوں کی صحبت میں رہتے ہوئے اکبر نے جو طور طریقے اپنائے تھے انہیں دیکھ کر — نادان تیرہ خاطر — یہ سمجھتے تھے کہ بادشاہ نے پارسی مذہب اختیار کر لیا ہے۔[17]

ہمارے خیال میں جب "نادان تیرہ خاطر"، روشن دل بادشاہ کو سورج کی

---

[14] آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۳۵۰۔

[15] دی پارسیز ایٹ دی کورٹ آف اکبر، ص ۱۵۴، ۱۵۵

[16] اکبر دی گریٹ۔ جلد اول، ص ۲۵۰ [17] آئین اکبری جلد اوّل، ص ۴۷

پرستش کرتے، آگ کے سامنے جھکتے، چراغ کی آرتی لیتے، ایرانی کلینڈر کو رائج کرتے، نوروز کا تہوار مناتے، آتش کدے تعمیر کرتے اور پارسیوں کے لباس میں ملبوس دیکھتے تو وہ — من تشبہ بقوم فھو منھم کے مصداق اُسے پارسی ہی سمجھتے تھے۔

اکبر اور عیسائی

۱۵۷۳ء میں جب اکبر سورت کا محاصرہ کئے پڑا تھا، گوا سے پرتگیزی حکام نے انٹونی کیبرل کی قیادت میں ایک وفد اکبر کی خدمت میں روانہ کیا۔[1] یہ پہلا موقع تھا جب اکبر کا تعارف پادریوں کے ساتھ ہوا۔ اس واقعہ کے چار سال بعد ساتگاؤں (بنگال) سے پیڈرو ٹیورز نامی ایک پادری اکبر کے دربار میں حاضر ہوا۔ اکبر اس کی دیانت اور قابلیت سے بے حد متأثر ہوا اور اس کی خوب آؤ بھگت کی۔[2] پیڈرو ٹیورز کی وساطت سے جولین پریرا نامی ایک دریدہ دہن پادری اکبر کے دربار میں باریاب ہوا۔ مکلیگن کا کہنا ہے کہ وہ اکبر کے سامنے اسلام کی کمزوریاں اور خامیاں بیان کیا کرتا تھا۔[3]

عیسائیت کے متعلق مکمل تحقیق اور تجسس کے شوق میں اکبر نے پرتگیزی زبان سیکھنے پر بھی آمادگی ظاہر کی تاکہ وہ براہ راست پادریوں سے گفتگو کر سکے۔ جولین پریرا نے جب دیکھا کہ عیسائیت میں اکبر کی دلچسپی روز بروز

---

[1] دی جیسوائٹس اینڈ دی گریٹ مغل، ص ۲۳۔ [2] ایضاً، ص ۲۴
[3] ایضاً۔

بڑھتی جا رہی ہے تو اس نے اکبر کو بتایا کہ گوا میں ایک سے ایک بڑھ کر پادری موجود ہے، اگر وہ گوا کے پرتگیزی حکام کو لکھے تو وہ یقیناً چند پادری اس کی خدمت میں بھیج دیں گے۔[۴] ڈو جیرک کا بیان ہے کہ اکبر نے خود گوا کے پرتگیزی حکام سے یہ درخواست کی کہ وہ اس کے دربار میں چند عیسائی مبلغ بھیجیں[۵] چنانچہ اس کی درخواست پر گوا سے رڈولف افزاویوا، انٹونی مونسیرٹ اور فرانسس ہنرلیقویز نام کے تین منہ پھٹ پادری آواخر فروری ۱۵۸۰ء میں فتح پور سیکری پہنچے[۶] اکبر اور اس کے حواری پادری رڈولف کی فہم و فراست کے بڑے معترف تھے۔ ابوالفضل کے اکبر نامہ کا ایک ہم عصر مصور نسخہ چیسٹر بیٹی لائبریری میں موجود ہے، اس میں ایک تصویر میں اکبر اور رڈولف کو گفتگو کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یہ تصویر المبی ولسنر نے "اکبرز ریلیجس تھاٹ ریفلیکٹڈ ان مغل پینٹنگ"، میں شائع کر دی ہے[۷] مونسیرٹ بھی اچھا پڑھا لکھا تھا اور وہ شہزادہ مراد کو پرتگیزی زبان پڑھانے پر مامور تھا[۸] مونسیرٹ نے ایک ڈائری اپنی یادگار چھوڑی ہے، جس میں عبادت خانہ کے مذہبی مباحثوں کی تفصیل درج ہے۔ مؤخر الذکر پادری فرانسس ہنرلیقویز ایرانی النسل اور ہرمز کا باشندہ تھا۔ پہلے وہ مسلمان تھا بعد ازاں عیسائی مبلغوں کی سعی سے اس نے عیسائیت اختیار کر لی۔ فارسی اس کی مادری زبان تھی اس لئے وہ براہِ راست اکبر سے گفتگو کر سکتا تھا۔[۹]

۶؎ دی جیسوائٹس اینڈ دی گریٹ مغل، ص ۲۵، ۲۶

۷؎ اکبرز ریلیجس تھاٹ ریفلیکٹڈ ان مغل پینٹنگ، پلیٹ نمبر ۲۳۔

۸؎ ایضاً، ص ۳۲

۹؎ ایضاً، ص ۲۵

جس طرح اکبر نے ان پادریوں کی آؤ بھگت کی تھی اور جس ذوق و شوق سے وہ ان کی باتیں سنتا تھا، اس سے پادریوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ عنقریب ہی عیسائیت قبول کر لے گا۔ یہ پادری اکبر کے دربار میں تین سال تک رہے لیکن وہ اکبر کو عیسائیت کی حقانیت کا قائل نہ کر سکے۔ عیسائی مؤرخین کا کہنا ہے کہ اکبر کو عقیدۂ تثلیث پر سب سے زیادہ اعتراض تھا اور پادری کسی طرح بھی اُسے اس کا قائل نہ کر سکے۔

اس وفد کی واپسی کے بعد بھی اکبر عیسائی مذہب میں باقاعدہ دلچسپی لیتا رہا۔ ایک بار اُسے کسی نے بتایا کہ پرتگیزوں نے توراۃ اور انجیل کا فارسی میں ترجمہ کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی اکبر نے سید مظفر کو گوا روانہ کیا اور اُسے ہدایت کی کہ وہ بعجلتِ ممکنہ — دانایانِ فرنگ — سے یہ تراجم لے آئے۔[۱۰] ۱۵۹۰ء میں اکبر لاہور میں تھا، اتفاقاً اس کی ملاقات لیوگرمین المعروف بہ پادری فرمالیون سے ہوئی۔ اکبر نے اس کے ہاتھ گوا کے پرتگیزی حکام کے نام ایک خط بھیجا جس میں ان سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ پادریوں کا ایک وفد اس کے دربار میں بھیج کر اُسے ممنون کریں۔[۱۱] پہلے وفد کی ناکامی کے بعد گوا کے حکام اور پادری دوسرا وفد بھیجنے پر آمادہ نہ تھے، لیکن جب فرمالیون نے انہیں بتایا کہ اب پہلے کی نسبت کامیابی کے کہیں زیادہ امکانات ہیں کیونکہ اکبر اب پہلے جیسا مسلمان نہیں رہا۔ اب اس کے دربار میں حضورؐ کا ذکر بالکل اسی طرح ہوتا ہے جیسے ہم عیسائی ممالک میں کرتے ہیں

۱۰؎ رقعات ابوالفضل، دفتر اوّل، ص ۳۸

۱۱؎ دی جیسوائٹس اینڈ دی گریٹ مغل، ص ۴۶

میں نے بچشمِ خود دیکھا ہے کہ لاہور میں مساجد کے منارے گرا کر انہیں اصطبلوں میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔[12] فرمالیون نے اکبر کی اسلام دشمنی کا نقشہ کچھ اس انداز سے کھینچا کہ گوا کے حکام نے وفد بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس بار پادری ڈوارٹے لیٹاؤ۔ کرسٹوول ڈی ویگا اور ایسٹیواُر رابیرو اکبر کی خدمت میں روانہ کئے گئے۔[13]

اکبر نے حسبِ معمول ان پادریوں کی بڑی عزت کی اور ان کی رہائش کا انتظام کیا۔ ان پادریوں نے حسبِ عادت ایک مشن سکول کھولا اور بچوں کو تعلیم دینے لگے۔ یہ پادری مذہبی مناظروں میں بہت منہ پھٹ واقع ہوئے تھے اس لئے دربار کے راسخ العقیدہ مسلمان اُمراء نے ان کی مخالفت شروع کر دی اور ان کے لئے اکبر کے دربار میں اپنا مشن جاری رکھنا محال ہو گیا۔ چند روز میں پادریوں کو بھی اس بات کا یقین ہو گیا کہ اکبر عیسائی نہیں ہو گا۔ اس لئے یہ مشن جلد ہی واپس لوٹ گیا۔[14]

گوا اور روم کے مذہبی حلقوں میں دوسرے مشن کی جلد واپسی پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا کیونکہ انہیں اُمید تھی کہ اکبر عیسائی ہو جائے گا۔ اکبر نے خود بھی مشن کے اس طرح سے واپس چلے جانے سے کوئی اچھا تاثر نہیں لیا تھا۔ ۱۵۹۴ء میں اکبر نے گوا کے پرتگیزی حکام سے پھر درخواست کی کہ چند پڑھے لکھے پادری اس کے دربار میں بھیجے جائیں۔ گوا کے حکام نے اس کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے فادر جیروم ژیویئر، فادر عمانوئیل پنہیرو اور

---

۱۲ ایضاً، ص ۴۸، ۱۳ ایضاً۔

۱۴ ایضاً۔

برادر بینیڈکٹ گوئیز کو لاہور روانہ کیا۔ یہ تینوں ہی بڑے قابل اور فہم و فراست میں ضرب المثل تھے۔[15]

یہ وفد ۵ مئی ۱۵۹۵ء کو لاہور پہنچا اور اکبر نے حسب سابق ان کی عزت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ان پادریوں نے بھی لاہور میں ایک مشن سکول کھولا اور اکبر سے لاہور میں ایک گرجا تعمیر کرنے کی اجازت لے لی۔[16] اکبر نے اس گرجا کی تعمیر کے لئے شاہی خزانہ سے بھی ایک کثیر رقم ادا کی۔[17] جب یہ گرجا بن کر تیار ہوا تو گوا سے فادر فرانسسکو کورسی اور اس کے بعد فادر انٹونی میکاڈو لاہور بھیجے گئے۔ جب اکبر لاہور کی سکونت ترک کر کے آگرہ چلا گیا تو جیروم اور میکاڈو بھی آگرہ چلے گئے۔

اکبر کی روانگی کے بعد لاہور کے گورنر قلیج خانؒ نے عیسائیوں کی مخالفت شروع کر دی اور عیسائی اس کے خوف سے لاہور سے بھاگنے لگے۔ میکلیگن کا کہنا ہے کہ عیسائی خانِ موصوف سے بڑے خائف رہتے تھے اور اس کے سامنے حضورؐ کا ذکر ذرا سوچ سمجھ کر کیا کرتے تھے۔[18]

تیسرا عیسائی مشن بھی پہلے دو مشنوں کی طرح ناکام رہا۔ بظاہر یہ پادری اکبر کی موت تک اس کے ساتھ رہے اور نزع کے عالم میں بھی اکبر کو دیکھنے گئے، مگر راسخ العقیدہ امراء کی موجودگی میں ان کی دال نہ گلی، ورنہ وہ تو اُسے آخری سانس تک گناہوں سے پاک کرنے پر تلے ہوئے تھے۔[19]

---

۱۵ ایضاً، ص ۵۰ ۱۶ ایضاً، ص ۵۴

۱۷ نقوش لاہور نمبر ص ۷۸۳۔ ۱۸ دی جیسوائٹس اینڈ دی گریٹ مغل، ص ۶۰

۱۹ ایضاً، ص ۶۴۔

ان مشنوں کی غرض و غائت کیا تھی یہ خود عیسائیوں کی زبان سے سنئے ڈوجیرک کی کتاب "اکبر اینڈ دی جیسوائٹس" کے دیباچہ میں پین صاحب رقمطراز ہیں کہ پادریوں کے جو وفود اکبر کی بارگاہ میں باریاب ہوئے ان کا مقصد اُسے عیسائی بنا کر اس کی سلطنت میں تعلیمات انجیل کی داغ بیل ڈالنا تھا۔[20]

یہ عیسائی پادری اپنے ساتھ قرآن مجید کا فارسی ترجمہ اس غرض سے لائے تھے کہ وہ اکبر کے سامنے "قرآن کی خامیوں، اس کی غلط بیانیوں اور اخلاقی مسائل کی وضاحت کر سکیں"[21] یہ عیسائی پادری اکبر کو قانون اسلامی کے "رطب و یابس" سے آگاہ کرنے کے علاوہ یہ بھی بتایا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم) کا دیا ہوا قانون "جھوٹ کا پلندہ" ہے۔[22] انہوں نے بادشاہ سے یہ بھی درخواست کی کہ وہ اپنی مملکت میں قرآن کے درس و تدریس پر پابندی لگادے کیونکہ وہ "اغلاط سے بھرا پڑا ہے۔"[23]

قرآن کریم کے متعلق ابوالفضل بھی کم و بیش ایسے ہی خیالات رکھتا تھا جہانگیر نے ایک موقع پر یہ کہا تھا کہ ابوالفضل نے یہ بات میرے والد کے ذہن نشین کرادی تھی کہ قرآنِ کریم وحی الٰہی نہیں بلکہ یہ حضورؐ نبی اکرم کی تصنیف ہے۔[24]

جب آگرہ میں پہلا گرجا تعمیر ہوا تو اکبر بنفسِ نفیس وہاں پہنچا اور عیسائیوں کے ساتھ عبادت میں شریک ہوا۔ اس نے عیسائیوں کے دستور کے

---

[20] اکبر اینڈ دی جیسوائٹس - ص ۳۴   [21] ایضاً، ص ۱۱
[22] ایضاً، ص ۱۶   [23] ایضاً - ص ۲۳ - ۲۲
[24] مآثر الامراء - جلد ۲، ص ۲۱۷

مطابق اپنی پگڑی اُتار کر رکھ لی اور گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر دُعا مانگی۔[25]

ایک زمانہ تھا کہ وہ سلیم کو ملّا عبدالنبی کے گھر سماعت حدیث کے لئے بھیجا کرتا تھا اور اب یہ دن بھی آئے کہ اس نے شہزادہ مراد کو حکم دیا کہ وہ پادریوں سے انجیل کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرے۔[26]

ایک بار اکبر کشمیر کے سفر میں تھا کہ اس کے دل میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے سوانح حیات جاننے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اتفاق سے سینٹ فرانسس ژیویر کا ایک رشتہ دار ژیرونیموشویر اس سفر میں اس کے ہم رکاب تھا۔ اکبر کی فرمائش پر اس نے حضرت عیسٰی علی نبینا و علیہ السلام کے سوانح حیات "مرآۃ القدس" کے نام سے لکھ کر اس کی خدمت میں پیش کئے۔ اتفاق سے مرآۃ القدس کا ۱۶۰۲ء کا لکھا ہوا ایک مخطوطہ برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہے۔ اس کے دیباچہ میں ژیرونیموشویر نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ اس نے یہ کتاب بادشاہ کے حکم پر قلمبند کی ہے۔[27]

اسی طرح اکبر نے ابوالفضل کو یہ حکم دیا کہ وہ انجیل کا فارسی میں ترجمہ کرے۔ بدایونی نے ابوالفضل کا یہ ترجمہ دیکھا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کی ابتدا "اے نامی وی ژژو کرستو" سے ہوتی تھی۔[28] بدایونی کا یہ کہنا ہے کہ اکبر کے پاس حضرت عیسٰیؑ اور حضرت مریمؑ کی تصاویر تھیں اور اس نے

---

[25] اکبر اینڈ دی جیسوائٹس، ص ۲۵۔
[26] i ایضاً، ص ۲۵، ii منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۶۰
[27] کیٹلاگ آف دی پرشین مینوسکرپٹس ان دی برٹش میوزیم جلد اول، ص ۳
[28] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۶۰

عیسائیوں کے بعض طریقے بھی اپنا لئے تھے۔[29] ابو الفضل اور بدایونی دونوں اس پر متفق ہیں کہ اکبر صبح کے وقت ایک جھروکہ میں آکر اپنی رعایا کو درشن دیا کرتا تھا۔ عین ممکن ہے کہ اکبر نے یہ چیز عیسائی پادریوں سے سیکھی ہو کیونکہ ان کے ہاں بھی پاپائے اعظم اتوار کے روز لسبد کا سینٹ پیٹرز کے جھروکہ میں آکر اپنے معتقدین کو درشن دیتا تھا۔

بدایونی کا یہ کہنا ہے کہ یہ دریدہ دہن پادری اکبر کے دربار میں قرآن، اسلام اور بانیٔ اسلام کو علی الاعلان بُرا بھلا کہتے تھے اور وہ علمأ کے ساتھ مناظروں میں دجال کی تمام صفات (نعوذ باللہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ذات پاک میں ثابت کرتے تھے۔[30] دوسرے مؤرخین کے بیانات سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کی بدزبانی سے راسخ العقیدہ مسلمان امراء بہت برافروختہ ہوتے تھے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اکبر کو پادریوں کے لئے ایک حفاظتی دستہ کا انتظام کرنا پڑا تھا بدایونی کو بعض روشن خیال مؤرخ دروغ گو اور کذب نگار کہتے ہیں، ان کا یہ کہنا ہے کہ بدایونی نے یہ سب باتیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے اور اکبر کو بدنام کرنے کی خاطر لکھی ہیں۔ حالانکہ ڈو جیرک کی اپنی تحریروں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ پادری بڑے دریدہ دہن ثابت ہوئے تھے مونسیرٹ کی ڈائری بھی اس پر شاہد ہے کہ وہ بڑا منہ پھٹ تھا اور حضورؐ کا ذکر بڑے

---

[29] ایضاً، ص ۳۰۴۔ عیسائی ذرائع سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ اکبر ان تصویروں کا بڑا احترام کیا کرتا تھا۔ ملاحظہ ہو۔ دی جیسوالٹس اینڈ دی گریٹ مغل، ص ۵۳

[30] ایضاً۔ ص ۲۶۰

نازیبا الفاظ میں کیا کرتا تھا۔[31] یہ تو اکبر کے عہد میں پادریوں کی کیفیت تھی، شاہجہان کے عہد میں منریق نامی ایک عیسائی مشنری نے ہندوستان کا دورہ کیا تھا۔ اس کا سفرنامہ شائع ہو چکا ہے، بدایونی نے ایسی کوئی بات عیسائیوں کے متعلق نہیں لکھی جس کی صدائے بازگشت منریق کے سفرنامہ سے نہ سنائی دیتی ہو۔

ان عیسائیوں کی آمد و رفت اور ان کے مناظرے سن کر اکبر کے دل سے قرآن، اسلام اور بانیٔ اسلام کا احترام جاتا رہا۔ بدایونی کا کہنا ہے کہ اکبر نے علومِ شریعت یعنی قرآن، حدیث اور فقہ کے پڑھنے پڑھانے پر پابندی لگا دی اور ان کی بجائے ریاضی۔ ہیئت، نجوم اور منطق جیسے مضامین کا مطالعہ کرنے کا حکم دیا۔ ابو الفضل کی آئین اکبری سے بھی بدایونی کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ بادشاہ نے صرف علوم عقلیات کی تحصیل کا حکم دیا تھا۔[33] شاید ان ہی پادریوں کے مناظرے سن کر اکبر کے دل سے بانیٔ اسلام کا احترام اُٹھ گیا تھا، اور اس نے احمد، محمد، محمود اور مصطفیٰ جیسے نام رکھنے پر ناخوشنودی کا اظہار کیا۔[34] علاوہ ازیں اس نے حضورؐ کا نام نامی کلمہ طیبہ سے حذف کر دیا (اور خاص خاص حلقوں یا شاہی محلات کے اندر) یہ کلمہ پڑھا جاتا تھا۔[35]

لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ

---

[31] مونسیرٹس کومنٹری، ص ۱۳۰ [32] ایضاً، ص ۳۳۶

[33] آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۲۵۰ [34] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۶۹، ۲۱۴

[35] ایضاً۔ ص ۲۷۳۔

اس کے علاوہ اگر بادشاہ کے کسی ملازم کے نام کا جزو محمد ہوتا تو وہ اُسے کسی دوسرے نام سے پکارتا تھا۔[٣٦] اس نے خود اپنے پوتوں کے نام ساسانی بادشاہوں کے ناموں پر ہوشنگ، طہمورث اور بایسنغر رکھے تھے[٣٧] عین ممکن ہے کہ اکبر نے ایک سے زائد شادیوں پر پابندی ان ہی پادریوں کے زیر اثر لگائی ہو۔

عیسائیوں کی صحبت میں رہتے ہوئے اکبر نے ان کی بہت سی عادات اپنالی تھیں۔ بدایونی کا کہنا ہے کہ۔ "نواختن ناقوس نصاریٰ و تماشائی صورت ثالث ثلاثہ و بلبلان کی خوشش گاہ ایشان است وسایر لہو و لعب وظیفہ شد" "وکفر شائع شد" "تاریخ یافتند"[٣٨]

---

٣٦ ایضاً، ص ٢٦٩، ٣١۴

٣٧ تکملہ اکبرنامہ، ورق ٣۵ الف، ۴٠ الف، ۴٦ الف

٣٨ منتخب التواریخ، جلد ٢، ص ٣٠۴

نقطوی تحریک اور اکبر

اکبر کے مُریدوں میں ابوالفضل سرِفہرست تھا اور بدایونی نے ایک موقع پر اُسے "مجتہدِ دین و مذہب نو" کے لقب سے ملقب کیا ہے[١] جن لوگوں نے اکبر کو گمراہ کیا ان میں بھی ابوالفضل کا نام سب سے اوپر تھا۔ جہاں تک شیخ مبارک کا تعلق ہے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ وہ شیعہ تھا لیکن جہاں تک ابوالفضل کی ذات کا تعلق ہے وہ ملحد تھا۔ اس کی اپنی تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی زندگی میں ہی اس پر فتوے لگنے شروع ہو گئے تھے[٢] ابوالفضل فطرتاً الحاد کی طرف مائل تھا اور ایک بار اس نے باتوں باتوں میں بدایونی سے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ چند روز وادیٔ الحاد کی سیر کروں۔ بدایونی نے کہا کہ اگر نکاح کی قید اُٹھا دو تو پھر اس سیر کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔[٣] اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابوالفضل کے دل میں اسلام کے متعلق شکوک پیدا ہو چکے تھے اور — فزادھم اللہ مرضاً — کے مصداق یہ شکوک دن بدن بڑھتے گئے اور آخرکار وہ مبدأ و معاد کا انکار کر کے ملحد ہو گیا۔

---

١ منتخب التواریخ، جلد ٢، ص ٢٠٣ ٢ آئین اکبری، جلد اول، ص ١٨٩

٣ منتخب التواریخ، جلد ٢ ص ٢٦٢

خواجہ کلاں عبید اللہؒ نے شریف آملی کو ابوالفضل کی گمراہی کا سبب بتایا ہے۔[۴] شریف آملی کے متعلق ان کی یہ رائے ہے کہ وہ محمود پسیخوانی کا پیرو تھا اور اس کا شمار نقطوی فرقہ کے "رؤسا" میں ہوتا تھا۔ اس فرقہ نے دسویں صدی ہجری میں ایران اور ہندوستان کے ہزاروں لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کیا اور ایران میں تو اس فرقہ کو اتنا فروغ ہوا کہ اس کے پیروؤں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی اور شاہ عباس اوّل کا سنگھاسن ڈولنے لگا۔ شاہ نے اپنا تخت و تاج خطرے میں دیکھ کر ہزاروں نقطویوں کو ۱۰۰۲ھ ہجری میں تہ تیغ کر ڈالا۔[۵] سبھی مؤرخ اس پر متفق ہیں کہ اس قتلِ عام میں کچھ نقطوی جان بچا کر ہندوستان چلے آئے اور یہاں آکر اپنے عقائد کا پرچار کرنے لگے۔[۶] ان میں شریف آملی بھی تھا جو ابوالفضل کا دستِ راست مانا جاتا تھا۔ رقعاتِ ابوالفضل میں شریف آملی کے نام گیارہ خط موجود ہیں جو دونوں کے تعلقات پر بڑی عمدہ روشنی ڈالتے ہیں۔

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب، صدر شعبۂ فارسی، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ اور تہران یونیورسٹی کے پروفیسر صادق کیا کی تحقیق کے مطابق نقطوی فرقہ کا بانی محمود پسیخوانی گیلان کے ایک گاؤں پسیخوان کا رہنے والا تھا۔[۷] بچپن ہی میں اس کے دل میں حصولِ علم کی آرزو چٹکیاں لینے لگی۔ اتفاق سے ان دنوں ایران میں فضل اللہ استرآبادی اور اس کے حروفی فرقہ کا بڑا شہرہ تھا۔ محمود اس کی شہرت سن کر اس

---

[۴] مبلغ الرجال، ورق ۳۲ الف [۵] تاریخ عالم آرائے عباسی، جلد ۲، ص ۴۷۵

[۶] ایضاً۔ ii نقطویان یا پسیخانیاں، ص ۹ - ۱۰ - iii۔ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۸۶

[۷] i۔ تاریخی و ادبی مطالعے، ص ۱۔ ii۔ نقطویان یا پسیخانیاں، ص ۵۔

کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے اکتسابِ فیض کرنے لگا۔ کچھ عرصہ بعد دونوں میں کسی مسئلہ پر اختلاف پیدا ہوا اور محمود نے فضل اللہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور ۸۰۰ھ ہجری میں نقطوی فرقہ کی بنیاد رکھی۔[۸]

محمود پسیخوانی کے مخالفین بھی اس بات پر متفق ہیں کہ وہ کسی زمانے میں بڑا متقی اور پرہیزگار تھا۔ اس کا یہ معمول تھا کہ وہ آبادی سے دور عبادت و مراقبہ میں مشغول رہتا اور درختوں کے پتّے اور گھاس کھا کر اپنا وقت پورا کرتا۔ ایک دن وہ ندی کے کنارے بیٹھا وضو کر رہا تھا کہ اُسے پانی میں کوئی چیز بہتی نظر آئی جب وہ چیز اس کے قریب آئی تو اس نے دیکھا تو وہ گاجر تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے پکڑ لیا اور وہیں بیٹھے بیٹھے کھا گیا۔ اس کے بعد وہ ہر روز وقتِ مقررہ پر وضو کے لئے ندی پر آتا اور ایک بہتی ہوئی گاجر اس کی طرف آتی اور وہ اُسے پکڑ کر کھا لیتا۔ وہ اس پر خوش تھا کہ خدا نے اس کے رزق کا اس طرح انتظام کر دیا ہے۔

محمود پسیخوانی کو گاجریں کھاتے ہوئے دو ماہ گذر گئے تو اس کے دل میں یوں ہی ایک خیال آیا کہ دیکھنا تو چاہیئے کہ روزانہ یہ گاجر کہاں سے آتی ہے۔ اگلے روز وہ وقتِ مقررہ سے پہلے ندی پر پہنچا اور پانی کے بہاؤ کے خلاف چل پڑا۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ اس نے دیکھا ایک برہنہ عورت ندی کے کنارے بیٹھی:۔

ایک گاجر اپنی اندامِ نہانی میں ڈال کر باہر نکال لیتی ہے۔ کچھ دیر تک وہ

زردکے را در محل مخصوص خود میفرستد
دمی برآرد و ساعتے بدان عمل قیام نمود

---

[۸] نقطویاں یا پسیخانیاں، ص ۵ "وی در سال ۸۰۰ این دین نو را پدید آورد۔"

چون از کار پرداخت و آتش توفان
او فرو نشست آن زورک را در
آب از دست فرو هشت[9]

یہی عمل دہراتی رہی جب وہ اس کام
سے فارغ ہوئی اور اس کی خواہش ٹھنڈی
پڑی تو اس نے اپنے ہاتھ سے وہ گاجر
پانی میں پھینک دی۔

محمود نے دور سے یہ منظر دیکھا تو خدا کو مخاطب کر کے کہنے لگا "اے خدا تو اپنے مخلص بندوں کو ایسی چیزیں کھانے کو دیتا ہے؟ اس واقعہ کے بعد وہ اس قدر دل برداشتہ ہوا کہ وہ اسلام سے پھر گیا اور اس نے الحاد و زندقہ کا پرچار شروع کیا۔[10] اس نے اپنے عقاید پر تیرہ رسالے لکھے، جن میں سے "بحر و کوزہ" سب سے گیا گذرا ہے۔ اس کے مندرجات کے متعلق بدایونی لکھتا ہے کہ۔ فضلاتی کہ در آنجا خوردہ گوش از شنیدن آن قی میکند۔[11] اس "ملعون" کے رسوائے مذہب میں سے شریف آملی اکبر کے عہد میں ہندوستان آیا اور ابوالفضل نے اس سے یارانہ گانٹھ لیا۔[12]

شریف آملی نقطوی فرقہ کا ایک سرگرم مبلغ تھا اور اس کی تبلیغ و سعی سے ہزارہا لوگ اس فرقہ میں شامل ہو گئے۔ جب شاہ عباس نے نقطویوں کا قتل عام شروع کیا تو وہ کسی نہ کسی طرح جان بچا کر ایران سے بھاگ نکلا۔[13] بدایونی اور خواجہ کلاں رح دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ ایران سے بھاگ کر اس نے بلخ میں مولانا محمد زاہد نبیرۂ شیخ حسین خوارزمی کی خانقاہ میں پناہ لی اور صوفیوں

---

[9] مبلغ الرجال، ورق ۳۱ ب [10] ایضاً، ورق ۳۲ الف
[11] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۴۷ [12] مبلغ الرجال، ورق ۳۲ الف
[13] تاریخ عالم آرائے عباسی، جلد ۲ - ص ۳۲۵

کی طرح رہنے لگا۔[14] اس کی طبیعت کو چونکہ درویشی سے کوئی مناسبت نہ تھی اس لئے اس نے ہرزہ سرائی اور شطاحی کو اپنا شعار بنا لیا۔ جب مولانا محمد زاہد کو اس کے عقائد معلوم ہوئے تو انھوں نے اسے اپنی خانقاہ سے نکال دیا اور وہ دکن چلا گیا۔

دکن میں ان دنوں شیعیت کا دور دورہ تھا اس لئے لوگوں نے شریف آملی کو شیعی عالم سمجھتے ہوئے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ چونکہ فطرتاً بدباطن تھا اس لئے اس نے شیعیت کا لبادہ اوڑھ کر اپنے عقائد کا پرچار شروع کیا۔ جب لوگوں کو اس کے عقائد معلوم ہوئے تو وہ اس کے درپئے آزار ہوئے۔ بدایونی کے الفاظ ہیں:

حکامِ دکن می خواستند کہ لوحِ ہستی
اورا از نقشِ حیات پاک سازند،
عاقبت بر سواری خر قرار یافتہ برسوائی
تشہیرش نمودند۔[15]

دکن کے حکام اس کا نقشِ حیات ہی مٹا
دینا چاہتے تھے لیکن بعد ازاں انھوں
نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے گدھے پر بٹھا کر
اس کی تشہیر کی جائے۔

دکن سے جان بچا کر شریف آملی شمالی ہندوستان چلا آیا اور پہلی ہی ملاقات میں اس نے بادشاہ کے سامنے "حرفہائے ناہموار" کہے جو پسند خاطر ہوئے۔ اکبر نے ہزاری منصب دے کر اسے اپنے مقربین کے زمرہ میں شامل کر لیا۔[16] یہیں سے اس کی دوستی ابوالفضل کے ساتھ شروع ہوئی اور اس کے توسط سے ابوالفضل نے ایران کے نقطویوں کے ساتھ نامہ و پیام شروع کیا۔ خواجہ کلاں رح رقمطراز ہیں کہ شریف آملی، محمود پسیخوانی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مراتب

---

[14] ا مبلغ الرجال، ورق ۳۲، الف ؛؛ منتخب التواریخ - جلد ۲، ص ۲۴۶
[15] ایضاً [16] مبلغ الرجال، ورق ۳۲ ب

بجھار گانہ کا، جو ابوالفضل کے اجتہاد کا نتیجہ تھے، پرچار کیا کرتا تھا۔[17] اس نے بھی بحر و کوزہ کی طرز پر "ترشح ظہور" نام کی ایک کتاب لکھی تھی جو "مہملات" پر مشتمل تھی۔[18]

شریف آملی کے حواریوں نے اُسے۔ مجدد مایۂ عاشر۔ مشہور کر رکھا تھا۔[19] اس لئے سرکاری حلقوں میں وہ بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اسکندر منشی کی روائت ہے کہ اکبر اُسے اپنا پیر و مرشد مانتا تھا اور اس کی تعظیم و تکریم بالکل ایک پیر کی طرح کرتا تھا۔[20] بادشاہ اور وزیر کی دیکھا دیکھی ان کے مصاحب بھی اس کے ساتھ بڑی عقیدت سے پیش آتے تھے۔

بدایونی نے کیا خوب لکھا ہے۔

چون ہندوستان وسیع است و	ہندوستان ایک وسیع ملک ہے
میدان اباحت دران عرصہ فراخ	اور اس وسعت میں اباحت کا میدان
وکسی را باکسی کاری نہ تا ہر کس	بڑا فراخ ہے اور پھر کسی کو کسی کے ساتھ
بہر طوریکہ باشد، باشد۔[21]	کوئی واسطہ نہیں اس لیے جس کا جو جی
	چاہے کرتا پھرے۔

شریف آملی خود کئی جگہ سے اپنی جان بچاتا ہوا اکبر کے ہموار کردہ۔ میدان اباحت۔ میں آکر معزز و مکرم ہوا۔ جب ایران میں نقطویوں پر عرصۂ حیات تنگ ہوا تو بہت سے نقطوی وہاں سے بھاگ کر ہندوستان چلے آئے۔[22] اُن میں جو پڑھے لکھے

---

[17] ایضاً۔ [18] منتخب التواریخ، جلد۲، ص ۲۴ [19] ایضاً، ص ۲۴۶

[20] تاریخ عالم آرائے عباسی، جلد۲ ص ۳۲۵ [21] منتخب التواریخ۔ جلد۲، ص ۲۴۶

[22] نقطویاں یا پسیخانیاں، ص ۹ - ۱۰ "از پیروان دینهای گوناگون و تہمت زدگان را نیز ہند رہمون شد۔ اندک ہندوستان جایگاه دانشمندان و ہنرمندان ایران و پناه گاه گریختگان این سامان گشت"

یا کسی فن میں ماہر تھے اُنھوں نے شریف آملی کے توسط سے اکبر کی ملازمت اختیار کر لی۔ یہیں دربارِ اکبری میں دو نقطوی شاعر، وقوعی نیشاپوری اور تشبیہی کاشی بڑے معزز و مکرم نظر آتے ہیں۔ یہ بات بڑی غور طلب ہے کہ ابوالفضل کے ساتھ ان کے بڑے عمدہ مراسم تھے اور اس کے ہاں ان کی آمد و رفت بھی رہتی تھی۔[23]

وقوعی نیشاپوری کے متعلق بدایونی لکھتا ہے کہ یہ۔ مغضوب الرب و ملعون خلق۔ تناسخ اور نظریۂ ارتقائ کا قائل تھا۔ ایک بار کشمیر جاتے ہوئے لشکر شاہی نے بھنبر کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اتفاق سے وقوعی کسی کام سے مجھے ملنے آیا۔ میرے خیمہ کے باہر بڑے بڑے پتھر بکھرے ہوئے تھے، جونہی اس کی نظر ان پر پڑی۔

بحسرت گفت کہ آہ این بیچارہا منتظر	حسرت سے کہنے لگا کہ یہ بیچارے کب سے
اند کہ تا کی بقالب انسانی برآیند۔[24]	منتظر رہیں کہ دیکھیے کب انسانی صورت
	میں اُٹھتے ہیں۔

اس سے نقطویوں کے عقائد پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

تشبیہی کاشی بھی ابوالفضل کے توسط سے اکبر کے دربار میں باریاب ہوا تھا اس نے ایک موقع پر اکبر کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا جس میں اس نے اکبر کو مخاطب کر کے یہ کہا "چہ اکبر و یہ شدہ تقلیدیان را بہ لمی انداز ید تا حق بر کنہ قرار یابد"[25] بدایونی نے ابوالفضل کے گھر میں تشبیہی کاشی کے ہاتھ میں محمود پسیخوانی کا ایک رسالہ دیکھا تھا جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا تھا ـــــ

---

[23] منتخب التواریخ، جلد۳، ص ۲۰۵ [24] ایضاً، ص ۳۷۹

[25] ایضاً، ص ۲۰۵

باللہ المحمود فی کل فعالہ استعین بنفسک الذی لا الٰہ الا ھو الحمد للہ الذی وجد نعمہ بوجود کلیاتہ واظھر وجود الکلیات عن نفسہ سھو بھم کلیا ھو یعلم نفسہ ولا نعلم نفوسنا ولا ھو کون لا کاین الا بہ وکان لا یکون بغیرہ وھو ارحم الراحمین۔[۲۶]

بدایونی کی تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں شاعر عوام کو دعوت الحاد دیا کرتے تھے اور تشبیہی نے تو خود کو ابوالفضل سے مجتہد بھی تسلیم کروالیا تھا۔[۲۷] ابوالفضل کے نقطویوں کے ساتھ ربط وضبط رکھنے سے لوگوں کو اس کا یقین ہوگیا تھا کہ وہ بھی نقطوی ہے۔ ہندوستان سے باہر بھی اس کے الحاد کا چرچا تھا، چنانچہ مشہور ایرانی مؤرخ اسکندر منشی کی اس کے متعلق یہ رائے ہے۔

شیخ ابوالفضل ولد شیخ مبارک کہ از ارباب فضل واستعداد ولایت ہند و در ملازمت پادشاہ عالیجاہ جلال الدین محمد اکبر پادشاہ تقریب واعتبار تمام یافتہ بود این مذہب داشت وپادشاہ را بکلمات واہیہ وسیع المشرب ساختہ از جادۂ شریعت منحرف ساختہ بود۔[۲۸]

شیخ ابوالفضل ولد شیخ مبارک نے، جس کا شمار ہندوستان کے اہل علم وفضل میں ہوتا ہے، اکبر کی ملازمت کے دوران اس کے حضور میں بڑا اعتبار پیدا کرلیا تھا۔ وہ اسی مذہب کا پیرو تھا اور اس نے بادشاہ کو بھی گمراہ کن باتوں سے وسیع المشرب بناکر شریعت کی راہ سے ہٹادیا تھا۔

اسکندر منشی لکھتا ہے کہ جب شاہ عباس نے نقطویوں کا قتل عام کیا اور ان کے سرغنہ میر سید احمد کاشی کا گھر لٹوایا تو اس کے گھر سے ابوالفضل کا ایک خط نکلا۔

---

[۲۶] ایضاً۔ [۲۷] ایضاً، ص ۲۰۴ - ۲۰۵

[۲۸] تاریخ عالم آرائے عباسی، جلد ۲، ص ۳۲۵

اس خط کے مضمون سے یہ معلوم ہوا کہ ابوالفضل بھی نقطوی فرقہ کا پیرو تھا۔[۲۹] سرسید احمد خان نے تشبیہی کاشی کے سوانح حیات کے حاشیہ پر ابوالفضل کے متعلق لکھا ہے۔

از سر آغاز آگہی شوریدگی دارد و بآئین محمود یا ان میزند۔[۳۰]

وہ نوعمری سے ہی گمراہ تھا اور محمود پسیخوانی کے مسلک پر گامزن تھا۔

خواجہ کلاںؒ بھی ابوالفضل کو محمود پسیخوانی کا پیرو بتاتے ہیں۔[۳۱] آئندہ سطور میں ہم نقطویوں کے عقائد بیان کریں گے اور ان کی روشنی میں یہ جائزہ لیں گے کہ ان مؤرخوں کا یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے کہ ابوالفضل نقطوی تھا۔

نقطوی فرقہ کے پیرو— عالم را موجود باعتبار میدانند ونہ ثواب وعقاب برعمل وکردار اعتقاد نکنند۔[۳۲] اسکندر منشی لکھتا ہے

آں طائفہ بمذہب حکمائے عالم را قدیم شمردہ اند واصلاً اعتقاد بحشر واجساد قیامت ندارند ومکافات حسن وقبح اعمال را در عافیت ومذلت دنیا قرار دادہ بہشت ودوزخ ہمانرا می شمارند۔[۳۳]

حکماء کی طرح یہ فرقہ بھی عالم کو قدیم تسلیم کرتا ہے اور قیامت کے روز دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتا یہ لوگ دنیاوی زندگی میں خوشحالی اور عسرت کو اچھے اور برے اعمال کا نتیجہ سمجھتے اور اسے ہی جنت اور جہنم مانتے ہیں۔

---

[۲۹] ایضاً [۳۰] آئین اکبری، جلد سوم، ص ۳۱۵

[۳۱] مبلغ الرجال، ورق ۲۱ الف [۳۲] ایضاً، ورق ۲۵ الف

[۳۳] تاریخ عالم آرائے عباسی، جلد ۲، ص ۳۲۵

شاہنواز خان ان کے متعلق لکھتا ہے
علم نقطہ الحاد و زندقہ و اباحت و
توسیع مشرب است، مثل حکما بقدم
عالم گروند و انکار حشر و قیامت نمایند
و مکافات حسن قبح اعمال و جنت و نار
در عافیت و مذلت دنیا قرار دہند۔[34]

علم نقطہ سے مراد زندقہ، اباحت اور
وسیع المشربی ہے، حکماء کی طرح یہ بھی
عالم کو قدیم مانتے ہیں۔ یہ لوگ قیامت
کے روز حشر و نشر کو نہیں مانتے اور نیک
و بد اعمال کی جزا اور جنت و دوزخ کو
دنیاوی زندگی میں خوشحالی اور تنگدستی
پر محمول کرتے ہیں۔

وہ نظریۂ ارتقاء کے قائل ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جمادات و نباتات ترقی کرتے کرتے انسان کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔[35] تشبیہی کاشی نے پتھروں کو دیکھ کر یہی کہا تھا کہ آہ این بیچارہا منتظر اند کہ تا کی تقالب انسانی برآیند۔[36]

ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جو کچھ زمین میں ڈالو گے وہ اُگ آئے گا، اس کے اُگنے میں قدرتِ خدا کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہ عمل تاثیر کواکب و عناصر کے تحت ہوگا۔[37]

خواجہ کلاں رقمطراز ہیں کہ یہ لوگ قرآن پاک کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف سمجھتے ہیں اور مسائل شریعت کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ یہ اہل رائے نے بنائے ہیں۔[38] اس فرقہ کے پیرو نماز کا مذاق اُڑاتے ہیں اور جب کسی مسلمان کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ خدا کو آسمان پہ ماننا اور سر زمین پہ

---

۳۴ مآثر الامراء۔ جلد اوّل، ص ۶۱۹ ۳۵ دبستان مذاہب، ص ۳۰۰
۳۶ منتخب التواریخ، جلد ۳، ص ۲۷۹ ۳۷ سبع الرجال، ورق ۲۵ الف
۳۸ ایضاً، ورق ۲۵ ب

رکھنا بھی بھلا کوئی عقل کا کام ہے۔[39] اسی طرح جب یہ لوگ حجاج کو صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ ان کا کیا گم ہوگیا ہے جس کی تلاش میں یہ ادھر اُدھر مارے مارے پھرتے ہیں۔[40] قربانی کے جانوروں کو دیکھ کر یہ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ ان بے زبانوں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے جو انہیں جان سے مارتے ہو۔[41] ماہ رمضان کا نام ان ملحدین نے ۔ ماہ گرسنگی و تشنگی ۔ رکھا ہوا ہے۔[42]

ان کا یہ کہنا ہے کہ جو قطرۂ آب انسان کی خلقت کا سبب ہے بھلا اس کے باہر نکلنے سے غسل کیونکر واجب ہوتا ہے؟ حالانکہ اسی راہ سے پیشاب جو کہیں زیادہ پلید ہے، نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔[43] اس فرقہ کے پیرو ماں بہن کی حرمت کے بھی قائل نہیں ہیں۔[44] اسی طرح یہ گروہ نقلیات کا منکر اور عقلیات کا داعی ہے اور ہر اسلامی شعار کا مذاق اُڑانا ان کا بہترین مشغلہ ہے۔[45]

نقطویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اوّل ظہور سے محمود پسیخوانی تک آٹھ ہزار سال کی مدّت ہوتی ہے۔ یہ دور عربوں کی سیادت کا دور تھا کیونکہ اس مدّت میں پیغمبر صرف عربوں ہی میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔ محمود پسیخوانی کے ظہور سے عربوں کی سیادت ختم ہوگئی ہے لہٰذا آئندہ آٹھ ہزار سال تک پیغمبر عجمیوں ہی میں پیدا ہوا کریں گے۔[46]

---

۳۹ ایضاً ۴۰ ایضاً ۴۱ ایضاً ۴۲ ایضاً
۴۳ ایضاً ۴۴ ایضاً ۴۵ ایضاً۔
۴۶ دبستان مذاہب، ص ۳۰۱

ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جب عناصر میں قوت پیدا ہوتی ہے تو معدنی صورت نباتی خلعت پہنتی ہے۔ پھر کسوت حیوانی اس کے جسم پر چسپ ہوتی ہے جب اس میں شان و شوکت پیدا ہوتی ہے تو انسان کامل کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح ظہور آدم تک اجزائے انسانی ترقی کی منزلیں طے کرتے رہے یہاں تک کہ مرتبہ محمدی آیا پھر بھی قدم کمال کی طرف بڑھتا رہا تو محمود کا درجہ آگیا۔[٤٧] چنانچہ "ان یبعثک ربک مقاماً محمودا" میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ان کا کلمہ — لا الہ الا المرکب المبین — ہے اور "مرکب مبین" سے یہ لوگ انسان مراد لیتے ہیں۔[٤٩] اس فرقہ کے بانی نے لیس کمثلہ شئ کو حذف کر کے اس کی جگہ قرآن میں "انا المرکب المبین" لکھ دیا تھا۔[٥٠]

محسن فانی لکھتا ہے کہ نقطویوں کی ایک خاص دعا ہے جسے وہ سورج کی طرف منہ کر کے پڑھتے ہیں۔[٥١] ان کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ جب دو نقطوی ملتے ہیں تو وہ سلام مسنون کی بجائے اللہ اللہ کہتے ہیں۔[٥٢] نقطویوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مذہب اسلام منسوخ ہو چکا ہے اس لئے محمود کا لایا ہوا دین قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔[٥٣]

ہمارے عہد میں بعض اہلِ علم کو اس بات کا احساس ہونے لگا ہے کہ دینِ الٰہی کی بنیاد میں نقطویوں کا بھی کافی حصّہ ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی

---

[٤٧] ایضاً، ص ٣٠٠ [٤٨] یہ عبارت ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی ہے۔ میں نے خود ترجمہ کرنے کی بجائے یہ عبارت ان سے مستعار لے لی ہے۔

[٤٩] تاریخی و ادبی مطالعے، ص ٨۔ [٥٠] دبستان مذاہب، ص ٣٠٠

[٥١] ایضاً، ص ٣٠٢ [٥٢] ایضاً۔ [٥٣] ایضاً۔

اس بات کی زحمت گوارا نہیں فرمائی کہ وہ اکبر اور اس کے حواریوں کے عقائد کا موازنہ نقطویوں کے عقائد سے کرتے اور تاریخ پاک و ہند کے طلباء کے سامنے ایک نئی چیز پیش کرتے۔ ہم نے اپنے طور پر ان کے عقائد کا موازنہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اکبر اور اس کے حواریوں نے اکثر و بیشتر عقائد نقطویوں سے مستعار لئے تھے۔

(١) نقطوی تناسخ کے قائل ہیں اور اس کے بغیر وہ جزا و سزا کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہم یہ بتا چکے ہیں کہ بیربر، دلوی، پرکھوتم اور مجادلن نے اکبر کو اس بات کا یقین دلایا تھا کہ تناسخ کے بغیر عذاب و ثواب بے معنی ہے اور وہ تناسخ پر یقین کرنے لگا تھا۔ نقطویوں کی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ جب خان اعظم بنگالہ سے آ کر اکبر کی خدمت میں باریاب ہوا تو اکبر نے اس سے کہا۔

ما دلائل قطعی بر حقیقت تناسخ یافتہ ایم، شیخ ابوالفضل خاطر نشان شما خواہد کرد۔[٥٤]	ہم نے تناسخ کی حقانیت پر قطعی دلائل فراہم کر لئے ہیں، شیخ ابوالفضل تمہیں ان سے آگاہ کریں گے۔

ہمارا یہ خیال ہے کہ اس نے "دلائل قطعی" شریف آملی، وقوعی نیشاپوری اور تشبیہی کاشی کی صحبت میں رہ کر فراہم کئے تھے۔

(٢) نقطوی حشر و نشر کے قائل نہیں ہیں، اکبر بھی حشر و نشر پر ایمان نہیں رکھتا تھا بدایونی کے الفاظ ہیں۔ در ہر رکنے از ارکان دین و در ہر عقیدہ از عقاید اسلامیہ چہ اصول چہ فروع مثل نبوت و کلام و رویت و تکلیف و تکوین و حشر و نشر شبہات گوناگون بتمسخر و استہزا آوردہ۔[٥٥]

---

[٥٤] منتخب التواریخ، جلد ٢، ص ٣٠٠ [٥٥] ایضاً، ص ٣٠٧

(۳) نقطوی قرآنِ حکیم کو نبی اکرمؐ کی تصنیف بتاتے ہیں، جہانگیر کہا کرتا تھا کہ ابوالفضل نے میرے والد کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ قرآن حکیم حضور سرورِ کائناتؐ کی تصنیف ہے۔[۵۶]

(۴) جب دو نقطوی ملتے تھے تو سلام مسنون کی بجائے وہ اللہ اللہ کہتے تھے۔ جب اکبر کے پیرو ملتے تھے تو ایک اللہ اکبر کہتا اور دوسرا جواب میں جل جلالہ کہتا تھا۔

(۵) نقطویوں کی ایک خاص دُعا ہے جسے وہ سُورج کی طرف منہ کر کے پڑھتے تھے اکبر بھی سورج کی بڑی تعظیم کرتا تھا اور اس کی طرف منہ کر کے ایک خاص دُعا پڑھا کرتا تھا۔

(۶) نقطویوں کا یہ کہنا تھا کہ دین اسلام کی میعاد ختم ہو چکی ہے، اس لئے اب نئے دین کی ضرورت ہے، اکبر بھی عقیدۂ الفی پر یقین کامل رکھتا تھا اور اس کا یہی کہنا تھا کہ دینِ اسلام کی میعاد ختم ہو چکی ہے لہٰذا اب ایک نئے دین کی ضرورت ہے۔

(۷) نقطوی انسان کی پرستش کرتے اور اُسے حق کا مترادف سمجھتے ہیں۔ اکبر کا قریب یہی عقیدہ تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب راجہ ٹوڈرمل کے ٹھاکر چوری ہوئے اور اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا تو اکبر نے اس سے کہا کہ ٹھاکروں کا غم نہ کرو، میں جو موجود ہوں۔ میرے درشن کر کے بھوجن کر لو۔

(۸) نقطوی غسلِ جنابت کے قائل نہیں ہیں۔ اکبر نے بھی غسلِ جنابت منسوخ کر دیا تھا اور بقول بدایونی فیضی تو جنابت کی حالت میں بھی سواطع الالہام کی تصنیف میں لگا رہتا تھا۔[۵۷]

---

[۵۶] مآثر الامرا، جلد ۲، ص ۲۱ [۵۷] منتخب التواریخ، جلد ۳، ص ۳۰۰

(۹) نقطوی مناسک حج کا تمسخر اُڑاتے ہیں، اکبر نے بھی حجاج پر پابندی لگا دی تھی، بدایونی لکھتا ہے کہ اکبر سے حج پر جانے کی اجازت مانگنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔[۵۸]

(۱۰) نقطوی اباحت کے قائل ہیں ابوالفضل نے بھی ایک بار کہا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کچھ دنوں کے لئے وادیٔ الحاد کی سیر کروں۔ بدایونی نے کہا کہ اگر نکاح کی قید بھی اُٹھا دو تو پھر اس سیر کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔[۵۹] خواجہ کلاں نے بھی شیخ مبارک اور ابوالفضل دونوں پر مسلک اباحت پر گامزن ہونے کا الزام لگایا ہے۔[۶۰]

(۱۱) نقطوی عقلیات کے قائل ہیں اور نقلیات کے منکر۔ اکبر بھی اپنے حواریوں سے یہ کہا کرتا تھا کہ اگر کسی مسئلہ کا تعلق عقل کے ساتھ ہو تو وہ مجھ سے دریافت کرو اور اگر وہ شریعت سے متعلق ہو تو وہ ان ملاؤں سے پوچھو۔[۶۱]

(۱۲) نقطویوں کا یہ خیال ہے کہ شریعت کے مسائل اہل رائے نے بنائے ہیں، اکبر جس سے ناراض ہوتا اُسے وہ فقیہہ کہہ کر پکارا کرتا تھا۔[۶۲] فیضی جامِ شراب ہاتھ میں اُٹھا کر کہا کرتا تھا کہ۔ این پیالہ را بکوری فقہا می خوریم۔[۶۳] نقطوی اسلام اور شعائرِ اسلام کا مذاق اُڑاتے ہیں ابوالفضل اپنی تحریروں میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں کا ذکر کرتا ہے انہیں۔ پیروانِ احمدی کیش۔[۶۴] کوتاہ بین۔[۶۵] گم گشتگانِ بیابانِ ضلالت[۶۶] سادہ لوحان تقلید پرست۔[۶۷] اور گرفتار زندان تقلید۔[۶۸]

---

[۵۸] ایضاً، جلد ۲، ص ۲۳۹ ــ "نام منیتوان بر د و بجرد طلبیدن رخصت مجرم واجب القتل میشوند"۔ [۵۹] ایضاً، ص ۲۶۲۔ [۶۰] مبلغ الرجال، ورق ۳۳ الف، ۳۳ب

[۶۱] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۰۸ [۶۲] ایضاً، ص ۳۳۶ [۶۳] ایضاً، ص ۳۰۹

[۶۴] آئینِ اکبری، جلد ۲، ص ۱۴۵ [۶۵] ایضاً، جلد ۳، ص ۲۹۸

[۶۶] مہابھارت، ص ۱۰ [۶۷] آئین اکبری، جلد ۳، ص ۲۹۳ [۶۸] مہابھارت ص ۲۵

کے تحقیر آمیز کلمات سے یاد کرتا ہے۔ نیز اس نے عبادات اسلامی کے خلاف رسائل بھی لکھے تھے۔[۶۹]

(۱۳) فیضی کو تفسیر بے نقط لکھنے کا خیال نقطویوں سے مل کر آیا تھا۔

(۱۴) ماہِ رمضان کو نقطوی — ماہِ تشنگی و گرسنگی — کہا کرتے تھے۔ اکبر بھی اپنے درباریوں کو رمضان میں روزے رکھنے سے منع کرتا تھا۔ اس کا یہ حکم تھا کہ ماہِ رمضان میں اس کے درباری اس کے سامنے کھایا پیا کریں۔ اگر انہیں کھانے پینے کی خواہش نہ ہو تو اس صورت میں وہ پان کا بیڑا منہ میں رکھ لیا کریں۔[۷۰]

ان حقائق کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا چنداں دشوار نہیں کہ اکبر اور اس کے حواریوں کے نقطویوں کے ساتھ بڑے گہرے مراسم تھے اور دینِ الٰہی کی بنیاد میں نقطوی مذہب کو کافی دخل تھا۔

---

۶۹ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۰۲   ۷۰ تذکرۃ الملوک، ورق ۲۳۱ ب

کیا اکبر ایک نیا ظہور تھا؟

یہ مسئلہ آج تک تاریخ دانوں میں متنازعہ فیہ چلا آرہا ہے کہ آیا اکبر نے ایک نئے دین کی بنیاد رکھی تھی یا اس کا ایجاد کردہ دینِ الٰہی ایک CULT (روش) تھا۔ ہندو مؤرخین اور مستشرقین یورپ کی دیکھا دیکھی ہمارے آزاد خیال مؤرخ بھی یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اکبر نے کسی نئے دین کی بنیاد نہیں ڈالی بلکہ بدایونی جیسے تنگ نظر ملا نے اکبر کو ہدفِ ملامت بنانے کی نیت سے یہ ایک شوشہ چھوڑ دیا ہے اور یار لوگ اسے لے اُڑے ہیں۔ اگر ہمارے مؤرخ اکبر کی بدعات کا عمیق مطالعہ کرتے تو ان کی رائے بالکل مختلف ہوتی۔ ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس عقدہ کو حل کرنے کی حقیر سی کوشش کی ہے اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اکبر ایک نیا ظہور تھا اور اس کا ایجاد کردہ دینِ الٰہی محض ایک CULT نہیں بلکہ باقاعدہ ایک مذہب تھا۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں ہمارے پاس مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

اکبر کے عہد میں اس بات کا پروپگنڈا بڑے زور و شور سے کیا گیا کہ دینِ اسلام کی میعاد صرف ہزار سال تک ہے اور اس کے بعد ایک نئے

دین کی ضرورت ہو گی۔[51] محققین نے اسے "عقیدۂ الفی" کا نام بھی دیا ہے۔ اس عقیدہ کی نشر و اشاعت کی غرض سے ہزار سالہ جشن پر نئے سکے ڈھالے گئے جن پر سنِ الف مضروب تھا۔ اس موقع پر اکبر کے حکم سے تاریخ الفی بھی لکھی گئی جس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ اسلام کی تاریخ اب مکمل ہو چکی ہے اور اب نئے ظہور کے ساتھ نیا دور شروع ہونے والا ہے۔ فیضی کے اس قصیدہ سے بھی "نئے دور" کی خبر ملتی ہے جس میں وہ اکبر کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

فرخندہ باد یارب بر مملکت ستانی
از مبدءِ خلافت آغاز قرن ثانی[52]

اسی زمانے میں ملّا شیرازی جعفر دان نکہ مکرمہ سے ایک رسالہ لیکر اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بادشاہ کو یقین دلایا کہ ایک حدیث کے مطابق دنیا کی میعاد صرف سات ہزار سال ہے۔[53] اور یہ مدّت عنقریب ختم ہونے والی ہے اس لئے یہ مہدی کے ظہور کا وقت ہے۔[54] ملائے مذکور نے خود بھی ایک رسالہ قلمبند کیا جس میں ظہور مہدی کے متعلق روایات درج تھیں۔

جن دنوں ملّا شیرازی کی تحریریں موضوع بحث بنی ہوئی تھیں انہی ایام میں بعض — مخذولان بی عفت و بی عاقبت — نے ناصر خسرو کی اس رباعی کی نشر و اشاعت پر کمر باندھی۔[55]

---

[51] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۰۱ [52] کلیات فیضی، ص ۱۰۶

[53] یہ حدیث موضوع ہے۔ ملاحظہ ہو فہم قرآن، ص ۱۷۹

[54] منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۳۰۱ [55] ایضاً، ص ۳۱۳۔

در نہصد و تسعین دو قران می بینم
وز مہدی و دجال نشان می بینم
یا ملک بدل گردد یا گردد دین
سرّی کہ نہان است عیان می بینم

ان "مخذولان بی عفت و بی عاقبت" نے اکبر کو اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ ۹۹۰ھ ہجری میں مہدی کا ظہور ہو گا۔

دوسروں کی دیکھا دیکھی شریف آملی بھی محمود بسیخوانی کے کسی رسالہ سے یہ روایت نکال لایا کہ ۹۹۰ھ ہجری میں ایک مردِ حق پیدا ہو گا جو باطل کا قلع قمع کرے گا۔[56] بدایونی لکھتا ہے کہ اس موقع پر شیعی علماء بھی حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے حوالہ سے ایسی روایت بیان کرتے تھے جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ یہ مہدی کے ظہور کا وقت ہے۔[57]

ان کی دیکھا دیکھی برہمن بھی پرانی کرم خوردہ پوتھیاں نکال نکال کر لانے لگے جن میں درج تھا۔

پادشاہے عالمگیرے در ہند پیدا شود کہ برہمنان را احترام کند و محافظت گاؤ نماید و گیتی را بعدل نگاہبانی کند۔[58]

ہندوستان میں ایک عظیم بادشاہ پیدا ہو گا جو برہمنوں کا احترام اور گائے کی حفاظت کرے گا اور دنیا میں عدل کے ساتھ حکومت کرے گا۔

اس کے علاوہ ہندو اسے یہ بھی باور کراتے تھے کہ وہ رام اور کرشن کا اوتار ہے، اور اسے اس بات کا یقین دلانے کے لئے — کاغذہائی کہنہ — سے اشعار نکال نکال کر دکھاتے تھے۔[59]

---

[56] ایضاً، ص ۲۸۷ [57] ایضاً۔ [58] ایضاً، ص ۳۲۶ [59] ایضاً۔

جن دنوں اکبر ظہورِ مہدی کا منتظر تھا انہی ایام میں حاجی ابراہیم سرہندی ایک پرانا کرم خوردہ مخطوطہ اٹھا لایا جس میں کسی من چلے نے ابنِ عربی کی طرف منسوب کر کے یہ لکھا تھا کہ۔ صاحبِ زمان زنان بسیار خواہد داشت و ریش تراش خواہد بود[۱۰] "ابن عربی" کی اس تحریر نے اکبر کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ کہیں وہ خود ہی تو مہدی نہیں ہے۔؟

ابھی اکبر "ابن عربی" کے ان الفاظ پر غور ہی کر رہا تھا کہ ایک ۔ عالم نمای جاہل ۔ نے یہ اعلان کیا کہ۔ حالا صاحب زمانے کہ رافع خلاف و اختلاف ہفتاد و دو ملت از مسلم و ہندو باشد، حضرت اند۔[۱۱]

انہی ایام میں بعض شوریدہ سروں نے ناصر خسرو کی طرف منسوب کر کے اس رباعی کی تشہیر شروع کر دی[۱۲]

در نہصد و ہشتاد و نہ از حکم قضا
آیند کواکب از جوانب یکجا
در سال اسد ماہ اسد روز اسد
از پردہ برون خرامد آن شیر خدا

ان باتوں نے اکبر کو یقین دلا دیا کہ ہو نہ ہو وہ خود ہی مہدی ہے۔ چونکہ ۹۸۹ھ ہجری میں کسی "شیر خدا" نے اپنی آمد کا اعلان نہیں کیا تھا اس لئے اکبر نے اپنی "آمد"، کا اعلان کر دیا۔

۱۰ے ایضاً ۔ ص ۲۷۸
۱۱ے ایضاً ۔ ص ۲۸۷
۱۲ے ایضاً ۔

شیعہ اہل قلم کی تحریروں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ "صاحبِ زمان" کے لقب کا اطلاق صرف مہدی پر ہوتا ہے۔[۱۳] بدایونی لکھتا ہے کہ اکبر کے مصاحب اُسے صاحبِ زمان کہہ کر ہی مخاطب کیا کرتے تھے۔[۱۴] شیعہ و سُنّی دونوں کے نزدیک امام مہدی دنیا میں خلافتِ الٰہیہ قائم کریں گے۔ اس لئے وہ ۔ خلیفۃ اللہ کہلائیں گے ۔ بدایونی لکھتا ہے کہ اکبر نے جو کلمہ رائج کیا تھا، وہ یوں تھا:۔[۱۵]

لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ

یہ چونکہ بیچارے "ملّا بدایونی" کی تحریر ہے اس لئے ہمارے "آزاد خیال مؤرخ" اسے قابلِ قبول نہیں سمجھتے۔ لیکن ابوالفضل کی اس تحریر کی تردید وہ کیونکر کریں گے جس میں وہ اکبر کو خلیفۃ اللہ اور ہادی علی الاطلاق و مہدی باستحقاق لکھتا ہے۔[۱۶] ان تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "اپنے اور پرائے" اس بات پر متفق ہیں کہ اکبر کو اس کے مصاحبوں نے یہ باور کرا دیا تھا کہ وہ مہدی ہے۔

مہدی چونکہ "امام" ہے اس لئے بحیثیت امام اس کے لئے ۔افضلِ زمانِ خود ۔ ہونا لازمی ہے ۔ اس شرط کو پورا کرنے کے لئے شیخ مبارک نے محضر نامہ کی رو سے اکبر کو ۔ اعدل، افضل و اعلم ۔ تسلیم کروا لیا تھا۔[۱۷] ہمارے خیال میں اکبر کے مہدی کہلانے کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہو سکتی تھیں وہ شیخ مبارک نے سوچے سمجھے ہوئے منصوبوں کے تحت پہلے ہی دور کر دی تھیں۔

۱۳ے ۔ا۔ مجالس المومنین، ص ۱۰ ۔ ۱۱ کتاب النافع، للفاضل المقداد، ص ۵۹
۱۴ے منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۰۲ ۔ ۱۵ے ایضاً، ص ۲۷۳
۱۶ے مہابھارت، ص ۵ ۔ ۱۷ے منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۷۱

اگر یہ معاملہ اکبر کے مہدئ موعود ہونے تک ہی محدود رہتا تو بھی اتنی سنگین صورت اختیار نہ کرتا۔ اکبر سے پہلے بھی کئی سر پھرے ایسے دعوے کر چکے تھے اور لوگوں نے ان کے دعووں کو چنداں وقعت نہیں دی تھی۔ اکبر کو چونکہ شیخ مبارک ؒ "امام عادل" کی حیثیت سے لامحدود اختیارات کا مالک بنا چکا تھا اور یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ اختیارات اور اقتدار کا بھوکا رہتا ہے۔ قرآن میں ایسی مثالیں موجود ہیں جہاں بادشاہوں نے اپنی حدود پھلانگ کر "انا احی وامیت" اور "انا ربکم الاعلیٰ" کے دعوے کئے ہیں۔ اکبر مہدی بن کر بھی مطمئن نہ ہوا اور نبوّت کے متعلق سوچنے لگا۔

بدایونی کی بعض تحریروں سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اکبر کے بعض ہم عصر یہ سمجھنے لگے تھے کہ بادشاہ نبی بن گیا ہے۔ مُلّا شیری نے اپنے ایک شعر میں اس کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔

بادشاہ امسال دعوئ نبوت کردہ است
گر خدا خواہد پس از سال خدا خواہد شدن[18]

بدایونی کا اپنا بھی یہی خیال ہے کہ بادشاہ کی بدعات و اختراعات۔۔ بالآخر دعویٔ نبوت شد امانہ بلفظ نبوت بلکہ بعبارت آخر۔[19] اکبر کے ایک ہمعصر مؤرخ عباس خان سروانی نے اکبر کو "ملہم الہام الہٰ"[20] لکھ کر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس پر وحی نازل ہوا کرتی تھی۔

ہمارے خیال میں اکبر نے ایک پیغمبر کی تمام تر ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں

---

[18] ایضاً، ص ۳۰۹ [19] ایضاً، ص ۲۸۷

[20] تاریخ شیر شاہی، ورق ۲ الف

لیکن احتیاط کے طور پر وہ خود کو نبی نہیں کہلاتا تھا۔ اکبر کو تاریخ سے ایک گونا شغف تھا اور رات کو سونے سے پہلے وہ مولانا عبداللطیف قزوینی کے صاحبزادے نقیب خان سے تاریخ کی کتابیں پڑھوا کر سنتا تھا۔[21] اُسے یہ معلوم تھا کہ جب علاؤالدین خلجی نے علاءُالملک کے سامنے اس بات کا اظہار کیا کہ وہ دعویٔ نبوت کے متعلق سوچ رہا ہے تو علاءُالملک نے اُسے سمجھایا تھا کہ آئندہ کسی کے سامنے اس بات کا اظہار نہ کرنا ورنہ ملک میں بغاوت ہو جائے گی۔[22] بادشاہ اور سلاطین چونکہ بغاوت کے تصور سے بہت گھبراتے ہیں اس لئے علاءالدین چپکا ہو رہا۔ اکبر جانتا تھا کہ نبوّت کا دعویٰ ملک میں اس کے خلاف ایک شورش بپا کر دے گا اور غیر ممالک میں بھی اس کی رسوائی ہو گی اس لئے اس نے باقاعدہ دعویٰ تو نہیں کیا لیکن وہ کام نبیوں اور اوتاروں جیسے ہی کرتا رہا۔ اسی چیز کو مُلّا شیری نے "شورش مغز" کا نام دیا تھا۔[23]

ایک بار جب اکبر پنجاب میں نندنہ کے نواح میں شکار میں مصروف تھا تو ایک درخت کے نیچے اس پر ایک عجیب سی کیفیّت طاری ہو گئی۔ اس نے فوراً شکار سے ہاتھ کھینچ لیا، اپنا سر منڈوایا، غربا و مساکین میں نقد و جنس تقسیم کئے اور اس مقام پر عمارت بنانے اور اس کے گرد ایک باغ لگانے کا حکم دیا۔[24] بدایونی لکھتا ہے کہ اس واقعہ کی خبر آناً فاناً ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی خاص کر اضلاع پورب میں اس واقعہ کو بڑی اہمیّت دی گئی اور لوگ

---

[21] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۱

[22] تاریخ فیروز شاہی، ص ۲۶۵ ۔ ۲۶، ۷ [23] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۰۹

[24] ایضاً، ص ۲۵۳ ۔ ۲۵۴ ۔

اس کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے لگے۔[25] مولانا مناظر احسن مرحوم کا یہ خیال ہے کہ اکبر نے یہ قصہ سنا ہوا تھا کہ مہاتما بدھ کو ایک درخت کے نیچے گیان حاصل ہوا تھا اس لئے اس نے بدھ کی نقالی کی تھی۔[26] ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ اکبر نے ہندوؤں کو یہ باور کرانے کے لئے کہ وہ خدا کا اوتار ہے، یہ سوانگ بھرا تھا۔ بدایونی نے جو لکھا ہے کہ اضلاع پورب میں اس واقعہ کو بڑی اہمیت دی گئی اور سارا جیف عجیب و اکاذیب غریب در افواہ عوام اُفتاد — اس کی وجہ یہ تھی کہ اضلاع پورب میں بدھوں کا کافی اثر و رسوخ تھا اور آج بھی گیا اور سارناتھ کا شمار بدھوں کے بڑے بڑے مراکز میں ہوتا ہے۔ بدھوں نے یہی سمجھا ہوگا کہ اکبر کو بھی مہاتما بدھ کی طرح بڑ کے درخت کے نیچے گیان حاصل ہوا ہے چونکہ ان دونوں کے واقعات میں مماثلت تھی اس لئے — اراجیف عجیب واکاذیب غریب — عوام میں مشہور ہو گئیں۔

جس طرح یہودی قیامت سے پہلے مسیحا کی آمد کے منتظر ہیں، اسی طرح عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ قیامت سے قبل دوبارہ ظاہر ہوں گے مسلمانوں میں بھی یہ عقیدہ عام پایا جاتا ہے کہ قیامت کے قریب مہدی کا ظہور ہوگا۔ ہندوؤں میں بھی ایسا ہی عقیدہ پایا جاتا ہے کہ قیامت سے پہلے کنہیا جی کلکی اوتار کی صورت اختیار کریں گے۔ جب اکبر نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں کی طرح ہندو بھی کسی ظہور کے منتظر ہیں تو اس نے نندنہ میں اپنی "آمد" کا اعلان کر دیا۔

اکبر کے متعلق بدایونی کا یہ کہنا کہ — این ہمہ باعث دعویٰ نبوت شدامانہ

---

[25] ایضاً، ص ۲۵۴ [26] تذکرہ مجدد الف ثانیؒ، ص ۵۳

بلفظ نبوت بلکہ عبارت آخر — غور طلب ہے۔ یہ عبارت بدایونی نے یونہی تحریر نہیں کر دی۔ ہمارے خیال میں اس کے ذہن میں چند ایک باتیں ضرور آئی ہوں گی ورنہ وہ اکبر کو اتنا بڑا الزام نہ دیتا۔ ہم قارئین کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ مندرجہ ذیل باتوں کو ذہن میں رکھ کر بدایونی کے بیان پر غور فرمائیں۔

۱۔ اکبر کا خلیفۂ اول ابوالفضل اپنی تحریروں میں مسلمانوں کو — منتسبان کیش احمدی[27] — پیروانِ کیش احمدی[28] — گرفتار زندانِ تقلید[29] — گم گشتگانِ بیابانِ ضلالت[30] اور سادہ لوحانِ تقلید پرست[31] — کے القابات سے یاد کرتا ہے۔ جن سے مسلمانوں کے خلاف بغض و عداوت کی بو آتی ہے۔

۲۔ ابوالفضل جب اسلام کو — کیش احمدی — لکھتا ہے تو اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ اپنے دین کو — کیش احمدی — سے اعلیٰ وارفع سمجھتا ہے۔

۳۔ اکبر نے — کیش احمدی سے الگ ایک نیا کیش — توحید الٰہی — کے نام سے جاری کیا تھا۔[32] چونکہ یہ ایک نیا دین تھا اس لئے اکبر نیا ظہور تھا۔

۴۔ ابوالفضل نبی اکرمؐ کے نام نامی سے بیزار ہونے کے علاوہ اسلام کے ہر شعار سے متنفر نظر آتا ہے۔ وہ اسلام سے بغض و عناد کی بنا پر اپنی تحریروں میں سن ہجری کو سنِ ہلالی لکھتا ہے۔[33] اس عناد سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے

---

[27] مہابھارت، ص ۱۶ [28] آئین اکبری، جلد ۲، ص ۱۴۵

[29] مہابھارت، ص ۳۵ [30] ایضاً، ص ۱۰

[31] آئین اکبری، جلد ۳، ص ۲۹۳ [32] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۲۵

[33] آئین اکبری، جلد ۳، ص ۳۳۶، ۳۵۱، ۳۵۲۔

کہ اکبر اور اس کے پیرو اسلام کو خیرباد کہہ کر ایک نئے دین میں داخل ہو چکے تھے۔

۵۔ اکبر نے نئے نئے قوانین بنائے جو شریعت سے ٹکراتے تھے۔ اس نے یہ اعلان کیا کہ شراب اگر طبی نقطۂ نظر سے پی جائے تو اس کا استعمال جائز ہے۔ اسی طرح اپنی سرپرستی میں ایک قمارخانہ کھلوا کر جواریوں کی حوصلہ افزائی کی اور سود کے کاروبار کو مباح قرار دیا۔ بعینہٖ اس نے شیطان پورہ کے نام سے طوائفوں کی ایک بستی بسا کر زنا کی حِلّت کا فتویٰ دے دیا۔ اکبر نے بچوں کے ختنہ پہ پابندی لگائی اور دوسری شادی بھی قانوناً منع کر دی۔ اس طرح اکبر نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا۔ ہمارے خیال میں ایسا کام فقیہ، مجتہد، مجدّد یا مہدی کی بجائے صرف ایک نبی ہی کر سکتا ہے۔ اس لئے بھی اکبر ایک نیا ظہور تھا۔

۶۔ جس طرح ہر نئے ظہور نے نیا سن رائج کیا، اس طرح اکبر نے بھی سن الٰہی رائج کیا۔ اس کے عہد میں یہ بات کوتوال کے فرائض میں شامل تھی کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ عوام سنِ ہجری کی جگہ سن الٰہی استعمال کریں۔[۳۴]

۷۔ اکبر نے اپنے سکوں پہ رام چندر کی تصویر مضروب کروائی تھی۔ جب وہ خود کو رام کا اوتار سمجھتا تھا تو کیا یہ اس کی اپنی تصویر نہ تھی؟ اگر ہمارا خیال صحیح ہے تو پھر وہ یقیناً ایک نیا ظہور تھا۔

۸۔ جس طرح تمام مذاہب میں تجہیز و تکفین کا الگ الگ طریقہ ہے، اسی طرح دینِ الٰہی کا بھی اپنا طریقہ تھا۔ ابوالفضل اکبر کے متعلق لکھتا ہے کہ:

میفرمود تکفین رسمے است باستانی ورنہ رہگرائے نیستی چگونہ بار گشد،

۳۴؎ ایضاً، جلد اول، ص ۳۵۰

ہمان طور کہ آمدہ بود باز گردد۔[۳۵]

۹۔ ابوالفضل شعائرِ اسلام کا مذاق اُڑایا کرتا تھا اور اس نے مسلمانوں کی عبادات کے خلاف رسائل بھی لکھے تھے۔[۳۶] اکبر نے جو شریعت جدید نکالی تھی اس میں گائے کے درشن، سورج، آگ اور چراغ کی تعظیم، قشقہ لگانے اور زنار پہننے کو — الٰہی پرستش — کہتے تھے۔[۳۷] جب اس کی عبادات اسلامی عبادات سے مختلف تھیں تو ظاہر ہے کہ اس کا دین بھی اسلام سے الگ دین تھا۔

۱۰۔ جس طرح ہر مذہب و مِلّت میں شادی بیاہ کا اپنا اپنا طریقہ ہوتا ہے اسی طرح دینِ الٰہی کا بھی اپنا طریقہ تھا جس میں دولہا اور دولہن کو آگ کے گرد پھیرے دئیے جاتے تھے۔ چنانچہ یہ طریقہ اسلامی طریقہ سے مختلف تھا اس لئے دینِ الٰہی اسلام سے الگ دین تھا۔

۱۱۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہر نئے ظہور نے قتلِ مرتد اور تقلیدِ آئمہ کی مخالفت کی ہے۔ اکبر نے بھی ایک نئے ظہور کی حیثیت سے متنبیوں کی اس سنت کی پیروی کی تھی۔

۱۲۔ جب "فتنۂ اکبری" کو پروان چڑھانے والا شیخ مبارک دنیا سے رخصت ہوا تو اس کے مرنے کی تاریخ کسی منچلے نے — شریعت جدید —[۳۸] سے نکالی تھی۔ اس سے یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ اکبر کے ہمعصر دینِ الٰہی

۳۵؎ ایضاً، جلد ۳، ص ۳۰۲ ۳۶؎ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۰۶

۳۷؎ آئینِ اکبری - جلد ۳، ص ۲۹۲ ۳۸؎ منتخب التواریخ جلد ۲، ص ۳۰۸

شریعت جدید تاریخ چار حزب شدن این جماعہ شد۔

کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے ۔ اگر دینِ الٰہی ایک نیا دین تھا تو اس کو لانے والا بھی ایک نیا ظہور تھا

۱۳ ۔ اکبر کے عہد میں لوگ ابوالفضل کو ۔ مجتہد دین و مذہب نو ۔[39] کہتے تھے ۔ اس سے بھی یہ مترشح ہوتا ہے کہ اکبر کے ہمعصر دینِ الٰہی کو مذہب نو سمجھتے تھے ۔ جب اکبر کا دینِ الٰہی نیا مذہب تھا تو پھر اس دین کا بانی بھی ایک نیا پیغمبر تھا ۔

۱۴ ۔ اکبر خود کو ۔ روحانی پیشوا ۔[40] کہلاتا تھا اور اس نے ایک "آئین رہنمونی" بھی بنایا ہوا تھا ۔[41] اسی آئین کے تحت وہ لوگوں کو مرید کیا کرتا تھا ۔ اس لئے اس کے مرید ۔ الٰہیان ۔ کہلاتے تھے[42] اگر اکبر کا دین الٰہی ایک CULT ہوتا تو راجہ مان سنگھ ہندو دھرم ترک کئے بغیر اس کا مرید بن سکتا تھا ، لیکن ایسا نہیں ہوا ۔ راجہ نے چونکہ ہندو دھرم چھوڑنا پسند نہیں کیا اس لئے وہ دینِ الٰہی میں داخل نہیں ہو سکا ۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دین الٰہی اسلام اور ہندو دھرم سے الگ کوئی دین تھا ۔

۱۵ ۔ جس طرح ہر دین کا اپنا اپنا سلام ہے اسی طرح دینِ الٰہی کا بھی مخصوص سلام ہے ۔ اکبر کے مرید جب آپس میں ملتے تھے تو ان میں سے ایک اللہ اکبر کہتا تو دوسرا جواب میں جل جلالہ کی صدا لگاتا ۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ دینِ الٰہی دوسرے مذاہب سے الگ کوئی دین تھا ۔

---

[39] ایضاً ، ص ۲۰۳ [40] آئین اکبری ، جلد اوّل ، ص ۱۹۰

[41] ایضاً ، ص ۱۸۹ [42] منتخب التواریخ ، جلد ۲ ، ص ۲۹۹

۱۶ ۔ اکبر نے علومِ اسلامیہ کی تدریس پہ پابندی لگادی تھی ۔ اس سے اکبر کے دینِ اسلام کے ساتھ بغض اور عداوت کا اظہار ہوتا ہے ۔

۱۷ ۔ ہمارے خیال میں اکبر ایسا ان پڑھ نہ تھا جیسا اُسے ظاہر کیا گیا ہے ۔ اکثر ادیان کے بانی چونکہ "اُمّی" ہوئے ہیں اسی لئے اکبر کو بھی "اُمّی" ظاہر کر کے اُس سے ایک نئے دین کی بنیاد رکھوائی گئی ہے ۔

۱۸ ۔ دین الٰہی میں داخل ہونے سے پہلے اُمیدوار کو اس مضمون کی ایک تحریر بھی بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا ہوتی تھی ۔

"منکہ فلان بن فلان باشم بطوع و رغبت و شوق قلبی از دین مجازی و تقلیدی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بودم ابرا و تبرا نمودم و در دین الٰہی اکبر شاہی در آمدم و مراتب چہارگانہ اخلاص کہ ترک مال و جان و ناموس و دین باشد ، قبول کردم ۔"[43]

اس تحریر سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ دینِ الٰہی قبول کرنے سے پہلے دین اسلام ترک کرنا ضروری تھا ۔

۱۹ ۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے اکبر کے عہد میں مدارج النبوۃ کے نام سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ایک ضخیم سوانحعمری تحریر فرمائی تھی اس کتاب کے متعلق پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ "مدارج النبوۃ کا محرک اس زمانہ کے حالات تھے ۔ اکبری عہد میں شریعت و سنت سے بے اعتنائی انتہا درجہ کو پہنچ گئی تھی ۔ حضور سرورِ کائناتؐ سے تعلق ٹوٹ رہا تھا ان حالات میں ضروری تھا کہ رسولِ مقبولؐ کی حیاتِ طیبہ کو مکمل طور پہ

---

[43] ایضاً ، ص ۲۰۴

پیش کر دیا جائے[44]۔ ہمارے خیال میں اکبر کے دعاوی اور اس کی بدعات سے ختم نبوت کے عقیدہ پر چوٹ پڑتی تھی۔ اس لئے شیخ نے اس کی حفاظت کے لیے بر وقت قدم اٹھایا اور حضور نبی اکرمؐ کی سیرت لکھ کر عوام الناس کو حضورؐ کے مقام سے روشناس کرایا۔ جو جذبہ اس کتاب کی تصنیف کا محرک بنا تھا اُسے ذہن میں رکھ کر اس نتیجہ پر پہنچنا چنداں مشکل نہیں کہ شیخ محدّث کے خیال میں اکبر حضورؐ کے منصب نبوت کو زک پہنچا رہا تھا۔ اگر اکبر کا دینِ الٰہی محض آزاد خیال لوگوں کی ایک سوسائٹی ہوتی تو شیخ محدّث اسے اتنی اہمیّت نہ دیتے۔

۲۰۔ محسن فانی اپنی کتاب دبستانِ مذاہب میں دینِ الٰہی کا ذکر ایک الگ دین کی حیثیت سے کرتا ہے۔

۲۱۔ جب ابوالفضل خود دینِ الٰہی کو ـــ تو آئینِ الٰہی[45] کہتا ہے تو پھر کسی غیر کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اُسے ایک نیا دین نہ سمجھے۔

ہمارا خیال ہے کہ اکبر کو متنبی لکھتے وقت بدایونی نے دینِ الٰہی کا بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا اور جن باتوں کی ہم نے سطورِ بالا میں نشاندہی کی ہے ان میں سے اکثر و بیشتر اس کے ذہن میں تھیں۔ ہم نے دینِ الٰہی کے نئے دین اور اکبر کے ایک نئے ظہور کے بارے میں جو دلائل دیئے ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان میں سے چند ایک کے ساتھ اہل علم کو اختلاف ہو لیکن ان سب کی تردید ممکن نہیں۔

---

[44] حیات شیخ عبدالحق محدّث دہلوی، ص ۱۹۹ [45] آئینِ اکبری۔ جلد ۳، ص ۲۹۲

اکبر نے کیا کھویا

اسلام کے پانچ رکن ہیں :۔ کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ اکبر ان سب کا منکر تھا۔ دینِ اسلام سے برگشتہ ہوتے ہی اس نے کلمہ طیبہ سے حضورؐ کا نامِ نامی حذف کر دیا۔ خاص خاص حلقوں اور شاہی محلات کے اندر یہ کلمہ پڑھا جاتا تھا[1]۔

لاالٰہ الا اللّٰہ اکبر خلیفۃ اللّٰہ

مہابھارت کے دیباچہ میں ابوالفضل اکبر کو خلیفۃ اللّٰہ ہی لکھتا ہے[2]۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا تھا کہ اکبر کا اللّٰہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست تعلق تھا اور اس کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان نبی اکرمؐ کا واسطہ ضروری نہیں تھا۔ حضورؐ کے ساتھ اکبر کو جو عداوت تھی اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے احمد، محمد، محمود اور مصطفیٰ جیسے نام رکھنے پر ناگواری ظاہر کی۔ بدایونی لکھتا ہے کہ اگر کسی شاہی ملازم کا نام یار محمد یا محمد خان ہوتا تو بادشاہ

---

[1] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۷۳ [2] مہابھارت، ص ۵

اُسے کسی دوسرے نام سے پکارتا تھا۔ کیونکہ حضورؐ کا نام لینا بھی اُسے پسند نہ تھا۔[۳] اس نے خود اپنے پوتوں کے نام ساسانی بادشاہوں کے ناموں کی مناسبت سے ہوشنگ، طہمورث اور بایسنغر رکھے۔[۴] ابوالفضل اس بات پر فخر کرتا تھا کہ بادشاہ نے اس کے پوتے کا نام بپشوتن رکھا تھا۔[۵]

کسی زمانے میں اکبر کے سکوں پر کلمہ طیبہ ہوتا تھا۔ جب وہ اسلام سے برگشتہ ہوا تو کلمہ طیبہ کی بجائے اس نے رام اور سیتا کی مورتیں اپنے سکوں پر کندہ کروائیں۔ مشہور مؤرخ اسٹینلے لین پول نے برٹش میوزیم لندن کے مغل مسکوکات کی جو فہرست تیار کی ہے، اس میں پانچویں پلیٹ پر ۱۷۲ نمبر سکے پر رام اور سیتا کی مورتیں موجود ہیں۔[۶] ان بیانات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا چنداں مشکل نہیں کہ اکبر جادۂ حق سے منحرف ہو چکا تھا اور وہ گاہ گاہے حضورؐ کے ساتھ اپنی عداوت کا اظہار بھی کرتا رہتا تھا۔

کلمہ کی طرح نماز بھی اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ اکبر نے شاہی محل اور دربار میں نماز ادا کرنے پر پابندی لگا دی تھی۔ بدایونی کا کہنا ہے کہ۔ ہیچ کس یارای آں نداشت کہ علانیہ ادای صلوٰۃ کند۔[۷] دیوان خانہ کی جس مسجد میں اکبر کبھی خود اذان دیا کرتا تھا اس کے در و دیوار اب اذان کی آواز سننے کو ترس گئے تھے۔ نماز پر پابندی لگتے ہی مسجدیں ویران ہوگئیں۔ ہندوؤں نے

[۳] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۱۴ [۴] تکملہ اکبر نامہ، ورق ۳۵ الف، ۴۴ الف، ۴۶ الف

[۵] آئین اکبری، جلد ۳، ص ۳۵۰۔ گیتی خداوند آں نونہال سرالبستان سعادت را بپشوتن نام نہادہ [۶] دی کوئنز آف دی مغل ایمپررز آف ہندوستان ان دی برٹش میوزیم، ص ۳۴

[۷] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۱۵،

اس صورت حال سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کعبہ کی بیٹیوں کی بے حرمتی شروع کر دی۔ بدایونی کے الفاظ ہیں۔

مساجد و صوامع فراش خانہ	مسجدیں اور خانقاہیں ہندوؤں کے
و چوکی خانہ ہندوان شد و بجائی	فراش خانے اور چوکی خانے بن گئے۔
جماعت جمُاع و بجائی حیّ علیٰ	نماز جمعہ اور حیّ علی الصلوٰۃ کی جگہ وہاں
یلّلا تلّلا بود۔[۸]	یلّلا تلّلا کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

جن مساجد پر ہندو کسی خاص وجہ سے قابض نہ ہو سکے ان کو مسمار کرنے کے لئے شاہی فرامین جاری ہوئے۔ اورنگ زیب کے سوانح نگار ظہیر الدین فاروقی اپنی کتاب "اورنگ زیب اینڈ ہز ٹائمز" میں اکبر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس نے اپنے بیٹے دانیال کے نام یہ فرمان جاری کیا کہ ایبر گڑھ کی مسجد گرا کر اس کی جگہ مندر تعمیر کروا دو۔[۹] مشہور مؤرخ فرشتہ رقمطراز ہے کہ شاہزادے نے اس فرمان کی طرف کوئی توجہ نہ دی اس طرح یہ مسجد بچ گئی۔[۱۰]

اسلام کا تیسرا رکن روزہ ہے۔ خواجہ عبیداللہؒ لکھتے ہیں کہ ابوالفضل اور اس کے حاشیہ بردار ماہ رمضان کو۔ ماہ گرسنگی و تشنگی۔ کہا کرتے تھے۔[۱۱] اکبر نے اپنے درباریوں کو حکم دیا تھا کہ وہ رمضان میں بھرے دربار میں کھایا پیا کریں۔ اگر انہیں کھانے پینے کی خواہش نہ ہو تو اس صورت میں وہ پان کا بیڑا منہ میں رکھ کر دربار میں آیا کریں، بصورت دگر وہ روزہ دار ہونے کے الزام میں دھر لئے جائیں گے۔[۱۲] حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات سے

[۸] ایضاً، ص ۳۲۲ [۹] اورنگ زیب اینڈ ہز ٹائمز، ص ۵۶۳

[۱۰] تاریخ فرشتہ، جلد ۲، ص ۲۳۹ [۱۱] مبلغ الرجال، ورق ۲۶ ب

[۱۲] تذکرۃ الملوک، ورق ۲۳۱ ب

بھی اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ ہندوؤں کے برت کے دن مسلمانوں کو سرِعام کھانے پینے کی اجازت نہ تھی لیکن ماہِ رمضان میں ہندوؤں اور نام کے مسلمانوں کو کھلے بندوں کھانے پینے کی اجازت تھی۔[۱۳]

اسلام کا چوتھا رکن زکوٰۃ ہے۔ اکبر نے ایک فرمان کی رُو سے اپنے عمّال کو مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرنے سے روک دیا تھا۔[۱۴] حسنِ اتفاق سے اکبر کا یہ فرمان رقعات ابوالفضل میں موجود ہے۔ جس طرح اکبر نے مسلمانوں سے زکوٰۃ کی وصولی روک دی تھی، اسی طرح اس نے ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں کو جزیہ بھی معاف کر دیا تھا۔

اسلام کا پانچواں رکن حج ہے۔ اکبر نے حج پر جانے والوں پر بھی پابندی لگا دی تھی۔ بدایونی لکھتا ہے کہ ان ایام میں اکبر سے حج پر جانے کے لئے رخصت طلب کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔[۱۵]

جہاں تک اسلامی عبادات و عقاید کا تعلق ہے اکبر انہیں دل لگی سمجھتا تھا۔ بدایونی لکھتا ہے:۔

در ہر رکن از ارکانِ دین و در ہر عقیدہ از عقاید اسلامیہ چہ اصول چہ فروع مثل نبوت و کلام و رویت و تکلیف و تکوین و حشر و نشر شبہات گوناگون بتمسخر و استہزا آوردہ۔[۱۶]

ارکانِ دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت، مسئلہ کلام، دیدارِ الٰہی، انسان کا مکلّف ہونا، عالم کی تکوین اور حشر و نشر وغیرہ کے متعلق تمسخر اور ٹھٹھے کے ساتھ طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کئے جانے لگے۔

---

[۱۳] مکتوبات امام ربانیؒ، جلد ۲، مکتوب ۹۲ [۱۴] رقعات ابوالفضل، دفتر اوّل، ص ۶۲
[۱۵] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۳۶ [۱۶] ایضاً، ص ۳۰۷

ایک اور موقع پر یہی بزرگ لکھتے ہیں:۔

نماز و روزہ و جمیع نبوات را تقلیدیات نام نہادند یعنی غیر معقول و مدار دین بر عقل گذاشتند نہ نقل۔[۱۷]

نماز و روزہ اور وہ ساری چیزیں جن کا نبوت کے ساتھ تعلق ہے ان کا نام تقلیدیات رکھا گیا اور یہ سب باتیں غیر معقول قرار دی گئیں اور دین کا مدار نقل کی بجائے عقل پر رکھا گیا۔

ایک موقع پر بادشاہ نے بھرے دربار میں یہ اعلان کیا تھا کہ اگر کسی نے عقل و دانائی کی کوئی بات دریافت کرنی ہو تو وہ مجھ سے پوچھے اور اگر اس مسئلہ کا تعلق دین کے ساتھ ہو تو پھر ان ملاؤں کی طرف رجوع کرے۔[۱۸]

اسلامی قانون کے چار ماخذ ہیں: کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہؐ، اجماع اور قیاس اور انہی پر شریعت کا دار و مدار ہے۔ جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے اکبر اُسے وحی الٰہی نہیں مانتا تھا۔ جہانگیر کہا کرتا تھا کہ ابوالفضل نے یہ بات میرے والد کے ذہن میں ڈال دی تھی کہ قرآنِ حکیم وحی الٰہی نہیں بلکہ نبی اکرمؐ کی اپنی تصنیف ہے۔[۱۹] جس شخص کا قرآنِ پاک کے متعلق یہ عقیدہ ہو اس سے یہ توقع رکھنا ہی عبث ہے کہ وہ اُسے سرچشمۂ ہدایت تسلیم کرتا ہوگا۔ اکبر کے عہد میں قرآنِ پاک کی جو گت بنائی جا رہی تھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کا درباری شاعر عرفی لکھتا ہے:[۲۰]

جنسِ دین را چہ کساد آمدہ عرفی در پیش
کہ بجز مُردہ ز حافظ نخرد قرآن را

---

[۱۷] ایضاً، ص ۲۱۱ [۱۸] ایضاً، ص ۳۰۸
[۱۹] مآثر الامراء جلد ۲، ص ۲۱۷ [۲۰] دیوان عرفی، ص ۹

اسلامی قانون کا دوسرا اہم ماخذ سنتِ رسول اللہ ہے۔ جس شخص کو حضورؐ کا نام لینا اور سننا بھی گوارا نہ ہو، اس کے نزدیک سُنّت کی کیا وقعت ہو گی؟ بدایونی ایک جگہ لکھتا ہے کہ اکبر کو حضورؐ کے بہت سے کاموں پر اعتراض تھا، اسی طرح ہجرت کے بعد قریش کے تجارتی قافلہ کے متعلق آپؐ نے جو روش اختیار کی تھی اس پر بھی اکبر کو سخت اعتراض تھا۔[21] ایک بار اکبر کو یہ معلوم ہوا کہ حضورؐ نے ایک موقع پر اپنی اونٹنی قصوہ کو مارا تھا۔ اس پر وہ بہت بگڑا اور حضورؐ کی شان میں گستاخیاں کرنے لگا۔[22]

اکبر کے عقائد اور اعمال کا مدار چونکہ "عقل" پر تھا اس لئے جو بات اس کی سمجھ سے بالا ہوتی وہ اسے ماننے سے انکار کر دیتا۔[23] وہ حضورؐ کے معجزات کا بھی منکر تھا اور معراج کے متعلق یہ کہتا تھا۔

این معنی را عقل چگونہ قبول کند کہ
شخصے در یک لحظہ باآن گرانی جسم
از خوابگاہ بآسمان رود و ایں دہ ہزار
سخن گوئی و نگوئی با خدای تعالیٰ
بکند و بسترش ہنوز گرم باشد
تا باز بیاید بہ[24]

اس بات کو عقل کیونکر تسلیم کر سکتی ہے
کہ ایک شخص اپنے وزنی جسم کے ساتھ
اپنی خوابگاہ سے آسمان پر چلا جائے
اور وہاں خدا تعالیٰ سے نوے ہزار باتیں
کر کے واپس آئے تو اس کا بستر ابھی
گرم ہو۔

ایک روز معراج نبوی پر اعتراض کرتے ہوئے بادشاہ ایک ٹانگ اُٹھا کر حاضرین سے کہنے لگا کہ جب میں اپنی دوسری ٹانگ اُٹھا کر ہوا میں

---

[21] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۰۸ [22] ایضاً، ص ۳۰۸
[23] ایضاً، ص ۲۱۱ [24] ایضاً ص ۳۱۶

معلق نہیں رہ سکتا تو پھر نبی کریمؐ کس طرح ۔ باآن گرانی جسم ۔ آسمان پر چلے گئے۔؟ یہ قصہ محض عوام کا گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔[25] بدایونی لکھتا ہے کہ اکبر معجزہ شق القمر کا بھی انکار کرتا تھا۔[26] جس شخص کو حضورؐ کی ذاتِ گرامی پر گوناگوں اعتراضات ہوں اس کے نزدیک اُن کی سنت کی کیا وقعت ہو گی۔

اسلامی قانون کا تیسرا اہم ماخذ اجماع صحابہ ہے۔ جو شخص نبی کی ذاتِ گرامی کو ہی واجب الاحترام نہ سمجھتا ہو اس کے نزدیک شرفِ صحبت بے معنی سی چیز ہے۔ اکبر کو صحابہ کرامؓ پر بھی کئی اعتراضات تھے۔ وہ جنگ صفین، قضیۂ فدک، تعین اوقات صلوٰۃ خمسہ، نکاح امِ کلثوم بنت علیؓ، تعمیر کوفہ، فتح شہر نصیبین اور خلافت خلفائے ثلاثہ کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے ناراض تھا۔[27] اس لئے ان کے اجماع کی اس کے نزدیک کوئی وقعت نہ تھی۔

اسلامی قانون کا چوتھا اہم ماخذ قیاس ہے۔ اکبر اور اس کے حواری یہ کہا کرتے تھے کہ دین اسلام کے مسائل اہل رائے نے بنائے ہیں۔[28] اس لئے ان پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ علمائے دین اور آئمہ اہل سنت کے ساتھ (جنہیں ابوالفضل حلوائی، کفش دوز اور چرم ساز کہہ کر پکارا کرتا تھا) تو اکبر کو خدا واسطے کا بیر تھا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ ان ایام میں اگر وہ کسی کو گالی دینا چاہتا یا کسی کی تحقیر مقصود ہوتی تو اُسے "فقیہہ" کہہ کر پکارا کرتا تھا۔[29] فقہا کی جو قدر و منزلت اکبر اور اس کے حواریوں کے دل میں تھی اس کا اندازہ

---

[25] ایضاً، ص ۳۱۷ [26] ایضاً۔ ص ۳۱۶
[27] ایضاً، ص ۳۰۸، ۳۱۸ [28] مبلغ الرجال، ورق ب ۲۵
[29] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۲۹

اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملک الشعرا ابوفیضی "این پیالہ را بکوری فقہا می خوریم" کہہ کہہ کر شراب پیا کرتا تھا۔[30]

اسلام سے برگشتہ ہونے کے بعد اکبر نے جہل حق کے نام سے ایک مجلس مشاورت بنائی اس مجلس کا یہ کام تھا کہ وہ ہر مسئلہ کو عقل کی سان پر کستی تھی[31] اگر کوئی مسئلہ عقل کے معیار پہ پورا اترتا تو اسے ۔ تو آئینِ الٰہی ۔ میں شامل کر لیتے ورنہ اسے غیر معقول کہہ کر رد کر دیتے ۔ اس مجلسِ مشاورت نے مسائلِ دین کو بازیچۂ اطفال بنا دیا۔

مجلسِ مشاورت نے غسلِ جنابت کے اسقاط کے متعلق جو فتویٰ جاری کیا تھا وہ قابلِ غور ہے ۔ ان کا کہنا تھا:۔

خلاصہ انسان نطفہ منی است کہ تخم آفرینش نیکان و پاکان است و این چہ معنی دارد کہ بخروج بول و غایط غسل واجب نشود و خروج این طور شئی لطیف مستوجب غسل گردد و بلکہ مناسب آنست کہ اول غسل کنند بعد ازاں جماع۔[32]

انسان کی اصل نطفہ ہے اور یہی نیکوں اور پاکبازوں کا تخم ہے یہ کیا بات ہوئی کہ پیشاب اور پاخانہ نکلنے سے تو غسل واجب نہ ہوا اور اس لطیف ترین شے کے نکلنے سے غسل واجب ہو گیا۔ مناسب تو یہ ہے کہ پہلے غسل کرے ان کے بعد ہمبستر ہو۔

یہ عقل کے اندھے کہا کرتے تھے کہ اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے کہ سور اپنی بے غیرتی کی وجہ سے حرام ہوا ہے تو پھر شیر کو اپنی غیرت اور شجاعت

---

۳۰ ایضاً، ص ۳۰۹ ۔ ۳۱ ایضاً، ۳۰۸

۳۲ ایضاً، ص ۳۰۵

کی وجہ سے حلال ہونا چاہیے۔[33] تجہیز و تکفین کے متعلق ان "داناؤں" کا یہ کہنا تھا" کہ تجہیز و تکفین ایک پرانی اور فرسودہ رسم ہے ورنہ ملک عدم کے مسافر کے لئے بارِ کفن بھی گراں ہے۔ وہ جیسے اس دنیا میں آیا تھا اسے ویسے ہی جانا چاہیئے۔[34]

ان باتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اکبر اسلام کی بیخ کنی پر تلا ہوا تھا اور اس نے ایک ایک کر کے تمام اسلامی شعائر مٹانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اسلام اور خود مسلمانوں کے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ حضرت مجددؒ الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں اکبر کے عہد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "مسلمان اظہار اسلام سے عاجز تھے اگر وہ ایسا کرتے تھے تو انہیں قتل کیا جاتا تھا"[35] ایک اور مکتوب میں آپ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں" اگر کوئی مسلمان شعار اسلام ادا کرتا تو اُسے قتل کرتے تھے"[36] ارکان اسلام میں سے کسی ایک رکن کا انکار کفر ہے، یہی وجہ تھی کہ اکبر کے ایک ہمعصر عالم ملّا محمد یزدی نے یہ فتویٰ دے دیا تھا کہ اکبر مرتد ہو چکا ہے اس لئے اس کے خلاف صف آرا ہونا ہر مسلمان کا فرض ہے۔[37]

اکبر نے دینِ اسلام سے برگشتہ ہوتے ہی حلال و حرام کی تمیز اُٹھا دی۔ بدایونی لکھتا ہے کہ بادشاہ یہ کہا کرتا تھا۔

---

۳۳ آئینِ اکبری، جلد ۳، ص ۳۰۲

۳۴ ایضاً ۔ ۳۵ مکتوباتِ امام ربانی، جلد اول، مکتوب ۴۶

۳۶ ایضاً، مکتوب ۸۱

۳۷ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد ۴، ص ۱۲۶

شراب اگر بجہتِ رفاہیت بدنی بطریق اہل حکمت بخورند و فتنہ و فسادی ازان نزاید، مباح باشد[۳۸]

شراب اگر بدن کے فائدہ کے لئے طبّی طور پر استعمال کی جائے بشرطیکہ اس کے پینے سے فتنہ و فساد نہ پیدا ہو، تو جائز ہے۔

اگر یہ بات شراب کی حلت کے فتویٰ تک ہی محدود رہتی تو بھی خیر تھی۔ اکبر نے شرابیوں کی سہولت کے پیشِ نظر شاہی دربار کے قریب ایک میخانہ کھول کر مختلف اقسام کی شراب کے نرخ مقرر کر دیئے[۳۹]۔ شراب کا سرکاری ڈپو کھلتے ہی ہر کس و ناکس کو کنٹرول ریٹ پر شراب ملنے لگی۔ اکبر نے شراب نوشوں کی کچھ اس طرح سے حوصلہ افزائی کی کہ بقول بدایونی در مجالس نوروزے اکثرے از علمائے و صلحائے بلکہ قاضی و مفتی را نیز در وادیٔ قدح نوشی آورند[۴۰]۔ بادشاہ ان کو شراب پیتے دیکھ کر بہت محظوظ ہوتا اور یہ شعر پڑھتا۔

در عہد بادشاہ خطا بخش و جرم پوش
حافظ قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش

بدایونی نے چند ایک علماء اور قضاۃ کے نام بھی گنوائے ہیں جن کا انتقال کثرتِ شراب نوشی کے سبب ہوا تھا۔

اکبر نے قرآن کی یہ آیت — فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ — پسِ پشت ڈال کر۔ خدا یکے و زن یکے[۴۱] کو قانون کا درجہ دے دیا۔ اب ظاہر ہے کہ اس قانون کو چلانا ممکن نہ تھا۔ اس لئے

[۳۸] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۰۱

[۳۹] ا: ایضاً، ص ۳۰۲ ۔ اا اخبار محبّت، ورق ۴۹، الف و ب

[۴۰] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۰۹ [۴۱] ایضاً، ۳۵۶

اکبر نے زنا کی حلّت کا فتویٰ جاری کر دیا۔ بدایونی اور محبت بن فیض دونوں مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ اکبر نے شہر سے باہر شیطان پورہ کے نام سے طوائفوں کی ایک الگ بستی آباد کروائی اور ایک محرر رجسٹر دے کر وہاں بٹھا دیا کہ آنے جانے والوں کے نام اس میں درج کرتا جائے اور اگر کوئی شخص کسی طوائف کو اپنے گھر لے جانا چاہے تو اس رجسٹر میں اپنا نام و پتہ درج کر کے اُسے ساتھ لے جائے[۴۲]۔ بدایونی لکھتا ہے کہ بادشاہ طوائفوں کے ذاتی معاملات میں بڑی دلچسپی لیتا اور کبھی کبھار ان کو بلا کر ان سے یہ پوچھتا کہ بتاؤ تمہارے ہاں کون کون آتا ہے اور سب سے پہلے تمہارے ساتھ کس نے زنا کیا تھا[۴۳]۔

شیطان پورہ کی تعمیر کے ساتھ جہاں اکبر نے زنا کو فروغ دیا وہیں اس نے ایک قانون کی رو سے قمار بازی کو بھی حلال کر دیا۔ اکبر نے جواریوں کی سہولت کے لیے ایک جوُاخانہ بھی قائم کیا، جہاں جواریوں کو جوا کھیلنے کے لئے سرکاری خزانے سے سود پر رقم مل جاتی تھی[۴۴]۔ اس طرح اکبر نے سود کی حلت کا بھی فتویٰ جاری کیا[۴۵]۔ سود کی حِلت کا اعلان ہوتے ہی بڑے بڑے مفتی اور قاضی بھی سودی کاروبار کرنے لگے۔ عہد اکبری کے ایک عالمِ دین قاضی عبد السمیع کے متعلق بدایونی لکھتا ہے[۴۶]۔ اس کے نزدیک رشوت لینا

[۴۲] ا۔ ایضاً، ص ۳۰۲ ۔ اا۔ اخبار محبت، ورق ۸۹ الف و ب

[۴۳] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۰۳

[۴۴] ایضاً، ص ۳۳۸ — قمار و ربا حلال شد و دیگر محرمات برین قیاس، و قمار خانہ در دربار بنا کردہ زری بسود بقماران از خزانہ میدادند۔ [۴۵] ایضاً۔

[۴۶] ایضاً، ص ۳۱۴ — رشوت نظر بمذہب او فرض است و سود را در قبالات قرض و سجلات بموجب حکم وضع مودہ می نویسد۔

فرض ہے۔ علاوہ ازیں وہ کسی کو رقم اُدھار دیتے وقت اس کا سود قرضنامہ اور رجسٹر میں باقاعدہ درج کرتا ہے۔

اسلام میں چونکہ مردوں کے لئے ریشمی لباس پہننا حرام ہے، اس لئے اکبر نے اپنی اسلام دشمنی کی بنا پر ریشمی لباس کی حلّت کا حُکم جاری کیا۔[47] وہ خود بھی ریشمی لباس پہنتا اور اپنے درباریوں کو بھی اس کی تلقین کرتا تھا۔[48]

اکبر چونکہ ایک ایک کر کے تمام اسلامی شعائر مٹانے پر تلا ہوا تھا، اس لئے وہ ریش تراشی پر بھی بہت زور دیتا تھا۔ ریش تراشی کے جواز میں سب سے پہلے حاجی ابراہیم سرہندی نے تحقیق شروع کی۔ بدایونی لکھتا ہے کہ حاجی ابراہیم، شیخ امان اللہ پانی پتی کے بھتیجے ملّا ابو سعید کے کُتب خانہ کی ایک کرم خوردہ کتاب میں سے ایک حدیث نکال لائے اور عبادت خانہ میں آ کر یہ اعلان کیا کہ راوی لکھتا ہے۔ "پسرِ صحابی مترّش در نظر آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمد، فرمودند کہ اہلِ بہشت باین ہیأت خواہند بود۔"[49] اس سے بادشاہ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جب اہلِ بہشت بے ریش ہوں گے تو پھر ہم کیوں نہ شیو بنوائیں۔ جب ایک فقیہ نے یہ دیکھا کہ حاجی ابراہیم کی تحقیق بادشاہ کے دل لگی ہے تو وہ بھی ایک کتاب اُٹھا لائے۔ اس میں مرقوم تھا کہ اپنی ڈاڑھی اس طرح نہ رکھو جس طرح عراق کے قضاۃ رکھتے ہیں،[50] بالفاظ دیگر تم ان کی مخالفت کرو اور اپنی ڈاڑھیاں منڈواؤ۔

---

[47] ایضاً۔ ص ۳۰۶

[48] ایضاً ۔ الابریشم پوشی خود عین شریعۃ گشت۔ [49] ایضاً۔ ص ۲۷۸

[50] ایضاً۔ ص ۳۰۴ ۔ کما یفعلہ بعض القضاۃ العراق۔

جب ایک فلاسفر نے یہ دیکھا کہ اس کے حریف ڈاڑھی پر تحقیق کے معاملہ میں اس پر بازی لے گئے ہیں تو اس نے ڈاڑھی منڈوانے کے حق میں یہ فلسفیانہ دلیل پیش کی کہ ریش کی سیرابی خصیتین کے پانی سے ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ خواجہ سراؤں کی ریش نہیں ہوتی۔ بھلا ایسی چیز کے رکھنے سے کیا فائدہ؟[51] اس محقق کی تحقیق بادشاہ کے کچھ اس طرح دل لگی کہ وہ باریش لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرنے لگا۔[52] بدایونی اس بات کا چشم دید گواہ ہے کہ لوگ اکبر کے مرید ہونے کے بعد اس سے یہ سوال کیا کرتے تھے کہ۔۔ "ریش مراچہ حکم شود"[53] اور یہ ظاہر ہے کہ بادشاہ اُنہیں ریش تراشی کا ہی مشورہ دیا کرتا تھا۔

بیاہ شادی کے معاملات میں بھی اکبر نے شریعت اسلام کے قوانین منسوخ کر کے ان کی جگہ خود ساختہ قوانین رائج کئے۔ ابوالفضل، اکبر کے متعلق لکھتا ہے، "میفرمودند خودی راکہ خدا کرداں ناخوشنودی ایزد بیست"[54]۔ خدا کو خوش کرنے کے لئے اکبر نے یہ حُکم دیا کہ جب تک لڑکا سولہ سال کا اور لڑکی چودہ سال کی نہ ہو جائے اس وقت تک ان کا نکاح نہ کیا جائے۔ اگر نکاح خواں کو ان کی عمروں پر شک گذرے تو ان کا فرض کوتوالی میں طوئے بیگی سے باقاعدہ معائنہ کروایا جائے اور جب تک وہ سرٹیفکیٹ جاری نہ کرے اس وقت تک ان کا نکاح نہ کیا جائے۔[55] اکبر نے ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری

---

[51] ایضاً۔ ص ۳۰۳ [52] ایضاً۔ صحبت باریش دار وامثال آن کمال احتراز داشتند

[53] ایضاً، ص ۴۰۴ [54] آئین اکبری، جلد ۳، ص ۳۰۶

[55] منتخب التواریخ ۔ جلد ۲، ص ۳۳۸، ۳۹۱

شادی پہ پابندی لگادی، اور بانجھ عورت کے ساتھ نکاح کی ممانعت کردی[۵۶] اس کے علاوہ اکبر نے یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص اپنے سے بارہ سال بڑی عورت کے ساتھ جماع نہ کرے[۵۷] ابوالفضل لکھتا ہے کہ اکبر نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ نوجوان مرد کبھی سال عورت سے شادی نہ کرے[۵۸]۔ محبت بن فیض اور بدایونی دونوں اس پہ متفق ہیں کہ بادشاہ نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ آئندہ کوئی مسلمان اپنی خالہ، پھوپھی، ماموں یا چچا کی لڑکی کے ساتھ شادی نہ کرے کیونکہ ایسے نکاح سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ ہمیشہ کمزور رہتی ہے[۵۹]۔ اسی طرح بادشاہ زیادہ مہر باندھنے کے بھی خلاف تھا[۶۰]۔

ختنہ کے متعلق اکبر نے یہ حکم دیا تھا کہ جب تک لڑکا بارہ سال کا نہ ہوجائے اس وقت تک اس کا ختنہ نہ کیا جائے[۶۱]۔ ابوالفضل کا کہنا ہے کہ یہ حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ خورد سال بچوں پہ تکلیف شرعیت نہیں۔ اس لئے بادشاہ نے یہ معاملہ ان کے عاقل بالغ ہونے تک چھوڑ دیا[۶۲]۔ دراصل بادشاہ اس شعار کو بھی مٹانا چاہتا تھا اسی لئے اس نے بارہ

---

[۵۶] آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۱۹۲ [۵۷] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۹۱

[۵۸] آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۲۴۹ - یہ حکم بھی خلاف سنت رسولؐ مقبول تھا کیونکہ حضورؐ نے جب حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا اس وقت حضورؐ کی عمر ۲۵ سال اور ام المومنین کی عمر ۴۰ سال تھی۔

[۵۹] ا۔ اخبار محبت، ورق ۸۹ الف و ب - ۱۱۔ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۰۶

[۶۰] آئین اکبری، جلد اول، ص ۲۴۹ [۶۱] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۷۶

[۶۲] آئین اکبری، جلد ۳، ص ۳۰۲

سال کی عمر کی قید لگادی۔ اب ظاہر ہے کہ بارہ سال کے بعد شاید ہی کوئی لڑکا ختنہ کی تکلیف برداشت کرنے پہ رضامند ہوگا۔

پردہ کے متعلق اسلام میں جو احکام ملتے ہیں، اکبر نے انہیں نظرانداز کرکے پردہ کی ممانعت کردی اور یہ حکم دیا کہ آئندہ عورتیں کھلے منہ باہر نکلا کریں[۶۳]۔

اکبر کو تجہیز و تکفین کا اسلامی طریقہ بھی ناپسند تھا۔ ابوالفضل رقمطراز ہے کہ بادشاہ اکثر کہا کرتا تھا "تکفین رسمے است باستانی ورنہ رہگرائے نیستی چگونہ بارکشد، ہماں طور کہ آمدہ بود باز گردد"[۶۴] جب اکبر کا مرید خاص سلطان خواجہ فوت ہوا تو اسے شیخ مبارک کے ساختہ پرداختہ ـ مجتہد ـ کے اجتہاد کے مطابق دفن کیا گیا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ قبر میں اتارنے سے پہلے میت کی زبان پہ ایک دہکتا ہوا انگارہ رکھا گیا۔ اس کے علاوہ اس کی قبر میں اس کے چہرے کے مقابل مشرق رُو ایک دریچہ بنایا گیا تاکہ ہر صبح جب آفتاب جلت عظمتہ، وعز شانہ، طلوع ہو تو اس کی پہلی کرنیں سلطان خواجہ کے چہرے پہ پڑیں۔ بدایونی کہتا ہے کہ اکبر اور اس کے پیروؤں کا یہ عقیدہ تھا کہ سورج کی روشنی انسان کو گناہوں سے پاک کردیتی ہے[۶۵]۔ میت کی تدفین کے وقت اس بات کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ مردہ کا سر مشرق کی طرف اور اس کے پاؤں قبلہ کی سمت ہوں[۶۶]۔ بدایونی لکھتا ہے کہ بادشاہ

---

[۶۳] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۹۱

[۶۴] آئین اکبری، جلد ۳، ص ۳۰۲ [۶۵] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۴۱

[۶۶] ایضاً - ص ۳۵۶

کو اسلام کے ساتھ اتنی کد تھی کہ وہ خود بھی سوتے وقت اپنے پاؤں قبلہ کی طرف کر کے سویا کرتا تھا[۶۷]

بدایونی کی ایک روایت سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ بادشاہ نے اپنے بعض مریدوں کو اس بات کی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ اپنے مُردوں کی گردن میں خام غلہ اور پختہ اینٹیں باندھ کر دریا میں ڈال دیا کریں۔[۶۸] یہ اجازت غالباً ایسے مریدوں کو مرحمت کی گئی تھی جو عموماً دریاؤں کے کنارے رہتے تھے، ورنہ پہاڑی علاقوں اور گھنے جنگلوں میں رہنے والے مریدوں کو اس بات کی بھی اجازت تھی کہ وہ اہل ختن کی طرح اپنے مُردوں کو درختوں کے ساتھ لٹکا دیا کریں۔[۶۹]

اسلام اور بانی اسلام کے ساتھ اکبر کو جو عداوت تھی اس کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اکبر کو "ہجرت" کا لفظ بھی ناگوار گذرتا تھا۔ بدیں وجہ اکبر نے سنِ ہجری کی بجائے سنِ شمسی رائج کیا اور یہ بات کوتوال کے فرائض میں شامل کر دی کہ وہ اپنے علاقۂ اختیار میں اس بات کا خیال رکھے کہ عوام صرف شمسی کیلنڈر ہی استعمال کریں۔[۷۰] خود ابوالفضل کو بھی لفظِ ہجرت سے بڑی کد تھی، وہ جہاں کہیں بھی سنِ ہجری کا ذکر کرتا ہے

---

[۶۷] ایضاً۔ ص، ۳۵۷۔ سر مُردہ بجانب مشرق و پای آن بجانب مغرب دفن کنند و خواب رفتن خود را نیز بر ہمین ہیات قرار دادند۔

[۶۸] ایضاً، ص ۳۹۱ [۶۹] ایضاً۔ بطور خطائیاں بدرختی بر بندند۔

[۷۰] آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۳۵۰

اُسے سنِ ہلالی لکھتا ہے[۷۱]

نبی عربیؐ کے ساتھ عداوت کی بنا پر اکبر کو عربی زبان کے ساتھ بھی ایک گونا عداوت تھی۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ اُسے احمد، محمد، محمود اور مصطفیٰ جیسے خالص عربی نام ناپسند تھے اور اگر اس کے کسی ملازم کے نام کا جزء محمد یا احمد ہوتا تو وہ اُسے کسی دوسرے نام سے پکارتا تھا۔[۷۲] اسی طرح اس نے اپنی روزمرہ کی بول چال میں اس بات کا خاص اہتمام کیا کہ خالص عربی الفاظ مثلاً، ح، ع، ص، ض، ط، ظ کا استعمال ترک کر دیا۔[۷۳] بدایونی لکھتا ہے اکبر کے عہد حکومت میں عربی پڑھنا اور پڑھانا معیوب سمجھا جاتا تھا اور علوم شریعت کی جگہ علومِ عقلیات یعنی نجوم، حکمت، طب، ریاضی، تاریخ، شعر اور افسانہ کے درس و تدریس کی سرپرستی کی جاتی تھی۔[۷۴] علومِ شریعت کی اس کساد بازاری کا نتیجہ یہ بھی نکلا کہ علماء کی مدد معاش بند ہو گئی اور ان کی اولاد علم و فضل کی بجائے پاجی گیری میں نام پیدا کرنے لگی۔[۷۵] مجدّد الف ثانیؒ عہدِ جہانگیری میں اس بات کے شاکی تھے کہ سرہند جیسے عظیم شہر میں قاضی کا عہدہ مدتوں سے خالی پڑا ہے۔[۷۶] جب عہدِ اکبری میں علومِ شریعت کی درس و تدریس پر پابندی لگ گئی تھی تو پھر علماء اور قضاۃ کہاں سے آتے؟ ہمارے خیال میں اکبر نے مسلمانوں

---

[۷۱] ایضاً، جلد ۳، ص ۳۳۶، ۳۵۱، ۳۵۲

[۷۲] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۶۹، ۳۱۴ [۷۳] ایضاً، ص ۳۰۷ [۷۴] ایضاً۔

[۷۵] ایضاً۔ ص ۴، ۲۰۷ – مدارس و مساجد مدروس و اکثری جلا وطن شدند و اولاد نا قابل ایشان کہ ماند بمرور پاجی گیری نام بر آوردند۔

[۷۶] مکتوبات امام ربانی، جلد اول۔ مکتوب ۱۹۵

کو احکامِ شریعت اور اسلام سے بیگانہ رکھنے کے لیے علومِ شریعت کے درس و تدریس پر پابندی لگا دی اور ایسے علوم کو فروغ دیا جو انہیں جادۂ حق سے دور لے جانے والے تھے۔

کیا پایا

بدایونی رقمطراز ہے کہ اکبر کے اوائل عمر ہی سے ہندوؤں کے ساتھ بڑے گہرے مراسم تھے[1] اور ان کی صحبت میں رہتے ہوئے اکبر نے ہندوؤں کی بہت سی رسمیں اپنا لی تھیں۔ بیربر، دیوی اور پرکھوتم جیسے ہندو فضلاء نے اکبر کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ سوٗر (نعوذ باللہ) خدا کا مظہر ہے کیونکہ خدا نے ایک بار (نعوذ باللہ) سوٗر کے روپ میں اوتار لیا تھا، اس لئے ہر صبح اس کے درشن کرنا باعثِ سعادت ہے۔[2] حصولِ سعادت کی خاطر اکبر نے اپنی خوابگاہ کے نیچے ایک سوٗر خانہ قائم کیا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ اکبر صبح کے وقت سب سے پہلے سوٗر کے درشن کرتا اور اسے عبادت سمجھتا تھا۔[3]

آئینِ اکبری میں ایک باب — آئین دیدن گاؤ — کے عنوان سے موجود ہے۔

---

[1] منتخب التواریخ جلد ۲، ص ۱۶۱ — شاہنشاہی را از صغر سن باز بطوائف مختلف از براہمہ و بادفروشان و سایر اصناف ہندوان ربطی خاص و التفاتی تمام است۔

[2] ایضاً، ص ۳۰۵ [3] ایضاً۔

اس آئین کے ضمن میں ابوالفضل لکھتا ہے کہ بادشاہ ہر بدھ کے روز، ہنرولیوں اور ہندوؤں کے دوسرے تہواروں اور جشنوں کے موقع پر گائے کے درشن کرنا باعثِ سعادت سمجھتا تھا۔[۴] ابوالفضل اس کا عینی شاہد ہے کہ اکبر کے محل میں بدھ کا دن اسی ــــ دایۂ روزگار ــــ کے درشن سے شروع ہوتا تھا۔[۵] ابوالفضل کی ایک اور روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بادشاہ نے اس نیک مقصد کی خاطر ــ گاؤخانہ خاصہ ــ بھی قائم کیا تھا جہاں درشنی گائیں رکھی جاتی تھیں۔[۶] بدایونی کا بیان ہے کہ راجہ دیپ چند منجھولہ نے یہ بات اکبر کے ذہن نشین کر دی تھی کہ ــ اگر گاؤ نزد حق تعالیٰ معظم نبودی در اوّل قرآنی چرا مذکور شدی۔[۷] اس کا ایک اثر تو یہ ہوا کہ بادشاہ گائے کے ساتھ ساتھ اس کے گوبر کو بھی پوِتّر ماننے لگا۔[۸] اور دوسرا یہ کہ اس نے ایک شاہی فرمان کی رُو سے گائے اور بھینس کے ذبیحہ کی ممانعت کر دی اور یہ بات کوتوال کے فرائض میں شامل کر دی کہ وہ اس بات کا خاص خیال رکھے کہ اس کے حلقۂ اختیار میں گائے یا بھینس ذبح نہ ہونے پائے۔[۹] ابوالفضل لکھتا ہے کہ قصائی، ماہی گیر اور صیّاد مقہور و مردود قرار پائے اور بادشاہ نے یہ فرمان جاری کیا کہ انہیں عوام سے الگ تھلگ رکھا جائے اور جو اُن کے ساتھ کھانے میں شریک ہو اُس کا ہاتھ کاٹ لیا جائے۔[۱۰]

---

۴ آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۱۹۵   ۵ ایضاً۔
۶ ایضاً، ص ۱۷۸ - ۱۷۹   ۷ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۱۱
۸ ایضاً، ص ۲۶۱   ۹ آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۳۴۹
۱۰ ایضاً۔

ابوالفضل اس بات پر گواہ ہے کہ اکبر نے خود بھی گوشت کھانا ترک کر دیا تھا۔ اکبر کے تیسویں سال جلوس میں جب ابوالفضل مہابھارت کا دیباچہ لکھنے بیٹھا تو اس وقت اکبر کو گوشت کھائے ہوئے سات ماہ گذر چکے تھے۔[۱۱] ابوالفضل لکھتا ہے کہ ہمارے بادشاہ کا یہ قول ہے کہ ــ معدۂ خود را دخمہ گاہ جانوران ساختن سزاوار نبود۔[۱۲] یہ بھی ابوالفضل کی ہی روایت ہے کہ بادشاہ نے اپنے مریدوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی ولادت کے مہینہ میں گوشت خوری سے مکمل اجتناب کریں۔[۱۳] اکبر کے عہد میں یہ بات کوتوال کے فرائض میں داخل تھی کہ وہ اس بات کا خاص خیال رکھے کہ ماہ آبان، ماہِ فروردین، سورج گرہن کے دن اور اتوار کے روز ہر قسم کے ذبیحہ کو روکے۔[۱۴]

اکبر کو ہندو سنیاسیوں اور جوگیوں کی صحبت بہت مرغوب تھی۔ اس لئے ان سے حصولِ قرب کی خاطر اکبر نے آگرہ کے نواح میں جوگی پورہ کے نام سے ایک بستی آباد کی جہاں ان کی خاطر مدارات اور خورد و نوش کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔[۱۵] بدایونی کی روایت ہے کہ بادشاہ اکثر رات کے وقت ان جوگیوں کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے ہندوؤں کے عقائد، ویدانت کے مسائل اور سلوک و مُراقبہ کے طریقے سیکھا کرتا تھا۔[۱۶] ان جوگیوں نے اُسے کیمیاگری کے راز بھی بتائے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں یہ بات بھی بٹھا دی کہ اگر وہ ان کے اصولوں پر چلے تو اس کی عمر ہزار سال تک ہو سکتی ہے۔[۱۷] بدایونی

---

۱۱ مہابھارت، ص ۱۳   ۱۲ آئین اکبری، جلد ۳، ص ۳۰۳
۱۳ ایضاً، جلد اوّل، ص ۱۹۲   ۱۴ ایضاً، ص ۳۵۰   ۱۵ منتخب التواریخ جلد ۲، ص ۳۲۴
۱۶ ایضاً۔   ۱۷ ایضاً، ص ۳۲۵

کا کہنا ہے کہ اکبر زیادہ عرصہ تک زندہ رہنے کی خاطر ان کے بعض اصولوں پر عمل بھی کرنے لگا تھا۔[18]

برہمنوں نے اکبر کو یہ باور کروا دیا تھا کہ وہ رام اور کرشن کا اوتار ہے۔[19]

ہمارے خیال میں جب اکبر کے عہد میں رامائن کا فارسی میں ترجمہ ہوا اور رام چندر کا قصہ ایک بار پھر شمالی ہندوستان میں مقبول ہوا تو اکبر نے بھی ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر رام چندر کی طرح ایک مثالی حاکم بننے کی کوشش کی۔ اکبر نے اپنے سکوں پر کلمہ طیبہ کی بجائے رام چندر کی تصویر مضروب کروائی۔ اب چاہے یہ سمجھ لیجئے کہ وہ واقعی رام چندر کی تصویر تھی یا یہ سمجھ لیجئے کہ وہ اکبر ہی تھا جو رام چندر کے روپ میں تھا۔ اکثر اوقات اکبر اپنی حرکات سے بھی خود کو ہندوؤں کا ایک اوتار ظاہر کرتا تھا۔ قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ جب راجہ ٹوڈر مل کے بت چوری ہوئے اور اس نے کھانا پینا ترک کر دیا تو اکبر نے اس سے یہ کہلا بھیجا تھا کہ بتوں کی چوری کا غم نہ کرو، میں جو یہاں موجود ہوں، میرے درشن کر کے بھوجن کر لو۔

ہندوؤں اور نقطویوں کی صحبت میں رہتے ہوئے اکبر سورج کی بڑی تعظیم کرنے لگا تھا۔ ابوالفضل کا بیان ہے کہ اکبر اکثر کہا کرتا تھا کہ سورج بادشاہوں کا خاص مُربی ہے اس لئے اس کی تعظیم بادشاہوں پر واجب ہے۔[20] بدایونی کی روائت ہے کہ اکبر علی الصبح سورج کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جاتا اور سنسکرت زبان میں سورج کے ایک ہزار ایک ناموں کا ورد کرتا تھا۔[21] ایک ہندو کی

---

[18] ایضاً۔ [19] ایضاً، ص ۳۲۶

[20] آئین اکبری، جلد ۳، ص ۲۹۸ [21] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۲۲

درباری عالم ملّا شیری نے جب ان "اسمأ الحسنیٰ" کو منظوم کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا تو وہ بہت خوش ہوا۔[22] اکبر جب ان اسمأ کے ورد سے فارغ ہوتا تو اپنے دونوں کان پکڑ کر ایک چکر لگاتا اور پھر اپنی گردن پر ایک "مکہ" رسید کرتا تھا۔[23]

اس سورج پرستی کی بنا پر لوگ اکبر کو ملحد اور کافر سمجھنے لگے تھے۔[24] بادشاہ کی سورج پرستی کو جائز ثابت کرنے کے لئے ابوالفضل ان کوتاہ بینوں کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ وہ قرآن کی سورۃ والشمس کو مدِّنظر رکھیں، اگر سورج واجب التعظیم نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ قرآن میں اس کی قسم کیوں کھاتا؟[25]

اکبر وحدت الوجود کو مانتا تھا بلکہ بقول ڈاکٹر یوسف حسین اور ڈاکٹر تاراچند اس کے دین الٰہی کی بنیاد ہی وحدت الوجود کے نظریہ پر تھی۔[26] جو لوگ وحدت الوجود پر ایمان رکھتے ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ پانی کا قطرہ خواہ کہیں بھی ہو اس کا سمندر کے ساتھ تعلق ضرور ہوتا ہے۔ اِن کے نظریہ کے مطابق جزو کل سے الگ نہیں ہوتا۔ اسی نظریہ کے تحت اکبر نے سورج اور آگ کے باہمی تعلق کا راز پا لیا تھا۔

ابوالفضل اور بدایونی دونوں اس پر متفق ہیں کہ اکبر آگ کی بھی بڑی تعظیم کرتا تھا۔ ہمارے خیال میں پارسی موبد دستور جی مہر جی رانا، ہندو رانیوں اور نقطویوں کی صحبت میں رہتے ہوئے اکبر سورج کے ساتھ ساتھ آگ کی بھی

---

[22] ایضاً، ص ۳۳۶۔ ملّا شیری بجہتہ خوش آمد منظومی ہزار شعاع نامی) در تعریف آفتاب مشتمل بر ہزار قطعہ گذرانید و لبسیار مستحسن افتاد۔

[23] ایضاً، ص ۳۲۲ [24] آئین اکبری، جلد ۳، ص ۲۹۸۔

[25] ایضاً۔ [26] ا۔ گلمپسز آف دی مڈیول انڈین کلچر، ص ۵۷

ا۔ دی انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر، ص ۴۷

پرستش کرنے لگا تھا۔ ابوالفضل کے خیال میں آگ چونکہ ۔اُم العناصر۔ تھی اس لئے بادشاہ اس کی تعظیم پر مجبور تھا۔[۲۷] جب نوساری سے پارسیوں کا وفد دارالحکومت آیا تو ان کے زیرِ اثر بادشاہ نے ابوالفضل کو حکم دیا کہ وہ اس بات کا خاص خیال رکھے کہ شاہی محل میں ہر وقت آگ روشن رہے۔[۲۸] بادشاہ کے حکم سے کرمان سے آتش پرستوں کی ایک جماعت شاہی آتشکدہ کو آباد رکھنے کے لئے فتح پور سیکری بلائی گئی۔ جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا کہ کرمان میں اردشیر نامی ایک آتش پرست کی بڑی قدر و منزلت ہے تو اُسے خاص طور پر ہندوستان آنے کی دعوت دی گئی۔[۲۹] محسنِ فانی کی روایت ہے کہ ابوالفضل، آذر کیوان نامی ایک آتش پرست کا دل و جان کے ساتھ معتقد تھا۔[۳۰]

آگ کی عظمت نے بادشاہ کے دل میں چراغ کے لئے بھی تعظیم پیدا کر دی۔ "عظمتِ چراغ" کے تحت ابوالفضل رقمطراز ہے کہ گیہان فروز روشن دل نور دوستی را ایزد پرستی شمارد و ستائش الٰہی اندیشد، نادان تیرہ خاطر دادار فراموشی و آذر پرستی خیال کند۔[۳۱] بادشاہ چراغ کی لَو کو۔ سرچشمۂ الٰہی نور۔ سمجھتا تھا۔[۳۲] اس لئے سرِ شام جب چراغ روشن کئے جاتے تو شاہی خدام سونے چاندی کے بارہ لگنوں میں کافوری شمعیں لیکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے، بادشاہ شمعوں کا دل و جان کے ساتھ احترام کرتا اور ان کی آرتی لیتا۔ جب تک بادشاہ "ایزد پرستی" میں مصروف رہتا اتنی دیر ایک خوش الحان خادم شمع کی

[۲۷] مہابھارت، ص ۲۵ [۲۸] منتخب التواریخ، جلد ۲، ۲۶۱

[۲۹] دبستانِ مذاہب، ص ۲۶۶ [۳۰] ایضاً۔

[۳۱] آئین اکبری، جلد اول، ص ۴۷ [۳۲] ایضاً۔

مدح سرائی اور بادشاہ کے لئے دُعا کرتا رہتا تھا۔[۳۳] اگر کبھی بادشاہ دربار میں ہوتا اور شمع جلانے کی نوبت پیش آتی تو وہ شمع جلانے کے وقت احتراماً کھڑا ہو جاتا اور اس کی دیکھا دیکھی درباری بھی شمع کے احترام میں کھڑے ہو جاتے۔[۳۴] ابوالفضل لکھتا ہے کہ اکبر کہا کرتا تھا کہ ۔چراغ افروختن بیاد آفتاب در ساختن است ہر کرا آفتاب فرو شدہ باشد اگر بدو نسازد چہ کند۔[۳۵]

ہندوؤں اور نقطویوں کی صحبت میں رہتے ہوئے اکبر تناسخ کا قائل ہو گیا تھا اور اس کے بغیر وہ عذاب و ثواب کو بے معنی سمجھتا تھا۔ ابوالفضل کا کہنا ہے کہ اکبر کا یہ قول تھا۔ آنکہ سماوی کتب بہ گویند برخے عصیان گرامی باستان بصورت بوزنہ و خوک بر آمدند باور اُفتد۔[۳۶] یعنی اکبر کہا کرتا تھا کہ پہلے جب کبھی میں یہ سنتا تھا کہ خدا نے فلاں فلاں قوم کو ان کے گناہوں کی پاداش میں بندر اور سوٗر بنا دیا تو یہ بات میری سمجھ میں نہ آتی تھی، لیکن جب سے میں تناسخ پر یقین رکھنے لگا ہوں تب سے یہ بات میری سمجھ میں آنے لگی ہے کہ ایسا ممکن ہے۔ اسی طرح وہ اکثر یہ بھی کہا کرتا تھا کہ سخت رنجوری خردان لختے از تناسخ آگاہی دہد۔[۳۷] بدایونی لکھتا ہے کہ جب خانِ اعظم بنگال سے آکر اکبر کی خدمت میں باریاب ہوا تو اکبر نے عند الملاقات اس سے کہا۔ ما دلائل قطعی بر حقیقت تناسخ یافتہ ایم، شیخ ابوالفضل خاطر نشان شما خواہد کرد۔[۳۸]

[۳۳] ایضاً، ص ۴۸ [۳۴] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۶۱۔ مقربان نیز در وقت افروختن شمع و چراغ قیام لازم ساختند

[۳۵] آئین اکبری، جلد ۳، ص ۳۰۳۔ [۳۶] ایضاً۔

[۳۷] ایضاً [۳۸] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۰۰

اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اکبر نہ صرف یہ کہ خود تناسخ پر یقین رکھتا تھا بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کرتا رہتا تھا۔

جب ہندوؤں کا تہوار سنبلہ آتا تو اس روز بادشاہ اپنے ماتھے پر قشقہ کھینچ کر دولت خانہ میں بار عام دیتا تھا۔ اس موقع پر برہمن اس کی کلائی پر راکھی باندھتے اور امراء اس کے حضور میں نذریں پیش کرتے تھے۔[39]

ہندوؤں کے ہاں یہ دستور ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اس کے لواحقین بھدرہ کرواتے ہیں۔ عہد اکبری کے تقریباً سبھی مؤرخ اس پر متفق ہیں کہ جب اکبر کی والدہ حمیدہ بانو کا انتقال ہوا تو اکبر نے ہندوؤں کے رواج کے مطابق بھدرہ کروایا۔[40] اس واقعہ کے چھ سال بعد جب اس کی رضاعی ماں فوت ہوئی تو اس موقع پر بھی اکبر اور اس کے خوشامدی امراء نے بھدرہ کروایا۔[41] جب ۱۰۰۱ ہجری میں شیخ مبارک کا انتقال ہوا تو اس موقع پر ابوالفضل علامی اور صاحب تفسیر سواطع الالہام فیضی نے بھی بھدرہ کروایا۔[42] ہمارے زمانے میں اکبر کے بعض خوشامدی یہ کہتے ہیں کہ بھدرہ کروانا مغلوں کی رسم تھی، اس لئے یہ کہنا کہ اکبر نے یہ طریقہ ہندوؤں سے اپنایا تھا، درست نہیں۔ ہم ان بزرگوں سے یہ مؤدبانہ گذارش کرتے ہیں کہ یہ اگر مغلوں کا ہی

---

[39] ایضاً، ص ۲۶۱ [40]: مرآۃ العالم، ورق ۳۵۴ الف [i]۔ سوانح اکبری، ورق ۱۲۴۔ الف، ب، [iii]۔ تکملہ اکبر نامہ، ورق ۳۹ ب [iv]۔ اکبر نامہ، جلد ۳، ص ۸۳۱۔ ہندوؤں کے ہاں یہ دستور ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اس کے سوگ میں اس کے قریبی رشتہ دار ڈاڑھی، مونچھ اور سر پر اُسترا پھروا کر "چدرمرو" ہو جاتے ہیں۔ اسے وہ بھدرہ کہتے ہیں۔ [41] ماثر الامراء، جلد اول، ص ۶۰۵ [42] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۸۰

دستور تھا تو پھر اس پر بابر، ہمایوں، جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر نے عمل کیوں نہیں کیا۔؟

اکبر نے ہندوؤں کے طور طریقے کہاں تک اپنا لئے تھے اس کا کچھ اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب سلیم کی شادی راجہ بھگوان داس کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تو شادی کی رسومات ہندوانہ طریقے پر ادا کی گئیں۔[43]

بدایونی کو اکبر سے یہ گلہ ہے:۔

برغم اسلام ہر حکمی کہ ارباب ادیان دیگر بیان کردند آنرا نص قاطع شمردند بخلاف این ملت کہ ہمہ احکام آن نامعقول و حادث، و واضع آن فقرای عربان مفسد و قطاع الطریق و اہل اسلام مطعون قرار یافتند۔[44]

اسلام کی ضد میں دوسرے مذاہب کے بانیوں کے تمام احکام و اقوال نص قاطع قرار پائے اور ملت اسلامی کا مجموعہ قانون حادث اور نامعقول ٹھہرایا گیا اور اس کے بنانے والے عرب کے وہ مفلس بدو قرار پائے جن کا پیشہ دنگا فساد اور رہزنی تھا۔

ہمیں اکبر سے یہ گلہ ہے کہ وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسے ارکان اسلام اور دوسرے اسلامی شعائر اور عبادات کو "تقلیدیات" اور "نامعقول" کہا کرتا تھا۔[45] اور اس کا خلیفہ اول ابوالفضل مسلمانوں کو "گرفتار زندان تقلید"[46]

---

[43]: ایضاً، ص ۳۴۱ "وجمیع رسومی کہ در ہنود معہود است از افروختن آتش وغیر آن بجای آوردہ" تذکرۃ الامراء - ورق ۱۳۱ ب "رسوم شادی از جانبین بقاعدہ راجپوتیہ بعمل آمدہ" [44] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۶۲

[45] ایضاً، ص ۲۱۱ - نماز و روزہ وجمیع نبوات را تقلیدیات نام نہادند یعنی غیر معقول

[46] مہابھارت، ص ۱۳۵

ہونے کا طعنہ دیا کرتا تھا۔ اگر نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج "تقلیدیات" ہیں تو پھر آفتاب پرستی، آگ کی تعظیم، چراغ کی عظمت، شادی کے وقت آگ کے گرد پھیرے، تناسخ پر ایمان، رکھشا بندھن، قشقہ کھینچنا، گئو درشن، سور کا دیدار، بھدرہ، ترک لحمیات اور تدفین کے طریقِ نو کے لئے کونسی اصطلاح استعمال کی جائے گی۔ یہ خرافات تو تقلیدیات کے زمرہ میں نہیں آتیں۔ کیونکہ یہ اکبر اور ابوالفضل کے اجتہادات ہیں۔

بعض خود غرضوں نے اکبر کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ اسلام کی میعاد صرف ہزار سال ہے۔[۴۷] یہ نظریہ "عقیدۂ الفی" کے نام سے مشہور ہے۔ اکبر کے حکم سے ۱۰۰۰ ہجری میں یادگاری سکے ڈھالے گئے اور اس موقع پر اس نے تاریخ الفی کے نام سے ایک تاریخ مرتب کرنے کا کام ملّا نظام الدین احمد کو سونپا۔ عقیدۂ الفی کا بڑے زور شور سے پراپگنڈا کیا گیا اور یہ بات عوام کے ذہن نشین کرائی گئی کہ دورِ اسلام اب ختم ہو گیا ہے اور اب ایک نئے دین کی ضرورت ہے —— بدایونی لکھتا ہے کہ بار لوگ عقیدۂ الفی کی تائید میں ناصر خسرو علوی کے کلام سے ایک رُباعی بھی تلاش کر لائے جسے وہ جا بجا گنگناتے پھرتے تھے۔[۴۸]

در نہصد و نتعین دو قران می بینم
وز مہدی و دجال نشان می بینم
یا ملک بدل گردد یا گردد زمین
سرّی کہ نہان است عیان می بینم

---

۴۷ دبستانِ مذاہب، ص ۲۰۷ ۴۸ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۱۳

ابھی یہ رُباعی عوام کے کانوں میں گونج ہی رہی تھی کہ خواجہ مولانا شیرازی، جس کا شمار عہدِ اکبری کے ملاحدہ میں ہوتا تھا، مکہ مکرمہ سے ایک رسالہ لے کر اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں مرقوم تھا کہ احادیث صحیحہ کی رو سے دنیا کی میعاد سات ہزار سال ہے اور یہ میعاد اب ختم ہونے والی ہے، لہذا اب ظہور مہدی کا وقت ہے۔[۴۹] بدایونی لکھتا ہے کہ خواجہ شیرازی نے خود بھی ظہور مہدی کے متعلق ایک رسالہ لکھا تھا۔[۵۰]

جن ایام میں خواجہ مولانا شیرازی کی تحریریں موضوع بحث بنی ہوئی تھیں انہی دنوں شریف آملی نے محمود بسیخوانی کی ایک تحریر سے یہ استدلال کیا کہ ۹۹۰ ہجری میں — صاحبِ دین حق — کا ظہور ہوگا اور وہ باطل کا قلع قمع کرے گا۔[۵۱] بدایونی لکھتا ہے کہ دوسروں کی دیکھا دیکھی شیعہ حضرات بھی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی روایت نقل کرنے لگے۔[۵۲] ابھی ناصر خسرو علوی کی پہلی رُباعی کی صدائے بازگشت فضا میں تحلیل ہونے نہ پائی تھی کہ بعض ۔مخذولان بی عفت و بی عاقبت — نے اس کی ایک دوسری رُباعی کی نشر و اشاعت شروع کر دی — وہ رُباعی یہ ہے۔[۵۳]

در نہصد و ہشتاد و نہ از حکم قضا
آئید کواکب از جوانب یکجا،
در سال اسد ماہ اسد روز اسد
از پردہ برون خرامد آن شیر خدا

---

۴۹ ایضاً۔ ص ۲۸۷ ۵۰ ایضاً۔ ۵۱ ایضاً۔
۵۲ ایضاً ۵۳، ص ۲۸۷

بار لوگوں نے نئے ظہور کی آمد اور نئے دین کی ضرورت کا کچھ اس طرح سے پروپاگنڈا کیا کہ اکبر کو یقین ہو گیا کہ وہی وہ "شیرِ خدا" اور "صاحب دینِ حق" ہے جو "اختلاف ہفتاد و دو ملت" ختم کرنے کی خاطر بھیجا گیا ہے۔

اکبر نے — آئین رہنمونی — کا سہارا لے کر عوام کو مرید کرنا شروع کیا۔ بدایونی کی روایت ہے کہ اکبر کا مرید ہونے سے پہلے اُمیدوار کو اس مضمون کی ایک تحریر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا ہوتی تھی۔[۵۴]

منکہ فلاں بن فلاں باشم بطوع و رغبت و شوق قلبی از دین اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بودم ابرا و تبرا نمودم و در دین الٰہی اکبر شاہی در آمدم و مراتب چہارگانہ اخلاص کہ ترک مال و جان و ناموس و دین باشد، قبول کردم۔	میں فلاں ابن فلاں ہوں، اپنی خواہش و رغبت اور دلی شوق کے ساتھ دین اسلام مجازی اور تقلیدی سے جس کے متعلق میں نے اپنے باپ دادا سے سنا اور جس پر انہیں عامل پایا، بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ مزید براں میں اخلاص کے چاروں مراتب، ترک مال و جان، و ناموس و دین طے کر کے اکبر کے دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں۔

ابوالفضل کی ایک تحریر سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ بادشاہ سورج دیوتا کی مناسبت سے اتوار کے روز لوگوں کو مرید کیا کرتا تھا۔ جو شخص اکبر کا مرید ہوتا اُسے وہ اپنا "چیلہ" کہتا تھا لیکن وہ خود کو "الٰہیان" کہلاتے تھے۔[۵۵]

---

[۵۴] ایضاً، ص ۳۰۴

[۵۵] ایضاً، ص ۲۹۹۔ جماعہ را کہ مرید گردند الٰہیان مشہور بودند۔

جس طرح ایک پیر اپنے مرید کو اپنے مشائخ کا ایک شجرہ دیا کرتا ہے، بعینہٖ اکبر اپنے مریدوں کو اپنی تصویریں دیا کرتا تھا جسے وہ اپنی دستاروں میں اڑس لیتے تھے۔[۵۶]

"آئین ارادت گزینان" کے تحت ابوالفضل رقمطراز ہے کہ اکبر نے اپنے مریدوں کے لئے ایک باقاعدہ دستور العمل بنا دیا تھا جس پر وہ کاربند تھے۔ انہیں پیر و مرشد کا یہ حکم تھا کہ وہ قصاب، ماہی گیر اور گنجشک گیر کے ساتھ کھانا نہ کھائیں ان کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ اپنے جنم کے مہینہ میں گوشت خوری سے مکمل اجتناب کریں اور اپنا جنم دن بڑی دھوم دھام سے منائیں۔ انہیں عمر رسیدہ اور بانجھ عورتوں سے جماع کرنے کی ممانعت تھی اور اسی طرح انہیں نابالغ لڑکی سے دور رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ "آئین ارادت گزینان" کے تحت بادشاہ نے اپنے چیلوں کو یہ حکم دیا تھا کہ جب وہ ایک دوسرے سے ملیں تو ان میں سے ایک اللّٰہ اکبر کہے اور دوسرا جواب میں جل جلالہٗ کہے۔[۵۷] ابوالفضل کی ایک تحریر سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر ان کے گھر میں کوئی میت ہو جائے تو بجائے سیاہ لباس کے سُرخ لباس پہنا کریں۔ شروع شروع میں یہ لباس صرف مریدوں کے لئے ہی مخصوص تھا لیکن بعد ازاں تمام رعایا کو سوگ کے دنوں میں سُرخ لباس پہننے کی ہدایت کی گئی اور یہ بات کوتوال کے فرائض میں شامل کر دی گئی کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ میت کے لواحقین سیاہ لباس کی بجائے سُرخ رنگ کا لباس زیب تن کریں۔[۵۸]

---

[۵۶] ایضاً، ص ۳۳۸ [۵۷] آئین اکبری، جلد اول، ص ۱۹۲

[۵۸] ایضاً، ص ۳۴۹

ان کے لئے یہ حکم تھا کہ وہ اپنے مُردوں کو اگر چاہیں تو اس کے گلے میں اناج کے تھیلے اور پختہ اینٹیں باندھ کر دریا میں بہادیں اور اگر دریا قریب نہ ہو تو پھر اہل ختن کی طرح میت کو درخت کے ساتھ لٹکا دیں۔[۵۹] اکبر کے مرید خاص سلطان خواجہ کو دفن کرتے وقت اس کی زبان پر دہکتا ہوا انگارہ رکھا گیا تھا اور قبر کھودتے وقت اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا تھا کہ اس کی ٹانگیں قبلہ رُخ ہوں۔ اسی طرح اس کی قبر میں شرق رویہ ایک دریچہ بھی بنایا گیا تھا تاکہ سورج کی روشنی اس کے چہرہ کو منور اور گناہوں سے پاک کرتی رہے۔ بدایونی کی ایک روایت سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ بعض حالات میں مُردہ کو جلانے کی اجازت بھی دی گئی تھی۔[۶۰]

بادشاہ اکثر اوقات ایک "پیر و مرشد" اور "روحانی پزشک" بن کر — اخلاص پیشگان — کی رہنمائی کے لئے بیٹھتا۔ اس دوران میں۔ ارباب تجرد سنیاسی و جوگی و سیورہ و قلندر و حکیم و صوفی و گروہا گروہ ملک تعلق سپاہی و بازرگان و پیشہ ور — اس کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ لوگ مایوس العلاج مریضوں کو بھی بادشاہ کے پاس لاتے اور وہ انہیں پانی دم کر کے پلاتا جس سے انہیں شفا ہو جاتی تھی۔[۶۱] ابوالفضل کے الفاظ ہیں کہ بادشاہ ولی کامل تھا اور وہ مُراقبہ کی حالت میں" عالم بالا کی سیر کر آتا تھا۔[۶۲] ہر چند وہ اپنے کشف و کرامات کو چھپاتا تھا پھر بھی کبھی نہ کبھی اس سے کوئی کرامت سرزد

---

۵۹ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۹۱ — ۶۰ ایضاً

۶۱ آئین اکبری، جلد اوّل، ص ۱۹۰ — ۶۲ ایضاً۔

۶۳ مہابھارت، ص ۱۱۔

ہو ہی جاتی تھی، ابوالفضل نے بارہا ایسی کرامتوں کا مشاہدہ کیا تھا۔[۶۴]

دین الٰہی پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ اکبر کی بدعات کے متعلق کہاں تک لکھا جائے۔ ایک جز ہو، دو جز ہوں اس نے تو ابتدائے زندگی سے آخر زندگی تک سارے قوانین کو اُلٹ پلٹ کر دیا تھا۔ مولانا مرحوم کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ اکبر نے دینِ الٰہی بنا کر ہندوستان کے باشندوں کا تعلق بیرون ہند سے توڑ لیا تھا۔[۶۵] یہ عجیب بات ہے کہ جس بادشاہ کے متعلق یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ وہ سب مذاہب کو ایک ہی نظر سے دیکھتا تھا، وہی بادشاہ اسلام کی جڑوں پر کلہاڑا چلاتا ہے۔ اسلام کے احکام کو "عقل" قبول نہ کرتی تھی، ورنہ دوسرے مذاہب کی ہر طرح کی خرافات کو وہ خندہ پیشانی سے قبول کر لیتا تھا۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اکبر ہرگز وسیع المشرب یا صلح کل بادشاہ نہ تھا بلکہ وہ ایک نئے دین کا بانی تھا جسے بدایونی دین الٰہی اور توحیدِ الٰہی کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ گذشتہ صفحات میں ہم یہ بتا چکے ہیں کہ دین الٰہی باقاعدہ مذہب تھا اور اس کا تعلق کسی دوسرے مذہب کے ساتھ نہ تھا۔

---

۶۴ ایضاً۔ — ۶۵ تذکرہ مجددؒ الف ثانیؒ، ص ۷۶

ردِ عمل

اکبر کی بدعات کا اگر اسلامی ذہن سے مطالعہ کیا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنا چنداں دشوار نہیں کہ وہ مُرتد ہو چکا تھا، اسلام اور خود مسلمانوں کے لئے یہ بڑا نازک وقت تھا، حضرت مجدّد الف ثانیؒ رقمطراز ہیں "مسلمانان از اظہارِ احکامِ اسلام عاجز بودند واگر میکردند بقتل میرسیدند"[1]۔ ایک دوسرے مکتوب میں آپ یوں تحریر فرماتے ہیں، "اگر مسلمانے شعارے از شعائرِ اسلام اظہار نماید بقتل میرسید"[2]۔ ایک اور جگہ آپ اسلام کی کس مپرسی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:-

در قرن سابق کفار بر ملا بطریق استیلاءُ اجراء احکام کفر در دارِ اسلام میکردند ومسلمانان از اظہار اسلام عاجز بودند واگر میکردند بقتل می رسیدند، وا ویلا، وامصیبتا، واحسرتا، واحزنا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ محبوب رب العالمین است مصدقان او خوار و ذلیل بودند ومنکران او بعزت واعتبار، مسلمانان با دلہای ریش در تعزیت اسلام بودند ومعاندان بسخریہ واستہزا بر جراحتہائے ایشان نمک پاشیدند، آفتاب ہدایت در تتق ضلالت مستور بود ونورِ حق در حجب باطل منزوی ومعزول[3]۔

گذشتہ عہد میں کفارِ بر ملا بسینہ زوری سے اس دارِ اسلام میں کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام کی ادائیگی سے عاجز تھے، اگر کبھی وہ ایسا کرتے تو قتل کئے جاتے۔ وا ویلا، وامصیبتا، واحسرتا، واحزنا، خدا کے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ذلیل وخوار تھے اور حضورؐ کے منکروں کی عزت کی جاتی تھی، مسلمان اپنے زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی تعزیت میں مصروف تھے اور دشمن مذاق اور مسخرے سے ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے۔ ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردوں میں چھپا ہوا تھا اور نورِ حق باطل کے حجاب میں پنہاں تھا۔

[1] مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب ۴۶۔ [2] ایضاً۔ مکتوب ۸۱۔

ایک اور موقع پر آپ یوں فرماتے ہیں:-

غربت اسلام تا بحدے رسیدہ است کہ کفار بر ملا طعن اسلام وذم مسلمانان می نمایند و بے تحاشا اجرائے احکام کفر و مداحی اہل آن در کوچہ و بازار میکنند و مسلمانان از اجرائے احکام اسلام ممنوع اند و در اتیان شرائع مذموم ومطعون۔

اسلام کی غربت اب اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ کافر بر ملا اسلام اور مسلمانوں کو لعن طعن کرنے لگے ہیں۔ وہ بلا تردد احکام کفر جاری کرتے اور گلیوں اور بازاروں میں ان کی تعریف کرتے پھرتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو احکامِ شریعت نافذ کرنے سے روکا جاتا ہے بلکہ ان احکامِ اسلام پر اعتراضات بھی کئے جاتے ہیں۔

پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ وناز
بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی است

[3] ایضاً۔ مکتوب ۴۷

سبحان اللہ و بحمدہ "الشرع تحت السیف" گفتہ اند و رونق شریعت را بسلاطین وابستہ اند، قضیہ منعکس گشتہ است و معاملہ انقلاب پیدا کردہ است، واحسرتا، واندامتا، واویلا۔ [54]

سبحان اللہ و بحمدہ۔ شریعت کو تلوار کے تابع رکھا گیا ہے اور اسلام کی رونق کا ذمہ دار سلاطین کو ٹھہرایا گیا ہے۔ یہاں معاملہ ہی برعکس ہے اور ہر چیز الٹی نظر آتی ہے، واحسرتا، واندامتا، واویلا۔

آخر میں حضرت رح کی یہ تحریر بھی ملاحظہ فرمائیے "کفار ہند بے تحاشی بدم مساجد می نمایند و در آنجا تعمیر معبد ہائے خود میسازند"[55]

"صلح کل" بادشاہ کے عہد میں کفار کے حوصلے اتنے بڑھ گئے تھے کہ مسلمانوں کی زندگی اجیرن بن گئی تھی۔ حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہو گئے تھے کہ خود حضرت مجدد الف ثانی رح اس دور میں ظہور مہدی کے منتظر تھے۔ ان حالات میں شیخ سلیم چشتی رح کے فرزند شیخ بدرالدین مکہ مکرمہ چلے گئے اور اپنی بقیہ عمر وہیں گذاری[56]۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح جب حدیث کی سند لینے حجاز گئے تو ہندوستان واپس آنے کا ارادہ فسخ کر دیا، شیخ عبدالوہاب متقی رح کا رہتی دنیا تک ہندوستان کے مسلمانوں پر یہ احسان رہے گا کہ انھوں نے شیخ موصوف کو دہلی جا کر احیائے شریعت کے لئے کام کرنے کا مشورہ دیا[57]، ورنہ ہندوستان اس بزرگ کی دینی خدمات سے محروم رہ جاتا۔

ان مایوس کن حالات میں کچھ ایسے باہمت اور باغیرت لوگ بھی تھے جو احیائے

---

[54] ایضاً، مکتوب ۶۵ [55] ایضاً جلد دوم، مکتوب ۹۲ [56] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۱۲
[57] حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۱۹۔

شریعت کی خاطر سر پر کفن باندھ کر میدان میں نکلے۔ جونپور کے قاضی ملا محمد یزدی نے، جو ایک مانے ہوئے عالم تھے، یہ فتویٰ دیا کہ اکبر مرتد ہو چکا ہے، اس لئے اس کے خلاف تلوار اٹھانا ہر مسلمان کا فرض ہے[58]۔ قاضیٔ بنگال میر یعقوب اور قاضی لال بر فی نے بھی اس فتویٰ کی تائید کی۔ پنجاب کے اکثر و بیشتر علماء نے ملا محمد یزدی کی جرأت کی داد دیتے ہوئے اکبر کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا[59]۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنگال، بہار اور اضلاع پورب میں اکبر کے خلاف بغاوت ہو گئی اور محمد معصوم کابلی، میر معز الملک، نیابت خان، محمد معصوم خان فرنخودی اور عرب بہادر جیسے جانباز اکبر کے خلاف صف آرا ہو گئے[60]۔ بعض امراء نے اکبر کی بجائے حکیم میرزا کو تخت پر بٹھانے کا منصوبہ تیار کیا اور اس کے ساتھ خط و کتابت شروع کر دی[61]۔ بنگال اور بہار میں، جہاں اکبر کے خلاف بغاوت ہو گئی تھی، جمعہ کے خطبہ سے اکبر کا نام حذف کر کے اس کی جگہ حکیم میرزا کا نام شامل کر دیا گیا[62]۔

باغی امراء کی قیادت باباخان جباری اور وزیر جنیل نے کی اور کافی مدت تک وہ اکبر کے لئے دردِ سر بنے رہے، اکبر نے ان کے خلاف فوج کشی کی اور فریقین میں گھمسان کی جنگ ہوئی، لیکن بدقسمتی سے باباخان عین معرکۂ کارزار میں کام آیا[63]۔ امیر میرکی نامی ایک سردار جو اپنی فوج لے کر باغیوں کی مدد کو آ رہا تھا۔

---

[58] دی کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد ۴، ص ۱۲۶ [59] امام الہند شاہ ولی اللہ رح کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہید رح بھی اکبر جیسے "کافر، زندیق و مرتد" حاکم کے خلاف خروج کو جائز قرار دیتے ہیں۔ منصب امامت، ص ۹۷۔ [60] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۷۶
[61] مغل نوبلٹی، ص ۱۷۳ [62] ایضاً۔ [63] تاریخ محمدی، ورق ۱۰۲ ب

شاہی افواج کے ہاتھ لگا۔ اکبر نے اس کا سر قلم کروا دیا۔[14] حسین بیگ چنزاد قلی بھی اکبر کے خلاف لڑتا ہوا میدانِ جنگ میں کام آیا۔[15] باغی امراء کا زور ٹوٹتے ہی علماء کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی۔ قاضیٔ بنگال میر یعقوب بھی گرفتار ہوئے اور اکبر نے ان کے دست و پا باندھ کر دریائے جمنا میں پھینکوا دیا۔[16] ملّا محمد یزدی اور میر معز الملک بھی میر یعقوب کی طرح دریائے جمنا میں پھینکے گئے۔[17] قاضی لال برنی کو اکبر کے حکم سے ذبح کیا گیا۔[18] لاہور کے اکثر علماء کو اکبر نے مروا ڈالا اور بقیۃ السیف میں سے قاضی صدر الدین لاہوری، ملّا عبد الشکور، ملّا محمد معصوم اور شیخ منورؒ کو دور دراز علاقوں میں جلاوطن کر دیا۔[19] معین الدین الواعظ ہرویؒ کے پوتے شیخ معین سے بوجہ کبر سنی درگزر کیا۔[20] حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خسر شیخ سلطان تھانیسریؒ کو کسی بہانے سے تختۂ دار پر لٹکا دیا۔

ڈاکٹر محمد یٰسین رقمطراز ہیں کہ وقتی طور پر اکبر باغیوں کو دبانے میں کامیاب ہو گیا لیکن اس کی وفات کے بعد راسخ العقیدہ مسلمان اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے۔[21] اکبر کے آخری ایامِ زندگی میں اس کے حواریوں میں سے راجہ ٹوڈرمل، بھگوان داس، راجہ بیربل، شیخ مبارک، فیضی، ابو الفضل اور شاہ فتح اللہ شیرازی

---

[14] ایضاً، ورق ۱۰۳ الف [15] ایضاً۔ ورق ۱۰۳ ب

[16] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۷۷

[17] ایضاً۔ ۱۱ تاریخ محمدی، ورق ۱۰۳ الف۔ [18] ایضاً، ورق ۸۲ الف

[19] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۷۷۔ [20] ایضاً۔

[21] اے سوشل ہسٹری آف اسلامک انڈیا، ص ۱۴۴

ایک ایک کر کے راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔ ان کے مرنے سے شاہی دربار میں جو خلا ہوا اُسے پُر کرنے کے لئے راسخ العقیدہ اُمراء آگے بڑھے، ان میں شیخ فرید بخاریؒ، قلیچ خانؒ، میرزا عزیز کوکلتاش، میراں صدر جہاں اور عبد الرحیم خان خاناں پیش پیش تھے۔ ان امراء نے دربار میں اپنی ایک جماعت قائم کر لی جسے حضرت مجدد الف ثانیؒ۔ جرگہ ممدّانِ دولتِ اسلام۔ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان امراء کی کوشش اور ہمت سے اسلام کو کافی حد تک تقویت پہنچی لیکن ان کا اثر زیادہ تر شاہی دربار اور سرکاری حلقوں تک ہی محدود رہا۔

شاہی دربار سے باہر حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ تحریک احیائے دین کے روحِ رواں تھے، یہ دونوں بزرگ ان اُمراء کو بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے اور ترویجِ شریعت کے لئے کوشش کرنے کی ترغیب دلاتے رہتے تھے۔ اپنے اور پرائے سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ اِن اُمراء نے یہ عہد کیا تھا کہ اکبر کی وفات کے بعد اس شہزادے کی حمایت کریں گے جو ملک میں احکامِ شریعت نافذ کرے گا۔ چنانچہ جہانگیر نے ان کے ساتھ اس بات کا عہد کیا اور ان امراء کی کوشش سے جہانگیر کو اس وقت تخت ملا جب خسرو کی جانشینی کے قریب قریب تمام مراحل طے ہو چکے تھے۔

جہانگیر کی تخت نشینی سے گو اسلام کو سنبھالا مل گیا تھا، لیکن اکبر کا لگایا ہوا زخم اتنا کاری تھا کہ وہ اتنی جلدی مندمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کام کے لئے کسی مردِ حق کی ضرورت تھی۔

آخر آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ کام حضرت مجدد الف ثانیؒ سے لیا اور ان کی

اصلاحی تحریک سے اسلام کو ہندوستان میں صحیح مقام مل گیا، حضرت مجددؒ الف ثانی کا کارنامہ بذاتِ خود ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے لہذا اسے ہم عنقریب ہی قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

ضمیمہ

آنجہانی مکھن لال رائے چوہدری کا شماران ہندو فضلا میں ہوتا ہے جو علوم اسلامیہ پر "سند" مانے جاتے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ان کی وسیع معلومات کی بنا پر ان کے حواری انہیں "مولوی مکھن لال" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ "مولوی صاحب" نے —THE DIN-i-ILAHI— کے نام سے انگریزی زبان میں ایک ضخیم کتاب لکھی تھی جو ۱۹۴۱ء میں کلکتہ سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب پر تقریظ لکھتے ہوئے پٹنہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے لکھا تھا اس موضوع پر اتنی مستند اور بلند پایہ تصنیف آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ میں اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس موضوع پر اتنی غیر مستند اور سطحی سی کتاب آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ "مولوی صاحب" جن کی فارسی دانی کا ڈھنڈورا ہندوستانی مؤرخ بڑے زور و شور سے پیٹتے ہیں میرے خیال میں فارسی اور علوم اسلامیہ سے بالکل نابلد تھے۔ میں اپنے اس دعوے کے ثبوت میں ان کی کتاب سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

بدایونی نے منتخب التواریخ میں ایک موقع پر اپنے والد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے، "والد مرحومی و مغفوری شیخ ملوکشاہ"[1] اس کا ترجمہ مولوی مکھن لال

[1] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۵۳

یوں کہتے ہیں[2]۔ "MY MATERNAL GRAND FATHER SHAIKH MULUK SHAH"

بدایونی نے اکبر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سنسکرت زبان میں سورج کے "ہزار ویک" اسمائ کا ورد کیا کرتا تھا[3]۔ مولوی مکھن لال نے "ہزار ویک" کا ترجمہ ONE THOUSAND AND EIGHT کیا ہے[4]۔ اسی طرح "مولوی صاحب" روضۃ الاحباب کو RAWAT UL - I - AKAB پڑھتے ہیں[5]۔ "مولوی صاحب" جن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھتے تھے، امام اہل سنت، حضرت مالک بن انس رح کو شیعوں کا امام بتاتے ہیں[6]۔ قاضی حسین عرب مالکی کو اکبر نے دار الحکومت کا قاضی مقرر کیا تھا۔ "مولوی صاحب" چونکہ امام مالک رح کو شیعہ سمجھتے ہیں اس لئے قاضی حسین عرب کے ساتھ "مالکی" کی نسبت پڑھ کر وہ یہی سمجھے کہ وہ بھی شیعہ ہیں[7]۔ اس کے بعد وہ لکھتے کہ یہ پہلا موقع تھا جب کسی شیعہ کا تقرر عدلیہ میں ہوا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر "مولوی صاحب" لکھتے ہیں کہ حضرت حسن رض سے لے کر امام زین العابدین رح تک شیعوں کے بارہ امام ہوئے ہیں، جن میں محمد باقر رح، اکبری اور ابو قاسم بھی شامل ہیں[8]۔ میرے خیال میں وہ امام حسن عسکری رح کو اکبری اور امام موسیٰ کاظم رح کو ابو قاسم سمجھتے ہیں۔ ایک اور موقع پر انہوں نے آئمہ اہل بیت کے نام اس ترتیب سے گنوائے ہیں[10]۔ علی، حسن، ظفر صادق موسیٰ قاسم، علی رضا، نقی اور حسن۔ رحمۃ اللہ علیہم۔

---

[2] دی دین الٰہی، ص ۲۷۱ [3] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۵۳۔
[4] دی دین الٰہی، ص ۲۷۱ [5] ایضاً، ص ۵۹۔ [6] ایضاً، ص ۱۳۱
[7] منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۰۹ [8] دی دین الٰہی، ص ۷۹
[9] ایضاً، ص ۱۲۹ [10] ایضاً، ص ۱۲۸

عہدِ اکبری کے مشہور شیعی عالم ملّا محمد یزدی کو، جو جونپور میں قاضی کے منصب پر فائز تھے، مولوی مکھن لال قاضی یزید لکھتے ہیں[11]۔ ایک اور جگہ انکا نام ملّا محمد یزید بھی دیکھنے میں آیا ہے[12]۔ اکبر کے ایک باغی سردار وزیر جنیل کو "مولوی صاحب" وزیر جمیل[13] اور ادھم خان کو آدم خان لکھتے ہیں[14]۔ سید محمد میر عدل امروہہ کے رہنے والے تھے اس لئے عہد مغلیہ کے مؤرخ انہیں "سید محمد میر عدل امروہہ" لکھتے ہیں۔ "مولوی صاحب" نے ہر جگہ امروہہ کو A MB OA ہی لکھا ہے[15]۔ مولوی مکھن لال نے ایک جگہ OJU کا ذکر کیا ہے۔ میں بادی النظر میں اس سے کوئی مطلب اخذ نہ کر سکا۔ ایک اور موقع پر جب میں نے OJU کے ساتھ بریکٹ میں ABLUTION BEFORE PRAYBR لکھا دیکھا تو سمجھا کہ "مولوی صاحب" وضو کا ذکر فرما رہے ہیں[16]۔ اسی طرح "مولوی صاحب" آیت الکرسی سے A COMMENTARY ON THE QURAN مراد لیتے ہیں[17]۔ "مولوی صاحب" نے اپنی کتاب میں متعدد موقعوں پر محمد حسین آزاد کی مشہور تصنیف "دربار اکبری" کے حوالے دئے ہیں لیکن ہر جگہ اُسے "دربار اکبر" ہی لکھا ہے[18]۔ اسی طرح وہ متھرا کے قاضی عبدالرحیم کو عبدالرحمٰن ہی سمجھتے رہے ہیں[19]۔

مستشرقین یورپ کی طرح مولوی مکھن لال بھی آیات قرآنی کو آگے پیچھے سے حذف کر کے بالکل غلط مطلب اخذ کرتے اور مسلمانوں کو ظالم اور جابر ثابت کرتے ہیں[20]۔ "مولوی صاحب" نے شیخ صفی الدین اردبیلی کو، جو شاہان صفویہ کے جدّ اعلیٰ تھے، شیعہ لکھا ہے[21]، جو حقیقت سے بعید ہے۔ اکبر کی والدہ حمیدہ بانو کو

---

[11] ایضاً، ص ۹۰ - [12] ایضاً، ص ۸۹ [13] ایضاً، ص ۹۱
[14] ایضاً، ص ۱۳۵ [15] ایضاً، ص ۴۳، [16] ایضاً۔
[17] ایضاً، ص ۷۵ [18] ایضاً، ص ۶۵، ۱۰۰ [19] ایضاً، ص ۸۵
[20] ایضاً، ص ۲، [21] ایضاً، ص ۲۲،

جو روہڑی کے ایک تری گاؤں جہار باغ ببرلو کی رہنے والی اور شیخ احمد جام ژندہ پیل ساکن تربت جام (خراسان) کی اولاد سے تھی، "مولوی صاحب" نادر اُلنہر کے ایک خاندان کی فرد بتاتے ہیں۔[۲۲] اسی طرح وہ بابر کی نواسی، گلرخ بیگم کی بیٹی اور اکبر کی بیوی سلیمہ سلطان کو سلطانہ سلیمہ لکھتے ہیں۔[۲۳]

"مولوی صاحب" نے سندھی زبان کے مشہور شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی (المتوفی ۱۷۵۲ء) کو اس عہد کا بزرگ بتایا ہے جس عہد میں مسلمان شمالی ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تھے۔[۲۴] مولوی مکھن لال نے کہیں سے یہ سن لیا تھا کہ مسلمانوں کے بہتر فرقے ہیں، چنانچہ انھوں نے بلا سوچے سمجھے یہ لکھ دیا کہ سولھویں صدی میں ہندوستان میں مسلمانوں کے بہتر فرقے آباد تھے۔[۲۵]

غیر مسلم مؤرخوں میں سے ہم نے مولوی مکھن لال رائے چودھری کے علاوہ ڈاکٹر سری واستوا، سری رام شرما، سر جدو ناتھ سرکار، ایشوری پرشاد اور پیٹر ہارڈی کی تحریریں پڑھی ہیں، وہ سب اسی طرح کی غلطیاں کرتے ہیں۔ انڈیا آفس لائبریری کے ایک مخطوطہ کے ساتھ ایک بل منسلک ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایشوری پرشاد چار آنے فی صفحہ دے کر مسلم طلباء سے فارسی عبارت کا ترجمہ کروایا کرتے تھے۔ اکثر غیر مسلم مؤرخ اسی طرح کام کر کے اپنی تاریخ دانی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مولوی مکھن لال کی مثال آپ کے سامنے ہے۔

۲۲؎ ایضاً، ص ۴۳، ۱۲۹ ۲۳؎ ایضاً، ص ۱۲۹ ۲۴؎ ایضاً۔ ص ۲۲، ۲۵؎ ایضاً، ص ۲۳

جس شخص کی فارسی دانی کا یہ عالم ہو اور وہ عہد مغلیہ کے "اصل فارسی مآخذ" پڑھ کر اس عہد کی تاریخ لکھے تو اس جیسے "شاہکار" کے "مستند" اور "بلند پایہ" ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے:-

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

مولوی مکھن لال کے بعد دین الٰہی کے موضوع پر شیخ محمد اکرام صاحب نے بھی رودِ کوثر میں کافی کچھ لکھا ہے۔ ہماری دیانتدارانہ رائے یہ ہے کہ دین الٰہی کے متعلق شیخ صاحب کی تحریروں نے اردو داں طبقہ میں کافی غلط فہمی پیدا کی ہے۔ ابوالفضل کی طرف داری کرتے ہوئے شیخ صاحب یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ "اس کی تصانیف میں بادشاہ کا کوئی ایسا حکم نہیں، جس سے اسلام کی مخالفت یا تحقیر ظاہر ہو۔"[۲۶] ابوالفضل نے آئین اکبری میں جابجا آفتاب پرستی، آگ کی تعظیم، چراغ کی عظمت، مسئلہ تناسخ، گئو درشن، نکاح نابالغان اور ایک سے زائد شادی پہ پابندی، قریبی رشتہ داروں میں نکاح کی مخالفت، بارہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کے ختنہ پہ پابندی، سن ہجری کی منسوخی ذبیحہ بقر پہ پابندی اور ترک لحمیات کا ذکر کیا ہے۔ کیا شیخ صاحب ان خرافات کو شریعت کے عین مطابق سمجھتے ہیں؟

بڑے تعجب کی بات ہے کہ صاحبِ رودِ کوثر کو ان میں سے کوئی چیز بھی خلاف اسلام نظر نہیں آئی، حالانکہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات میں اکبر کی ان ہی مشرکانہ حرکات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھنے کے بعد نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کے خلاف کوئی کام کرے یا کسی بت کے آگے جھکے یا زنار باندھے، وہ یقیناً کافر ہے۔[۲۷]

ہم شیخ صاحب سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر اکبر نے خلافِ اسلام

۲۶؎ رودِ کوثر، ص ۱۱۲ ۲۷؎ اشعۃ اللمعات، ص ۳۶۔

کچھ نہیں کیا تو پھر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے "تجدید" کس چیز کی کی تھی؟

شیخ محمد اکرام صاحب دین الٰہی کے متعلق لکھتے ہیں کہ "یہ ایک مذہب نہ تھا بلکہ ارادت و عقیدت کا سلسلہ تھا۔"[28] ایک دوسرے موقع پر آپ لکھتے ہیں کہ "یہ مریدی کا سلسلہ محض عقیدت و خوشامد کا اظہار تھا۔"[29] اگر شیخ صاحب کا یہ بیان درست ہے تو پھر مان سنگھ بھی "اظہار عقیدت اور خوشامد" کر سکتا تھا۔ اگر ہندو دھرم پر قائم رہتے ہوئے وہ بادشاہ کا مرید بن سکتا تھا تو پھر اس نے ایسا کیوں نہ کیا؟ مان سنگھ کا بادشاہ کی مریدی سے انکار ہی یہ ظاہر کرتا ہے کہ بادشاہ کا مرید ہونے سے پہلے ترک دین ضروری تھا۔ اس لئے شیخ صاحب قبلہ کا فرمانا کہ مریدی سے "ترک اسلام اخذ کرنا صحیح نہیں"[30] ہمارے خیال میں نادرست ہے۔ ہماری رائے میں شیخ صاحب نے دین الٰہی کے محض ایک روش (CULT) ہونے کے بارے میں جو دلائل دئیے ہیں وہ زیادہ وزن نہیں رکھتے۔

شیخ صاحب کو اس بات کا گلہ ہے کہ عوام الناس کی طرح اہل علم بھی یہی سمجھنے لگے ہیں کہ اکبری الحاد کا قلع قمع حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کیا ہے۔[31] [32] شیخ صاحب کے خیال میں یہ مفروضہ حضرتؒ کے "غالی معتقدین کی خوش اعتقادی" سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ ہم شیخ صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ کارنامہ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے علاوہ کسی اور بزرگ نے انجام دیا ہوتا تو پھر اُسے ہی مجددِ الفِ ثانی ہونا چاہیئے تھا۔ اگر حضرت شیخ احمد سرہندیؒ، مجددِ الفِ ثانی نہیں ہیں تو پھر اور کون اس لقب کا حقدار ہے؟۔ شیخ صاحب کا خیال ہے کہ حضرتؒ کے ہم عصروں میں سے کسی نے

[28] رود کوثر، ص ۱۲۹ [29] ایضاً، ص ۱۱۹ [30] ایضاً، ص ۱۳۱

[31] ایضاً، ص ۲۷۸ [32] ایضاً، ص ۲۷۷۔

ان کے تجدیدی کارنامے کا اعتراف نہیں کیا،[33] لہٰذا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ اپنے دور کے مجدد نہیں تھے۔ کیا ملّا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ، جنہوں نے انہیں اوّل بار مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کیا ہے، ان کے ہم عصر نہ تھے؟ ہمارے خیال میں شیخ صاحب کا یہ دعویٰ کہ الف ثانی میں تجدید کا سہرا فقط حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے سر نہیں، محل نظر ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے جو دلائل دیے ہیں وہ سب ظنی ہیں۔

[33] ایضاً، ص ۲۷۹

فہرست اسنادِ محولہ

مخطوطات فارسی

اخبار محبت	محبت بن فیض	برٹش میوزیم لندن، اورینٹل	۱۷۱۴
اکبر نامہ	فیضی سرہندی	برٹش میوزیم لندن، اورینٹل	۱۶۹
بحرالحیات	محمد غوث گوالیاری	انڈیا آفس لائبریری لندن۔ ایتھے	۱۰۰۲
تاریخ الفی	نظام الدین احمد	انڈیا آفس لائبریری لندن ایتھے	۱۱۴
تاریخ پنجاب	بوٹے شاہ	انڈیا آفس لائبریری، ایتھے	۵۰۳
تاریخ رشیدی	حیدر دوغلات	برٹش میوزیم لندن، اورینٹل	۶۴۷۷
تاریخ شیر شاہی	عباس سروانی	انڈیا آفس لائبریری لندن۔ ایتھے	۲۱۹
تاریخ محمدی	محمد بن رستم	برٹش میوزیم لندن، اورینٹل	۱۸۲۴
تذکرۃ الامرأ	کیول رام	برٹش میوزیم لندن، ایڈیشنل	۱۶۷۰۳
تذکرۃ الملوک	رفیع الدین شیرازی	برٹش میوزیم لندن، ایڈیشنل	۲۳۸۸۳
تکملہ اکبر نامہ	عنایت اللہ محب علی	برٹش میوزیم لندن، اورینٹل	۱۸۵۴
روضۃ الطاہرین	طاہر سبزواری	برٹش میوزیم لندن، اورینٹل	۱۶۹

سوانح اکبری	امیر حیدر بلگرامی	برٹش میوزیم لندن، اورینٹل	۱۶۶۵
مآثر جہانگیری	کامگار حسینی	برٹش میوزیم لندن، اورینٹل	۱۷۱
مبلغ الرجال	عبید اللہ خواجہ کلاں	مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، یونیورسٹی کلکشن	۱۹۱
مخزن اسلام	اخوند درویزہ	انڈیا آفس لائبریری لندن ایتھے	۲۶۳۲
مخزن افغانی	نعمت اللہ ہروی	برٹش میوزیم لندن، اورینٹل	۱۶۳۷
مراۃ العالم	شیخ محمد بقأ	انڈیا آفس لائبریری لندن، ایتھے	۱۲۴
مراۃ القدس	ذیرو نیمو شویر	برٹش میوزیم لندن، ہارل	۵۴۵۵
ہفت اقلیم	امین احمد رازی	انڈیا آفس لائبری لندن ایتھے	۷۲۴

مطبوعات، عربی، فارسی و اُردو

ابجد العلوم	نواب صدیق حسن خان	بھوپال	۱۲۵۹ھ
آج کل موسیقی نمبر		دہلی اگست	۱۹۵۶ء
اخبار الاخیار	شیخ عبد الحق محدّث	دہلی	۱۳۳۲ھ
ارشاد الطالبین	اخوند درویزہ	دہلی	۱۸۸۸ء
اشعۃ اللمعات	شیخ عبد الحق محدّث دہلوی	لکھنؤ	۱۳۰۲ھ
اصول کافی	الکلینی الرازی	لکھنؤ	۱۳۰۲ھ
اکبر نامہ	ابو الفضل	کلکتہ	۱۸۷۹ء
الاحکام السلطانیہ	ابو الحسن علی الماوردی	قاہرہ	۱۹۶۶ء
الاحکام السلطانیہ	ابو یعلیٰ	قاہرہ	۱۹۶۶ء
المصنوع فی الاحادیث الموضوع	ملا علی قاری	مطبع فاروقی، دہلی	
النافع	المقداد	AC III 7، آزاد کلکشن، پنجاب یونیورسٹی	

الملل والنحل — الشہرستانی — قاہرہ — ۱۹۶۱ء
انفاس العارفین — شاہ ولی اللہ دہلوی — دہلی — ۱۸۹۷ء
انوار الفرید — سید مسلم نظامی — طبع دوم ، پاک پٹن
آئین اکبری — ابوالفضل — لکھنؤ — ۱۸۶۹ء
پنجابی شاعراں دا تذکرہ — مولا بخش کشتہ — لاہور — ۱۹۶۰ء
تاریخ لاہور — کنہیا لال — لاہور — ۱۸۸۴ء
تاریخ دربار صاحب امرتسر — اودھم سنگھ — گوجرانوالہ — ۱۹۱۲ء
تاریخ عالم آرائے عباسی — اسکندر منشی — تہران — ۱۳۱۴ھ
تاریخ فیروز شاہی — ضیاء الدین برنی — کلکتہ — ۱۸۶۲ء
تاریخ فرشتہ — ہندو شاہ فرشتہ — کانپور — ۱۸۶۴ء
تاریخی و ادبی مطالعے — ڈاکٹر نذیر احمد — علی گڑھ — ۱۹۶۱ء
تزک بابری — ظہیر الدین بابر — بمبئی — ۱۳۰۸ھ
تزک جہانگیری — نور الدین جہانگیر — علی گڑھ — ۱۸۶۴ء
تذکرۃ الابرار والاشرار — اخوند درویزہ — دہلی — ۱۸۹۲ء
تذکرہ علمائے ہند — رحمٰن علی — لکھنو — ۱۸۹۴ء
تذکرہ مجدد الف ثانی — منظور نعمانی — لکھنؤ — ۱۹۵۹ء
تفسیر قمی — علامہ محمد طاہر قمی — ناشران حاجی احمد ۔ آقا حاجی علی — ۱۳۱۵ھ
جلاء العیون — باقر مجلسی، اردو ترجمہ عبدالحسین — لکھنؤ — ۱۳۰۱ھ
چہار مقالہ — نظامی عروضی سمرقندی، — برلن — ۱۹۲۸ء
حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی — خلیق احمد نظامی — دہلی — ۱۹۵۳ء
حیات القلوب — علامہ باقر مجلسی — لکھنؤ — ۱۸۸۳ء
تاریخ فیروز شاہی — شمس سراج عفیف — کلکتہ — ۱۸۹۱ء

خزینۃ الاصفیاء — مفتی غلام سرور — کانپور — ۱۹۰۲ء
دبستان مذاہب — محسن فانی — لکھنؤ — ۱۸۸۱ء
دربار اکبری — محمد حسین آزاد — لاہور — ۱۹۴۷ء
دیوان عرفی — عرفی شیرازی — لکھنؤ — ۱۸۸۶ء
رود کوثر — شیخ محمد اکرام — لاہور — ۱۹۵۸ء / ۱۹۶۸
رسالہ فی الاعتقادات — شیخ صدوق — AR C III.7، آزاد کلکشن، پنجاب یونیورسٹی
رقعات ابوالفضل — علامی ابوالفضل — تاج بکڈپو ، لاہور
سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات — خلیق احمد نظامی — دہلی — ۱۹۵۸ء
شعر العجم — شبلی نعمانی — ظفر بکڈپو — لاہور
طبقات اکبری — نظام الدین احمد — لکھنؤ — ۱۲۹۲ھ
طبقات ناصری — منہاج سراج جوزجانی — کلکتہ — ۱۸۶۴ء
عقاید الشیعہ — سید ظفر حسن — شمیم بکڈپو، کراچی
فصل الخطاب — علامہ نوری طبرسی — تہران — ۱۲۹۸ھ
فہم قرآن — مولانا سعید احمد اکبر آبادی — دہلی — ۱۹۶۱ء
قانون ہمایونی — خواند میر — کلکتہ — ۱۹۴۰ء
قصائد عرفی — عرفی شیرازی — لکھنؤ — ۱۸۸۰ء
کتاب الایمان — امام ابن تیمیہ — دہلی — ۱۸۶۴ء
کلیات فیضی — ابوالفیض فیضی — لاہور — ۱۹۶۷ء
لطائف قدوسی — شیخ رکن الدین — دہلی — ۱۳۱۱ھ
مآثر الامراء — شاہنواز خان — کلکتہ — ۱۸۸۸-۹۰ء
مآثر الکرام — غلام علی آزاد بلگرامی — آگرہ — ۱۹۱۰-۱۳ء

مجالس المومنین	قاضی نور اللہ شوستری	تہران	۱۲۹۹ھ
مقبول احمر	سید نجم الحسن	افتخار بکڈپو،	لاہور
مقدمہ تفسیر قرآن	سید علی نقی لکھنوی	لاہور	۱۳۸۰ھ
مکتوبات امام ربانی	حضرت مجدد الف ثانیؒ	لکھنؤ	۱۸۷۷ء
مکتوبات قدوسیہ	شیخ عبدالقدوس گنگوہی	دہلی	۱۸۷۰ء
منتخب التواریخ	عبدالقادر بدایونی	کلکتہ	۱۸۶۵ء
منصب امامت	شاہ اسمٰعیل شہید	دہلی	۱۸۷۷ء
مہابھارت	دیباچہ از ابوالفضل	لکھنؤ - مطبع نولکشور	
نقطویان یا پسیخانیان	دکتر صادق کیا	تہران	۱۳۲۰ش
نقوش لاہور نمبر	محمد طفیل	لاہور	۱۹۶۲ء
نور المبین حبل اللہ المتین	علی محمد جان محمد بخارا	×	×

مطبوعات انگریزی

اکبر دی گریٹ	ڈاکٹر اے ایل سری واستوا	۱۹۶۲ء	آگرہ
ابن العربی	سید عبدالقادر حسینی	۱۹۳۱ء	مدراس
آؤٹ لائن آف ریلیجس لٹریچر آف انڈیا	جے این فرکوہر	۱۹۲۰ء	لندن
اورنگ زیب اینڈ ہز ٹائمز	ظہیر الدین فاروقی	۱۹۳۵ء	بمبئی
امپیریل گزیٹیر آف انڈیا	نیا ایڈیشن	۱۹۰۸ء	آکسفورڈ
اے سوشل ہسٹری آف اسلامک انڈیا	ڈاکٹر محمد یٰسین	۱۹۵۸ء	لکھنؤ
اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا	پروفیسر ای جی براؤن	۱۹۳۰ء	کیمبرج
اکبر اینڈ دی جیسوئٹس	ڈو جیرک	۱۹۲۶ء	لندن

اکبرز ریلیجس تھاٹ ریفلیکٹڈ اِن مغل پینٹنگ	ایمی ولسنر	۱۹۵۲ء	لندن
اے فیو فیز آف دی افغانز اِن جالندھر بستیز	محمد حسین	۱۹۳۸ء	جالندھر
اے ہسٹری آف پرشین لینگوایج اینڈ لٹریچر ایٹ دی مغل کورٹ	ڈاکٹر محمد عبدالغنی	۱۹۳۰ء	الٰہ آباد
اکبر دی گریٹ	ونسنٹ اے سمتھ	طبع ثانی،	لندن
چیتنیاز پلگریمیجز اینڈ ٹیچنگز	جدوناتھ سرکار	۱۹۱۳ء	کلکتہ
ٹریولز آف فرے سباستین منریق - انگریزی ترجمہ	از لارڈ و ہوسٹن	۱۹۲۷ء	آکسفورڈ
داراشکوہ	کے آر قانونگو	۱۹۳۵ء	کلکتہ
دی پارسیز ایٹ دی کورٹ آف اکبر اینڈ دستور مہرجی رانا	جے جے مودی	۱۹۰۳ء	بمبئی
دی رینائسنس آف ہندوازم	ڈی ایس شرما	۱۹۴۴ء	بنارس
دی جیسوئٹس اینڈ دی گریٹ مغل	ایڈورڈ میکلیگن	۱۹۳۲ء	لندن
دی ٹیچنگز آف سری رامانج اچاریہ	سری نواس آئنگر	۱۹۰۸ء	مدراس
دی ورنیکلر ریلیجس لٹریچر آف انڈیا	جے این فرکوہر	۱۹۱۴ء	×
دی ڈوائن ماسٹر	سیوارام سنگھ	۱۹۳۰ء	لاہور
دی مغلز اینڈ دی پرتگیز	سری نواس اچاری	۱۹۲۷ء	مدراس
دی انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر	ڈاکٹر تاراچند	۱۹۳۶ء	الٰہ آباد
دی دین الٰہی	مکھن لال رائے چودھری	۱۹۴۱ء	کلکتہ
دی اسپرٹ آف اسلام	سید امیر علی	۱۹۴۹ء	لندن
دی کورٹ پینٹرز آف دی گرینڈ مغلز	تھامس آرنلڈ	۱۹۲۱ء	آکسفورڈ
دی کوئنز آف دی مغل امپیررز آف ہندوستان اِن دی برٹش میوزیم لندن	سٹینلے لین پول	۱۸۹۲ء	لندن

ریلیجس پالیسی آف اکبر	ڈاکٹر احمد بشیر	مخطوطہ سینٹ ہال لائبریری لندن	
ریلیجس پالیسی آف دی مغل ایمپررز	سری رام شرما	سنہ ۱۹۴۰ء	لندن
سٹڈیز اِن مڈیول انڈین ہسٹری	سری رام شرما	سنہ ۱۹۵۶ء	پونا
فتح اللہ شیرازی	ایم اے علوی	سنہ ۱۹۶۸ء	دہلی
کبیر اینڈ دی کبیر پنتھ	جی ایچ ویسٹ کوٹ	سنہ ۱۹۰۷ء	کانپور
کیمبرج ہسٹری آف انڈیا	سر ولزلی ہیگ	سنہ ۱۹۳۷ء	کیمبرج
کیٹلاگ آف دی پرشین مینوسکرپٹس اِن دی برٹش میوزیم لندن	چارلس ریو	سنہ ۱۹۶۶ء	لندن
گلمپسز آف دی مڈیول انڈین کلچر	ڈاکٹر یوسف حسین	سنہ ۱۹۵۷ء	بمبئی
میرا بائی	اے این باسو	سنہ ۱۹۳۴ء	لندن
مغل نوبلٹی ان انڈیا ٹو ۱۶۵۸	محمود علی	مخطوطہ سینٹ ہال لائبریری، لندن	
مونسیرٹس کومنٹری،	مونسیرٹ	سنہ ۱۹۲۲ء	کٹک
ہسٹری آف بنارس	اے ایس الٹیکر	سنہ ۱۹۳۷ء	بنارس